میکسیم گورکی

منزل کی تلاش

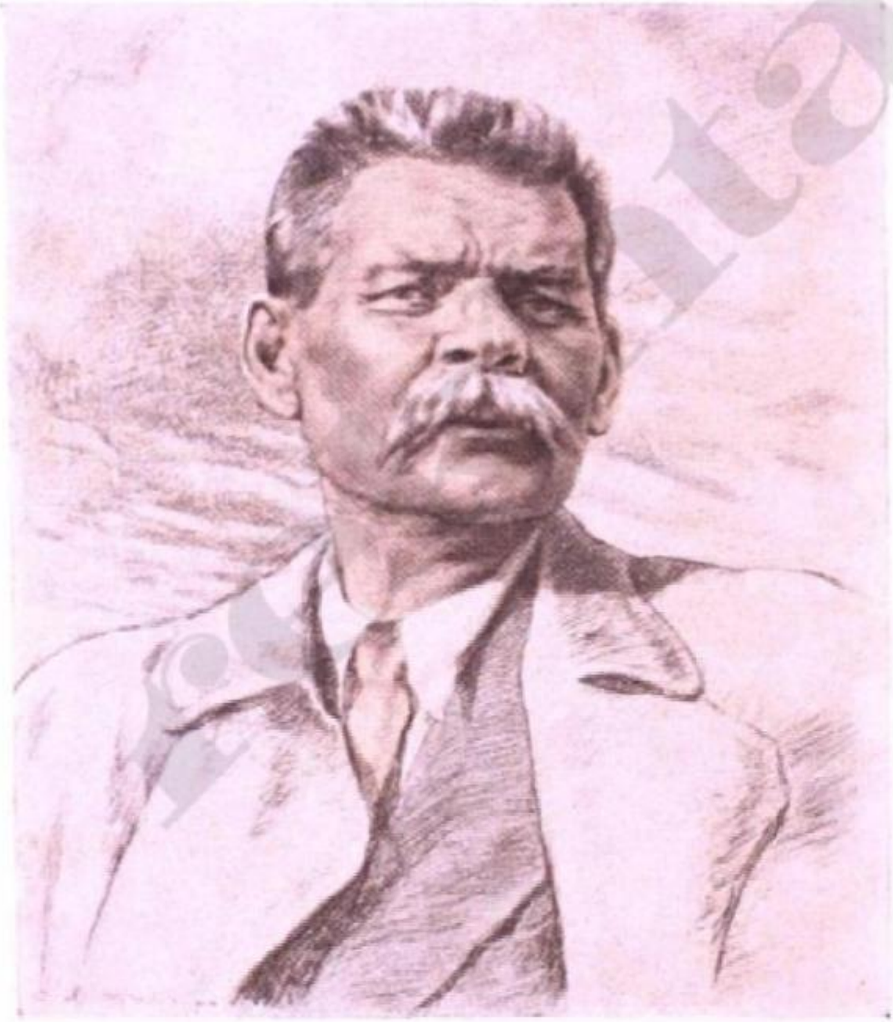

М. Горький

مکسیم گورکی

منزل کی تلاش

(میری یونیورسٹیاں)

rekhta

بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر
ماسکو

My LIBRARY

Rare Books' Collection

Pdf Made By: Muhammad Asif

Group Name: My Library

Id Contact: M.Asif.007

ترجمہ: رضیہ سجاد ظہیر
ایڈیٹر: انور عظیم

rekhta

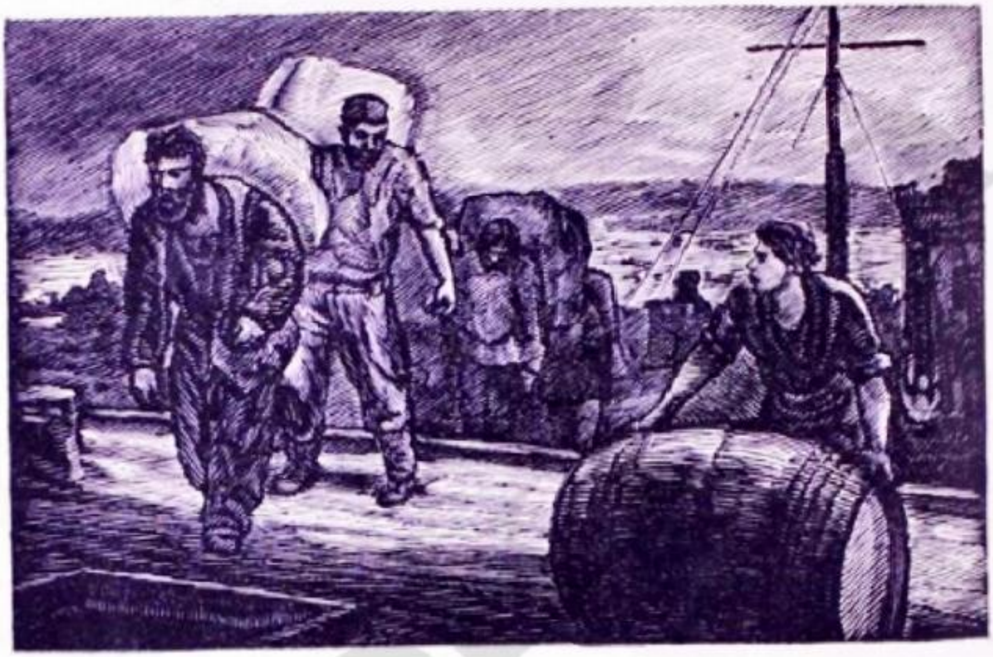

اچھا تو میں **قازان** سدھار رہا تھا، یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے —— جی! اور کیا!

یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا خیال ایک هائی اسکول کے طالب علم **ایورینوف** نے میرے دماغ میں گھسایا تھا — وہ اچھا نوجوان تھا —— بڑا خوبصورت، عورتوں کی سی نرم آنکھیں — هم دونوں ایک مکان میں لیکن الگ الگ کمروں میں رهتے تھے — اکثر وہ مجھے کتابیں هاتهه میں لئے، آتے جاتے دیکھتا — اس کے دل میں مجهه سے جان پہچان بڑھانے کی خواهش هوئی — اور جلد هی اس نے مجهه پر یہ جمانا شروع کیا کہ میں ’’علم حاصل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا هوں —،،

’’قدرت نے تم کو اس لئے پیدا کیا هے کہ سائنس کو آگے بڑھاؤ،، اس نے اپنے بالوں کو بڑی خوبصورتی سے پیچھے کی طرف جھٹکا دیتے هوئے کہا —

مجھے اس وقت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انسان بحیثیت خرگوش بھی سائنس کو آگے بڑھا سکتا ہے اور ایورینوف نے مجھہ پر بالکل واضح کردیا کہ یونیورسٹی میں میرے ہی ایسے لڑکوں کی ضرورت ہے۔ لومونوسوف کی یاد ایک روشن مثال کی طرح بیان کی گئی — ایورینوف نے مجھہ سے یہ بھی کہا کہ قازان میں میں اس کے ساتھہ رہوں اور خزاں اور سردی کے موسم میں خوب محنت کرکے ہائی اسکول کی پڑھائی ختم کرلوں، ''چند امتحانات،، پاس کروں، یونیورسٹی مجھہ کو وظیفہ دے دے گی اور پھر پانچ سال کے اندر میں عالم ہوکر وہاں سے نکل آؤں گا — یہ سب دیکھنے میں تو نہائت آسان لگتا تھا کیونکہ ایورینوف کی عمر انیس سال تھی اور اس کا دل نیکی اور محبت سے لبریز تھا —

اس نے اپنے امتحانات پاس کئے اور چلا گیا — تقریباً دو ہفتے بعد میں بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا —

روانگی کے وقت نانی اماں نے کہا:

''دیکھہ —— لوگوں پر غصہ نہ کرنا — تو ہر وقت جھلایا رہتا ہے — بڑا سخت دل ہوتا جا رہا ہے تو — اکڑفوں دکھانے لگا ہے تو — یہ بات تجھہ میں تیرے نانا سے آئی ہے — مگر دیکھہ اب تیرے نانا کا کیا حشر ہے! اتنی عمر ہونے کو آئی، جوانی تو حماقتوں میں کٹ گئی اور اب جو بڑھاپا آیا تو بالکل کڑوا نیم! ایک بات یاد رکھنا بیٹا کہ خدا نہیں انسانوں پر فیصلے دیا کرتا —— یہ تو شیطان کی تفریح ہے — اچھا خدا حافظ...،، اور انہوں نے اپنے تھل تھل کرتے، دھوپ سے جلے، تپے ہوئے چہرے پر سے دو آنسو پونچھے — ''اب ہماری ملاقات کبھی نہ ہوگی — تو نے ایک بے چین روح پائی ہے، بیٹا — اس لئے تو دور، بہت دور چلا جائے گا اور میرے اب مرنے کے دن نزدیک ہیں —،،

ادھر ایک عرصے سے میں اپنی محبوب اور پیاری نانی سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا، ان سے کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی تھی لیکن

اس وقت ایک دم سے مجھے اس حقیقت کا احساس ہوا کہ اب زندگی میں کوئی ایسا دوست نصیب نہ ہوگا جو اس قدر میرے وجود سے قریب ہو کہ گویا میری ہی ہستی کا ایک حصہ ہو –

میں نے کشتی کے پچھلے حصے پر کھڑے ہوکر دیکھا تو وہ چھوٹی سی بندرگاہ پر کھڑی اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہی تھیں اور گھسی ہوئی پرانی شال سے اپنا چہرہ اور سیاہ آنکھیں پونچھتی جا رہی تھیں —— آنکھیں جو بنی‌نوع انسان کی محبت کی ان چنگاریوں سے جھلملا رہی تھیں جو کبھی بجھ نہیں سکتیں –

پھر میں اس شہر میں پہونچ گیا جو نیم تاتاری تھا – ایک نیچی سی پہاڑی پر، غربت‌زدہ گلی میں ایک مکان تھا جس کے چھوٹے چھوٹے تاریک کمرے ایک دوسرے سے سٹے ہوئے تھے – مکان کے ایک طرف کو ایک بڑا سا میدان تھا جس میں جنگلی گھاس خوب گھنی اگی ہوئی تھی اور اس کے بیچوں بیچ اینٹوں کی ایک پرانی عمارت تھی – عمارت کے چاروں طرف بھی گھاس تھی اور ذرا اور آگے بڑی بڑی جھاڑیوں کا گھیرا تھا جو حدبندی کا کام دیتا تھا – اس عمارت کے کھنڈر کے نیچے ایک تہ‌خانہ تھا جس میں ادھر ادھر کے آوارہ لینڈی کتے جیتے مرتے رہتے – مجھے یہ تہ‌خانہ بہت اچھی طرح یاد ہے —— یہ میری یونیورسٹیوں میں سے ایک تھا!

ایورینوف کا خاندان (ایک ماں اور دو بیٹے) پنشن پر بسر کرتا تھا جو نہائت ہی مختصر تھی – جب میں ان کے گھر پہونچا تو پہلے ہی چند دنوں میں روزانہ یہ حسرت‌ناک منظر دیکھا: وہ بے جان، مختصر سی بیوہ عورت جب بازار سے واپس آتی تو اپنا خریدا ہوا سامان باورچی‌خانے کی میز پر پھیلاتی اور اس کے سامنے روز ہی یہ مشکل مسئلہ درپیش ہوتا کہ خراب قسم کے گوشت کے ٹکڑوں کو کس طرح پکائے جو تین تندرست لڑکوں کے لئے اچھی اور کافی غذا بن سکے، پھر اسے بھی تو اپنا پیٹ بھرنا پڑتا تھا –

rekhta

وہ بہت کم بات کرتی تھی اور اس کی بھوری آنکھیں کچھ اس طرح بے آس اور مایوس ہو کر اندر کو بیٹھ گئی تھیں جیسے کوئی لدو بیل اپنی تمام طاقت ختم کرکے ڈھٹائی سے ایک جگہ ڈھے پڑے! بیچارہ بیل اپنے بوجھ کو منزل تک پہونچانے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن اسے معلوم ہے کہ منزل کبھی نہیں آئیگی —— پھر بھی وہ بوجھ کو کھینچے ہی لئے جاتا ہے!

مجھے آئے کوئی تین چار دن گذرے ہوں گے کہ ایک دن میں اس کو کچھ سبزی بنانے میں مدد دے رہا تھا — لڑکے دونوں ابھی سو رہے تھے — اس نے تھکے ہوئے لہجے میں آہستہ سے مجھ سے پوچھا ”تم شہر کیوں آئے ہو؟“

”پڑھنے، یونیورسٹی میں پڑھنے —“

اس کی بھویں آہستہ آہستہ اٹھنے لگیں، خشک ماتھے کی لکیریں پھیلنے لگیں، چھری ہاتھ سے اچھل پڑی اور انگلی کٹ گئی — زخم کو چوستے ہوئے وہ ایک کرسی پر ڈھے پڑی لیکن پھر ایکدم اچھل پڑی اور زور سے بولی:

”آہ کمبخت، بدبخت... شیطان...“ پھر انگلی کو رومال سے باندھ کر میری تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی ”تم آلو اچھی طرح چھیل لیتے ہو —“

میرا بھی خیال تھا کہ ضرور چھیل لیتا ہوں چنانچہ میں نے اسے بتایا کہ اسٹیمر پر میں نے باورچی‌خانے میں کام کیا تھا —

اس نے پوچھا ”تو تمہارے خیال میں اتنی لیاقت یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لئے کافی ہے؟“

اس زمانے میں مجھ میں شئے لطیف کی ذرا کمی تھی، مذاق جلدی پلے نہیں پڑتا تھا — میں سمجھا کہ سنجیدگی سے سوال کر رہی ہے اور اس کو پورا سلسلہ بتانے لگا کہ کیا کیا جائیگا جس کے نتیجے کے طور پر علم کے مندر کا دروازہ میرے لئے کھل جائے گا —

rekhta

اس نے ٹھنڈی سانس بھری ''نکولائی... آہ نکولائی' بس کیا کہوں...''

عین اسی وقت نکولائی اٹھه کر منھه دھونے باورچی خانے میں آیا — نیند ابھی تک اس کی آنکھوں میں بھری تھی، بال الجھے ہوئے تھے لیکن وہ حسب دستور بہت اچھے موڈ میں تھا — کہنے لگا ''کیوں امی، سموسے بنیں تو مزہ آ جائے —''

''ھاں بن جائیں گے،'' ماں نے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا —

شامت اعمال کہ میں نے کھانا پکانے میں اپنی معلومات ظاھر کرنے کے لئے کہہدیا کہ یہ قیمہ سموسوں کے لئے ٹھیک نہیں ہے اور پھر کافی بھی نہیں ہے —

اس بات پر ورواراایوانوونا بڑی بگڑی اور مجھه پر کچھه ایسے فقرے کسے کہ میرے کان لال ھوکر پھیلتے ہوئے محسوس ہونے لگے — وہ جو گاجروں کی گھنی دھو رہی تھی' وہ اس نے پھینک دی اور باورچی خانے سے باھر نکل گئی — نکولائی نے مجھے آنکھه ماری ''اماں پر موڈ طاری ہے —''

وہ اطمینان سے ایک بنچ پر بیٹھه گیا اور میری معلومات بڑھانے لگا کہ اگر مجھے ٹھیک یاد پڑتا ہے تو سوئٹزرلینڈ کے کسی سائنس داں نے ثابت کیا تھا کہ عورتیں عام طور پر مردوں سے زیادہ جذباتی ھوتی ھیں اور ظاھر ہے کہ اس کی تھیوری کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا — ایک انگریز عالم نے بھی اسی موضوع پر کچھه اسی طرح کی بات کہی تھی — اس کا نام جان اسٹوارٹ مل تھا —

نکولائی کو مجھے سبق دینے میں بڑا لطف آتا تھا اور جہاں بھی موقع ھاتھه آتا وہ میرے دماغ میں کوئی نہ کوئی ضروری شے ڈھونڈ کر ٹھونس دیتا — گویا اس شے کی لاعلمی سے میری زندگی ناممکن ھوجاتی! میں اس کے الفاظ سے بڑے مزے میں سیراب ھوتا اور کچھه دیر بعد فوکو، دے لاروش فوکو اور دے لا روش ژاکلین آپس میں گڈمڈ

rekhta

ہو کر میرے ذہن میں ایک ہی ہستی کی صورت اختیار کرتے اور میں یہ نہ سمجھ پاتا کہ لاووازے نے دوموریے کا سر کٹوایا تھا یا دوموریے نے لاووازے کا! یہ مہربان نوجوان اس بات پر اتارو تھا کہ مجھے 'کچھ، بنا کر چھوڑے گا — وہ باربار مجھے اس کا یقین دلاتا لیکن میری باقاعدہ تربیت کے لئے نہ تو ماحول تھا، نہ وقت تھا — وہ جوانی کی رجائیت اور بے نیازی کے ساتھ اندھادھند پلان بناتا اور یہ اس کو نظر نہ آتا کہ اس کی ماں ہم لوگوں کو زندہ رکھنے کے لئے کس قدر محنت‌شاقہ کر رہی ہے! کس قدر جوڑ توڑ اس کو کرنا پڑتا ہے! اس کا چھوٹا بھائی تو اور بھی اس حقیقت سے بے نیاز تھا — وہ ایک خاموش سا لڑکا تھا، اس کی تمام حرکات سکنات میں سستی ہوتی تھی — وہ اسکول میں پڑھتا تھا — لیکن میں باورچی‌خانے کی کیمیا اور اقتصادیات کا مطالعہ زندگی میں بہت نزدیک سے کر چکا تھا — مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس عورت کو اپنے بچوں کی بھوک اور ان کے پیٹ کو دھوکا دینے کی جان توڑ کوشش تو پہلے ہی سے روزانہ کرنی ہوتی تھی' اب ایک اور اجنبی اور غیر نوجوان کا بھی پیٹ بھرنا ہوگا —— اور نوجوان بھی ایسا جو دیکھنے میں بد صورت ہے اور جس کے طور طریقے گنوارو اور بھدے ہیں — چنانچہ ظاہر ہے کہ اس گھر میں روٹی کا ایک ایک ٹکڑا جو میں کھاتا تھا، وہ میرے ضمیر پر بوجھ کی طرح محسوس ہوتا تھا — میں نے روزگار کی تلاش شروع کی! صبح تڑکے گھر سے نکل جاتا اور اتنی دیر باہر رہتا کہ یقین ہو جاتا کہ کھانا کھالیا ہوگا — موسم خراب ہوتا تو اس کھنڈر کے تہ‌خانے میں جا پڑتا اور وہیں اپنا وقت گذارتا — مردہ کتوں اور بلیوں کے بیچ میں بیٹھا سڑاند کی بو سونگھتا ہوا میں باہر موسلادھار بارش کی آواز اور اس کے ساتھ ہواؤں کی چیخ پکار، آہ‌وبکا سنتا رہتا — بہت جلد مجھ‌پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا خواب ایک جھوٹا اور کھوکھلا خواب تھا اور اس سے تو کہیں بہتر

rekhta

یہ ھوتا کہ میں ایران بھاگ گیا ھوتا — چنانچہ میں اپنے آپ کو ایک جادوگر تصور کرتا جو سیبوں کے برابر برابر دانوں سے گیہوں اور جو کے پودے اگاتا، پنسیری کا ایک ایک آلو اور اس دنیا کے لئے اور جو بہت سے فائدے کے کام کرتا اس کا تو خیر کوئی ذکر ھی نہیں — بے شمار نیک کام، اس دنیا کے فائدے کے لئے جہاں زندگی صرف میرے لئے ھی نہیں، ھر ایک کے لئے دوبھر تھی —

میں ابھی سے عجیب و غریب سیاحتوں اور بہادرانہ کارناموں کے خواب دیکھا کرتا — یہ خواب میری زندگی کے مشکل دنوں کو آسان‌تر بناتے تھے اور چونکہ ان مشکل دنوں کی تعداد ھمیشہ زیادہ ھوتی تھی اس لئے میں اس طرح کے خواب دیکھنے کا عادی اور خوب ماھر ھو گیا تھا — میں نہ تو اپنے سوا کسی کی مدد کا امیدوار تھا، نہ قسمت یا اتفاقات پر بھروسہ کرتا تھا — لیکن رفتہ رفتہ میری طبیعت میں ایک ایسی قوت‌ارادی پیدا ھوتی جا رھی تھی جو بہت مضبوط تھی — زندگی جتنی ھی مشکلیں میرے سامنے لا کر ڈالتی مجھے اتنا ھی یہ محسوس ھوتا کہ میں پہلے سے زیادہ مضبوط اور عقلمند ھو گیا ھوں — بہت چھوٹی سی عمر سے یہ حقیقت مجھ پر واضح ھو گئی تھی کہ انسان اپنے حالات سے جو جد و جہد کرتا ہے، ان سے جو ٹکر لیتا ہے وہ واقعی انسان کو مکمل بناتی چلی جاتی ھیں!

بھوکوں مرنے سے بچنے کے لئے میں والگا کے کنارے والی گودیوں میں جایا کرتا تھا — وھاں آسانی سے پندرہ یا بیس کوپک کی مزدوری مل جایا کرتی تھی — یہاں قلیوں، اٹھائی گیروں اور چوٹٹوں کے درمیان مجھے ایسا محسوس ھوتا تھا جیسے میں لوھے کی ایک سیخ ھوں جسے انگاروں پر تپایا جا رھا ہے، کیونکہ روز طرح طرح کے شدید اور ایسے تاثرات ذھن پر جمتے تھے جو ذھن کو جھلسا کر رکھ دیتے تھے — یہ ایک ایسی چکر کھاتی ھوئی دنیا تھی جس میں انسان کے احساسات کی سطح کھردری اور ناھموار تھی، اس کی حرص‌وھوس ننگی اور

rekhta

بےنقاب نظر آتی تھی — زندگی کے بارے میں ان لوگوں کا جو تلخ رویہ تھا وہ مجھے اپنی طرف کھینچتا تھا، دنیا کی ہر چیز کا وہ جس طرح مذاق اڑاتے تھے اور اس سے تمسخرانہ دشمنی رکھتے تھے وہ میرے لئے دلچسپ تھا — اور یہ بات بھی میرے لئے دلچسپ تھی کہ خود اپنی طرف سے وہ بے پرواہ اور بے نیاز تھے — میں نے زندگی میں جو کچھ بھگتا تھا وہ مجھے ان سے قریب کرتا تھا اور دل میں یہ ابال اٹھتا تھا کہ میں بھی اس طعن‌وتشنیع بھری زندگی کے سمندر میں غوطہ لگا جاؤں — بریٹ ہارٹ کے لکھے ہوئے قصے اور بہت سی بےشمار ناولیں جو میں نے اس درمیان میں پڑھی تھیں، وہ بھی اس دنیا میں میری دلچسپی کو بڑھاتی تھیں —

مثلاً باشکن تھا — پیشہ‌ور چور — جو پہلے استادوں کے کالج کا طالب‌علم تھا، تپ‌دق کا مریض، جس کو اکثر لوگ پیٹتے رہتے تھے — اس نے نہائت شان کے ساتھ مجھ کو سبق سکھایا:

’’تم اتنا جھینپتے کیوں ہو؟ جیسے کوئی لجیلی شرمیلی لڑکی — کیا آبرو لٹ جانے کا ڈر ہے؟ لڑکیوں کے لئے تو بھئی آبرو ھی سب کچھ ھے مگر تمہارے لئے تو آبرو ایک بوجھ ھی ھے — بیل ایمان دار ھوتا ھے مگر پیٹ بھرنے کے لئے گھاس تو اس کو بھی کھانی ھی پڑتی ھے —،،

باشکن کا قد چھوٹا تھا، بال سرخ، داڑھی شیو کرتا تھا ایکٹروں کی طرح — اس کے نرم، دبے دبے حرکات‌وسکنات کو دیکھ کر بلی کا خیال آتا تھا — میری طرف اس کا برتاؤ مشفق استاد کا سا تھا، اور یہ بھی مجھے نظر آتا تھا کہ وہ خلوص دل سے خواہش مند تھا کہ میری تقدیر بن جائے اور مجھے خوشی نصیب ھو — وہ بےحد ذھین تھا اور بہت سی کتابیں پڑھ چکا تھا، جن میں ’’کونٹ آف مانٹی کرسٹو،، اس کو سب سے زیادہ پسند تھی —

’’اس کتاب میں دل ھے دل — اور پھر ساتھ ھی کسی مقصد سے بھی لکھی گئی ھے —،،

rekhta

اسے عورتوں سے بےحد دلچسپی تھی اور ان کا ذکر کرتے وقت آپے سے باہر ہو جاتا تھا — مزے لےلے کر ہونٹ چاٹتا جیسے اس کے پورے کھلے ہوئے جسم پر کوئی دورہ پڑ رہا ہے — اس دورے میں کوئی بات ایسی غیر صحت‌مند تھی جو مجھے محسوس بھی ہوتی تھی اور میں اس بات سے نفرت بھی کرتا تھا — پھر بھی اس کی باتوں کی خوبصورتی کے خیال سے بڑے شوق سے میں اس کی گفتگو سنتا رہتا — اس کے پھیکے گالوں پر سرخی آجاتی، سیاہ آنکھیں وفور شوق سے چمکنے لگتیں، دبی زبان کہتا ’’عورت! عورت! آہ، میں عورت کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں — جیسے شیطان گناہ سے بالاتر ہے اسی طرح عورت بھی ہے! محبت کی زندگی! آہ، اس سے بہتر کوئی چیز اب تک تو ایجاد ہی نہیں ہوئی!،،

اس کو بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی اور وہ چٹکیوں میں رنڈیوں کے لئے گیت بنا لیا کرتا تھا جن میں ناکام عشق کا غم بھرا ہوتا تھا — یہ گیت والگا کے آس پاس تمام شہروں میں گائے جاتے تھے — جہاں اس نے اور بہت سے شعر کہے تھے وہاں اس گانے کے بول سب سے زیادہ مشہور تھے:

دوشیزہ میں بدصورت، غریب،
جسم پر میرے چیتھڑے پڑے ہوئے ہیں،
کون پکڑے میرا ہاتھ، کون بنائے مجھے دل کی رانی،
ہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں، کوئی نہیں!

تروسوف بھی میرا مربی اور ہمدرد تھا — ویسے تو وہ چال چلن کا اچھا نہ تھا لیکن صورت‌شکل کا اچھا تھا —— بھڑکیلے کپڑے پہنتا، موسیقاروں کی سی نازک انگلیاں تھیں — وہ اس محلے میں دوکان کیا کرتا تھا جہاں جہازران آکر ٹھہرتے تھے — دوکان کے بورڈ پر

rekhta

تو لکھا تھا ''گھڑیوں کی مرمت،، لیکن دراصل تروسوف چوری کا مال بیچا کرتا تھا —

اپنی کھچڑی داڑھی پر شان سے ھاتھہ پھیرتا، بےباک اور چالاک آنکھیں میچ کر مجھہ سے مخاطب ھوتا ''میکسم! دیکھنا تم کہیں ان چوٹوں کے چکمے میں نہ آجانا — تم روحانی قسم کے آدمی ھو —،،

''روحانی قسم سے کیا مطلب؟،،

''کیوں؟ ارے؟ یعنی وہ لوگ جو دوسروں سے حسد نہیں کرتے، صرف معلومات اور علم کی ٹوہ میں رہتے ھیں —،،

میرے متعلق یہ بیان صحیح نہ تھا — میں اکثر لوگوں پر رشک کیا کرتا تھا — مثلاً باشکن کی قوت‌بیان پر مجھے رشک آتا تھا — اس کی عجیب وغریب شاعرانہ طرز گفتگو، غیر معمولی صنائع‌وبدائع کا استعمال اور بات کا داؤپیچ! اس نے اپنی محبت کی ایک داستان بیان کی تھی جو مجھے اب تک یاد ھے:

''ایک دن رات کو جب خوب بادل چھائے ھوئے تھے، میں ایک بورڈنگ ھاؤس میں، ایک درخت کے کھوکھلے میں الو کی طرح گٹھری بنا پڑا تھا — یہ بورڈنگ ھاؤس اسوی‌یاژسک کے قصبے میں تھا اور یہ شہر نہائت ھی پھٹیچر تھا — بہت ھی افلاس‌زدہ! اس وقت خزاں کا موسم تھا — اکتوبر کا مہینہ — ھلکی ھلکی بارش ھو رھی تھی اور ھوا یوں سانس لے رھی تھی جیسے کسی دل جلے تاتاری کے گلے سے لے پھوٹ رھی ھو — ایک مسلسل ھوووو...

''اور لو وہ آپہونچی، ایسی نازک نازک، گلابی رنگ جیسے سورج نکلتے وقت بادل ھوں اور اس کی آنکھوں میں روح کی پرفریب پاکیزگی — کہنے لگی، میرے محبوب میں نے تمھارا کیا بگاڑا ھے، — مجھے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رھی ھے لیکن پھر بھی میں نے اس کی بات کا یقین کیا — میری عقل کو اچھی طرح سب کچھہ معلوم تھا لیکن دل نہیں مانتا تھا کہ وہ جھوٹ بولتی ھوگی —،،

rekhta

بات کرتے وقت وہ اپنی آنکھوں کو آدھا بند رکھتا، اس کا جسم جھومنے لگتا، ھاتھہ باربار اٹھتے اور گرتے تھے، کبھی سینے پر پھونچ جاتے کبھی دل پر — اس کی آواز پھیکی اور بے جان تھی لیکن الفاظ اس کے خوب صاف ھوتے تھے جیسے بلبل کے نغمے ان الفاظ میں سمو دئے گئے ھوں!

مجھے تروسوف پر بھی رشک آتا تھا — یہ شخص سائبیریا، خیوا، بخارا وغیرہ کے متعلق بڑی سحرانگیز داستانیں سنایا کرتا تھا — وہ بڑے تمسخر اور طنز کے ساتھہ بڑے پادریوں کی زندگی کے متعلق بات کرتا اور ایک دن چپکے سے زار الیکساندر سوئم کے متعلق کہنے لگا:

"یہ زار اپنے مطلب کا استاد ہے پکا —"

میرے نزدیک تروسوف ناول کے ان 'بدمعاشوں' کی طرح تھا جو ناول کے ختم ھوتے ھوتے بدل کر روحانی بلندیوں اور عظمتوں کو اس طرح چھو لیتے ھیں کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے —

کبھی کبھی جب راتوں کو امس ھوتی تو یہ لوگ قازانکا ندی کے اس پار چلے جاتے، وھاں جھاڑیوں میں بیٹھہ کر کھاتے اور پیتے اور آپس میں اپنے معاملات کے متعلق بات چیت کرتے — زیادہ‌تر تو زندگی کے الجھاوے اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں پر بحث ھوتی لیکن سب سے زیادہ عورت کے موضوع پر گفتگو ھوتی اور اس گفتگو کا رخ یا تو کمینہ‌پن کا رنگ لئے ھوتا یا مایوسی کا — کبھی کبھی ان کی باتوں میں بڑا درد اور جذبہ ھوتا اور زیادہ‌تر یہ باتیں کچھہ ایسے جذبات کے ساتھہ کہی جاتیں جیسے وہ لوگ گھپ اندھیرے میں گھور رہے ھوں اور انھیں کسی بھیانک چیز کا دھڑکا لگا ھوا — میں نے ان لوگوں کے ساتھہ اس طرح کی دو تین راتیں باھر بسر کیں، تاریک آسمان کے نیچے جس میں جھلملاتے ستارے ٹکے ھوئے تھے — ایک چھوٹا سا نشیب تھا جس کی گرم گود میں ھم لوگ لیٹے ھوئے تھے — اس کے اطراف بید اور نرکل کی گھنی جھاڑیاں تھیں، والگا کے قریب ھونے کی وجہ سے

rekhta

نمی کافی تھی اور اس نمناک اندھیرے میں سے گذرتی ہوئی کشتیوں اور اسٹیمروں کی روشنیاں چمکتی دمکتی سنہری مکڑیوں کی طرح رینگتی ہوئی ہر طرف نظر آ رہی تھیں — اوپر کو ابھرے ہوئے سیاہ ساحل پر آگ کے لوتھڑے اور رگیں سی بکھری ہوئی نظر آتی تھیں —— یہ خوشحال گاؤں اوسلون کے مکانوں اور شراب‌خانوں کی کھڑکیاں تھیں — اسٹیمروں کے بھپنے بے دلی سے آہستہ آہستہ چھپاچھپ پانی پر لگتے جاتے، بجروں کی قطاریں گذرتیں تو ملاح چیختے اور ان کی پھٹی ہوئی آوازیں بھیڑیوں کی چیخوں کی طرح معلوم ہوتیں — کہیں کوئی ہتھوڑا اہرن پر بجتا ہوتا، ایک درد بھرا گیت پانی پر تیرتا ہوا آجاتا —— کسی کا دل، کسی کی روح مدھم مدھم سلگ رہی تھی — یہ گیت سن کر ہمارے دلوں پر بھی راکھہ کی سی افسردگی چھا جاتی —

اس سے بھی زیادہ افسردگی اپنے ساتھیوں کی بات چیت سن کر ہوتی تھی — زندگی پر بحث کرتے ہوئے ہر شخص وہ بات کہتا جو اس کے اپنے دل سے قریب ترین ہوتی، دوسروں کی بات جیسے وہ سنتا ہی نہیں تھا — بید کی جھاڑیوں کے سائے میں لیٹے یہ لوگ سگریٹ پیتے جاتے، کبھی کبھی ایک آدھہ گھونٹ بیئر یا وادکا بھی لے لی جاتی لیکن بغیر کسی شوق یا ہوس کے، اور یادوں کے مبہم راستوں پر ذہن بھٹکتے رہتے —

کوئی کہتا ”تو میرے ساتھہ یہ ہوا، مجھہ پر یہ بیتی“ —— اس کی آواز رات کی تاریکیوں میں سے یوں پھوٹتی جیسے کسی نے اس کو زمین پر پٹک کر اس کا گلا دبا رکھا ہو — اور جب وہ اپنی داستان ختم کر چکتا تو دوسرے ہاں میں ہاں ملاتے ”ہاں، ہاں — ایسا ہی ہوتا ہے — کچھہ بھی ہونا اس دنیا میں ممکن ہے ....“

”یہ ہوا“، ”یہ ہو رہا ہے“، ”یہ ہوا کرتا تھا“ —— یہ فقرے میرے کانوں میں گونجا کرتے یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا کہ آج کی رات یہ لوگ زندگی کے آخری گھنٹے شمار کر رہے

rekhta

ہیں — جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور اب آئندہ کچھ نہیں ہوگا —

ان خیالات کی وجہ سے میں باشکن اور تروسوف سے کسی قدر دور ہو گیا — پھر بھی مجھے ان میں کافی کشش محسوس ہوتی تھی اور میں نے جو کچھ بھگتا تھا اس کا منطقی نتیجہ یہی ہوتا کہ میں بھی ان کے راستے پر چلنے لگتا — میرے دل میں جو لگن اور امید تھی کہ اونچی باتوں تک پہونچوں، تعلیم حاصل کروں —— اس امید نے بھی مجھے ان کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور کیا — بھوک، برھمی اور مایوسی کے لمحوں میں میں نے اپنے آپ میں جرائم کرنے کی مکمل صلاحیت پائی اور وہ بھی صرف ''ملکیت کے مقدس تصور،، کے سلسلے میں نہیں بلکہ اور چیزوں کے متعلق بھی! لیکن میری طبیعت میں جوانی کی جو رومانیت تھی اس نے مجھے اس راستے سے الگ نہ ہونے دیا جس پر چلنا میرا مقدر اور مقسوم تھا! بریٹ ہارٹ تو خیر میں نے پڑھا ہی تھا اور اس کی انسان دوستی سے متاثر تھا — اور بھی بہت سے سستے ناول پڑھے تھے اور اس کے علاوہ ایسی بھی بہت سی کتابیں پڑھی تھیں جو واقعی سنجیدہ تھیں — ان سے مجھے اور بہت سی باتیں حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تھا، ایسی چیزیں جن کا تصور ابھی ذہن میں مبہم تھا لیکن چاروں طرف مجھے جو چیزیں نظر آتی تھیں ان سے وہ زیادہ بلند اور عظیم محسوس ہوتی تھیں —

اسی دوران میں ایک نئی قسم کی دوستی بھی میں بڑھا رہا تھا اور نئے قسم کے تاثرات حاصل کر رہا تھا — اسکولوں کے لڑکے اکثر ایورینوف کے گھر کے پاس والے میدان میں جمع ہوتے اور گلی ڈنڈا کھیلا کرتے — اور میں ان لڑکوں میں سے ایک سے بہت قریب ہو گیا تھا — اس کا نام گوری پلیتنیوف تھا — پختہ رنگ، جاپانیوں کے سے نیلے کالے بال، چہرے پر سیاہ سیاہ نکتے جیسے کسی نے جلد میں بارود رگڑ دی ہو — وہ بڑا خوش باش تھا، کھیلنے میں تیز، گفتگو میں

rekhta

ھوشیار اور حاضر جواب، گویا اس میں کئی صلاحیتیں ایک ترکیبی حیثیت سے اکٹھی ھو گئی تھیں، زیادہ تر باجوھر روسی لوگوں کے مانند وہ بھی فطرت کی دین پر قانع تھا اور اپنی صلاحیتوں کو چمکانے یا نکھارنے کی کوئی کوشش کبھی نہیں کرتا تھا — اسے موسیقی کا ذوق تھا، کان بھی موسیقی سے آشنا تھے، موسیقی کو سمجھتا بھی خوب تھا اور گوسلی، بلالائکا* اور اکارڈین خوب بجاتا تھا لیکن اور زیادہ لطیف‌تر اور مشکل‌تر ساز بجانا سیکھنے کی کوئی کوشش ھی نہیں کرتا تھا — غریب تو وہ تھا ھی، کپڑے بھی نہائت بے پرواھی سے پہنتا تھا لیکن اس کی پھٹی اور ملی دلی قمیص، پیوند لگے ھوئے پتلون اور ایڑیوں کے پاس سے اندر کو بٹھائے ھوئے جوتے اس کی لاابالی طبیعت، وسیع اشاروں، پھرتیلے حرکات‌وسکنات اور گٹھے ھوئے مضبوط جسم کے ساتھ خوب میل کھاتے تھے —

اس کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کوئی بہت بڑی اور تکلیف‌دہ بیماری سے اٹھا ھے یا کوئی قیدی ھے جو ابھی کل ھی قید سے رھا ھوا ھے — زندگی جو کچھ بھی اس کے سامنے حاضر کرتی وہ اسے نیا اور اچھا لگتا، ھر ھر بات پر وہ خوشی سے چیخنے لگتا، گویا وہ دنیا میں اس طرح ناچتا پھرتا تھا جیسے کوئی گنگناتا ھوا لٹو تھرک رھا ھے —

جب اسے معلوم ھوا کہ میری زندگی کس قدر مشکل اور خطرناک ھے تو اس نے یہ تجویز پیش کی کہ میں اس کے ساتھ جاکر رھوں اور اس طرح تعلیم حاصل کروں کہ گاؤں میں ٹیچر بن سکوں — چنانچہ یوں میں غریبوں کے اس عجیب‌وغریب، رنگین‌ودلچسپ ٹوٹے پھوٹے پرانے مکان میں جاکر رھا جس کا نام ماروسوفکا تھا —— ایک ایسا نام جو قازان کے طالب‌علموں کی کئی پشتوں کے لئے جانا پہچانا تھا — یہ

---

* گوسلی اور بلالائکا —— تاروالے لوک ساز — (ایڈیٹر)

rekhta

عمارت قریب قریب کھنڈر ہو چکی تھی اور ویہنوریادسکایا سڑک پر واقع تھی — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھوکھے طالب‌علموں، رنڈیوں اور بہت سے گرے پڑے انسانوں کے ایک غول نے اسے اس کے اصلی مالک سے چھین لیا ہے اور اب اس میں جیتے مرتے رہتے ھیں!

زینے کے نیچے جو ایک کوٹھری جیسی جگہ بن گئی تھی پلیتنیوف اس میں رہتا تھا — اس کا پلنگ زینے کے بالکل نیچے تھا، دوسرے سرے پر گلیارے میں کھڑکی کے پاس ایک میز لگی ہوئی تھی اور ایک کرسی —— یہی کل سامان تھا — اس گلیارے سے تین کمروں میں دروازے کھلتے تھے — دو میں رنڈیاں رہتی تھیں اور تیسرے میں ایک ریاضی‌دان رہتا تھا، جس کو تپ‌دق تھا — پہلے وہ کالج میں پڑھتا تھا — لمبا قد، هڈیلا جسم، ڈراؤنا سا لگتا تھا، بدن پر سرخ سرخ روئیں جیسے برتن مانجھنے کی مونج، کپڑے گندے اور جابجا سے اتنے پھٹے ہوئے کہ بمشکل اس کے جسم کو چھپا سکتے تھے — ان پھٹیچر کپڑوں کے چھیدوں سے اس کی بھیانک نیلگوں جلد اور ڈھانگر پسلیاں جھانکتی دکھائی دیتی تھیں — ایسا لگتا تھا کہ اسے کھانے کو بھی اپنے ناخنوں کے سوا کچھ نہیں ملتا تھا کیونکہ اس کے ناخن ہمیشہ آخر تک کترے رہتے تھے — رات دن وہ کسی خاص قسم کے ڈرافٹ پر کام کرتا رہتا، حساب کتاب جوڑا کرتا اور مسلسل کھانستا رہتا — اس کی کھانسی بےجان اور تھکی ہوئی برابر گونجتی رہتی — رنڈیاں اس کو پاگل سمجھ کر اس سے ڈرتی تھیں لیکن ترس کھا کر اس کے دروازے کے پاس چائے، شکر، روٹی وغیرہ چپکے سے رکھ دیا کرتی تھیں — وہ باہر نکلتا اور ان بنڈلوں کو اٹھا لیتا — اتنا ہی کرنے سے وہ گھوڑے کی طرح ہانپنے لگتا — اگر کبھی وہ لوگ بھول جاتیں یا کسی وجہ سے یہ نذر نہ رکھ پاتیں تو وہ اپنے دروازے پر کھڑا ہو کر پھٹی ہوئی آواز سے گلیارے میں منھ ڈال کر چلاتا ”کھانا!“

اس کی آنکھیں گہرے تاریک گڑھوں میں اس طرح چمکتیں

rekhta

جیسے پاگلوں کی فخر سے اس وقت چمکتی ہیں جب وہ اپنے آپ کو بادشاہ معظم سمجھتے ہیں — کافی وقفہ دے دے کر ایک کبڑا بھی اس سے ملنے آیا کرتا تھا جس کی ایک ٹانگ ٹیڑھی تھی — اس کا سارا سر سفید تھا، پھولی ہوئی ناک پر ایک موٹے شیشوں کی عینک رکھی رہتی تھی، زنخوں کی طرح کے بھربھرائے ہوئے چہرے پر چالاک مسکراہٹ چھائی رہتی تھی — دونوں کے دونوں اندر سے دروازہ بند کئے گھنٹوں خاموشی سے بیٹھے رہتے اور کمرے پر ایک عجیب سا سناٹا چھایا رہتا — ایک بار کافی رات گئے، میں ایک دم اس ریاضی‌دان کی آواز سے جاگ پڑا — وہ چیخ رہا تھا:

’’میں کہتا ہوں کہ یہ جیومٹری جو ہے نا یہ جیل ہے — پنجرہ ہے، قفس ہے یہ جیومٹری! ہاں قفس ہی تو ہے — ہاں چوہے دان ہے چوہے دان — قیدخانہ!،،

اور وہ کبڑا کھی کھی ہنستا جا رہا تھا اور ایک عجیب سا لفظ بار بار دوہرائے جارہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا — پھر یکا یک ریاضی دان زور سے چلایا:

’’جہنم میں جاؤ تم! دفان ہو یہاں سے!،،

کبڑا بھن‌بھن کرتا، غصے میں چن‌چناتا، لبادہ لپیٹتا ہوا گلیارے سے ہوکر کھسک لیا — اور ریاضی دان اپنے کمرے کے دروازے پر رک گیا — لمبا، ڈھانگر، ڈراؤنا اور اپنے الجھے ہوئے بال نوچ نوچ کر ہنہنانے لگا:

’’اقلیدس گدھا ہے! احمق ہے! میں ثابت کرسکتا ہوں کہ اس گدھے یونانی سے تو پروردگار ہی زیادہ عقلمند ہے!،،

پھر وہ اندر چلا گیا اور جاتے ہوئے اس زور سے دروازہ بند کیا کہ کمرے میں کوئی چیز جھناکے کے ساتھ زمین پر آ رہی —

جیسا کہ مجھے آخرکار معلوم ہوا یہ آدمی خدا کے وجود کو اعلےٰ ریاضی کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا — آخرکار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بغیر ہی مر گیا —

rekhta

پلیتنیوف ایک چھاپےخانے میں، ایک اخبار کا رات کا پروف پڑھنے کا کام کرتا تھا — اس کو گیارہ کوپک شبانہ ملتے تھے — اگر مجھہ کو کوئی مزدوری نہ ملتی تو ہم لوگ دو سیر کی ڈبل روٹی لےآتے، دو کوپک کی چائے اور تین کوپک کی شکر —— اور اسی پر گذارہ کرتے — ویسے میرے پاس روپیہ کمانے کے لئے وقت بھی بہت کم رہتا تھا کیونکہ مجھہ کو پڑھنا ہوتا تھا اور پڑھنے میں مجھے بہت محنت کرنی پڑ رہی تھی! مجھہ‌پر سب سے زیادہ بار قواعد کا ہوتا تھا، اس کے طریقے نفرت‌انگیز طور پر محدود اور جکڑے ہوئے تھے اور مجھے یہ اکثر ناممکن نظر آتا کہ روسی زبان کا گلا دبا کر ان قواعد کے چوکھٹوں پر اس کو کیسے فٹ کروں —— روسی زبان جو اتنی زندہ، اتنی وسیع اور اتنی پیچیدہ تھی — جلد ہی مجھے یہ معلوم کرکے بڑا اطمینان ہوا کہ میں نے اپنی تعلیم کافی جاد شروع کردی تھی کہ اگر میں دیہات کے ٹیچروں والا امتحان پاس بھی کر لوں تب بھی مجھے نوکری ابھی نہیں مل سکتی تھی کیونکہ میری عمر کم تھی —

پلیتنیوف اور میں ایک ہی پلنگ پر سوتے تھے —— میں رات کو اور وہ دن کو — جب وہ صبح تڑکے، رات بھر کے کام سے تھک کر گھر آتا تو اس کا رنگ اور بھی سنولایا ہوا لگتا، آنکھیں سرخ ہوتیں — میں فوراً پاس کے شراب‌خانے سے دوڑ کر گرم پانی لاتا — سماور تو ہمارے پاس تھا ہی نہیں — پھر ہم لوگ کھڑکی کے قریب‌والی میز پر چائے اور روٹی کا ناشتہ کرتے — پلیتنیوف صبح کے اخبار کی خبریں سناتا جاتا اور لطیفے اور مزاحیہ نظمیں جو ایک شرابی کالم نگار لکھتا تھا — اس کا قلمی نام ''سرخ دومینو،، تھا — پلیتنیوف جس طرح زندگی کی طرف ایک خوش‌باش رویہ رکھتا تھا اس پر مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی — وہ زندگی سے اسی طرح پیش آتا تھا جیسے اس گول‌مٹول چہرے والی عورت گالکینا سے پیش آتا تھا جو عورتوں کے کام کی سیکنڈ ہینڈ چیزیں اکٹھی کرتی اور بیچتی تھی —

rekhta

پلیتنیوف نے زینے کے نیچے کی یہ جگہ اسی عورت سے کرایے پر حاصل کی تھی — اور چونکہ اس کے پاس اس کمرے کا کرایہ ادا کرنے کو پیسے نہیں تھے اس لئے وہ مذاق کرکے، اکارڈین کے موسیقی بجاکے اور جذباتی گیت گاکے کرایہ ادا کرتا تھا اور یہ کرایہ وہ بہت ہی مسکرا مسکرا کر آنکھوں میں طنز کی روشنیاں جھپکاتے ہوئے ادا کرتا تھا — یہ عورت گالکینا اپنی جوانی میں تھیٹر میں گایا کرتی تھی اور اس کو اچھی آواز کی پہچان اور قدر تھی — اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے، ننھے ننھے قطرے اس کی بےحیا آنکھوں سے نکلتے اور پھولے ہوئے سرخ سرخ گالوں پر دوڑتے —— سرخ پھولے پھولے گال جو شرابیوں اور پیٹو لوگوں کی خاص پہچان ہیں — پھکنی سی انگلیوں سے وہ گالوں پر کے آنسو پونچھتی، پھر انگلیوں کو بڑی احتیاط سے ایک چکٹ رومال سے پونچھتی —

”گوری، آہ، گوری،“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی ”تم سچ مچ فنکار ہو — ہاں، کاش تم ذرا خوبصورت اور ہوتے تو میں کہیں تمہارا ٹھکانہ کر دیتی، میں نے اکثر جوانوں کا ان عورتوں کے ساتھ جوڑا ملایا ہے جن کا دل ایک ہی جیسی زندگی سے بے مزہ ہو جاتا ہے —“

ان جوانوں میں سے ایک جوان ہم لوگوں کے بالکل اوپر ہی رہتا تھا — وہ طالب‌علم تھا — اس کا باپ سمور صاف کرنے والے کی حیثیت سے کہیں کام کرتا تھا — اس نوجوان کا قد درمیانہ تھا، سینہ چوڑا اور نہائت پتلی رانیں — وہ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی مثلث اپنی اوپری نوک پر کھڑا کردیا گیا ہو اور وہ نوک چھانٹ دی گئی ہو — اس کے پاؤں عورتوں کی طرح نازک اور چھوٹے چھوٹے تھے — سر بھی جو کندھوں میں گھرا گڑا ہوا لگتا تھا چھوٹا ہی سا تھا، جس پر سخت موٹے چھدرے بال تھے جیسے ٹوپی سر پر منڈھی ہوئی ہو — پیلے، نچڑے ہوئے چہرے میں سے سبزی مائل آنکھیں آگے کو ابلتی ہوئی لگتی تھیں —

اس نے نہائت مصیبت سے کتوں کی طرح بھوکے رہ رہ کر اور در در کی ٹھوکریں کھا کر، باپ کی مرضی کے خلاف کسی نہ کسی طرح ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرکے یونیورسٹی میں داخلہ لیا — یہ امتحان پاس کرنے کے بعد اس کو یہ پتہ چلا کہ اس کی آواز نہائت زوردار اور ہموار ہے تو وہ موسیقی سیکھنے کی طرف مائل ہو گیا —

گالکینا نے اسے دھر لیا اور اس کے لئے اپنی ایک گاھک کو پھانسا! وہ امیر عورت تھی، کوئی چالیس کا سن ہوگا، ایک بیٹا یونیورسٹی کے تیسرے سال میں پڑھتا تھا، ایک لڑکی ھائی اسکول کی آخری جماعت میں پڑھ رہی تھی — چپٹا سینہ، اس طرح تن کر کھڑی ہوتی جیسے سپاھی، اور اس کا چہرہ اس طرح جذبات سے خالی تھا جیسے کسی تارک الدنیا جوگن کا — بڑی بڑی آنکھیں تاریک گڈھوں میں غائب تھیں، ھمیشہ سیاہ کپڑے پہنتی تھی، سر پر ایک دقیانوسی رومال باندھتی تھی اور کانوں میں آویزے جن میں گہرے سبز رنگ کے نگ جڑے تھے —

اکثر شام کو دیر سے یا صبح کو اول وقت یہ عورت اپنے طالب علم کو تلاش کرتی ہوئی نکلتی — میں اکثر اس کو دیکھا کرتا تھا —— دھڑام سے پھاٹک میں دھنس پڑی اور بڑی اکڑ کے ساتھہ احاطے میں سے گذرتی ہوئی ادھر سے ادھر چلی گئی — اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات تھی جس سے ڈر سا لگتا تھا — ھونٹ اتنے پتلے اور یوں بھنچے ہوئے جیسے کہ ھیں ھی نہیں، آنکھیں بھٹارہ سی کھلی رہتیں مگر ایسا لگتا کہ ان سے کچھہ سوجھہ نہیں رہا ہے — ان آنکھوں میں مایوسی اور ناامیدی کی پرچھائیاں ھوتیں اور وہ ھمیشہ آگے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی چلی جاتیں — ویسے اس کو بد صورت نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن جو تناؤ کا عالم اس پر ھر وقت طاری رہتا تھا اس کی وجہ سے اس کی ھیئت بگڑی رہتی تھی، عضو سب کھنچ جاتے تھے، نقوش سکڑ جاتے تھے! پلیتنیوف کہتا :

rekhta

''دیکھو، چلی جا رہی ہے جیسے کوئی دیوانی عورت ہو!،،

اس طالب‌علم بیچارے کو اس عورت سے نفرت تھی، ہمیشہ جان بچانے کی کوشش کیا کرتا تھا اور وہ جاسوس کی طرح اس کا پیچھا کیا کرتی تھی، دیا قرض مانگنے والے پٹھانوں کی طرح! جب وہ تھوڑی بہت شراب پی لیتا تو رو رو کر کہتا:

''آہ، میں تو ایک ذلیل انسان ہوں اب — اس موسیقی سے مجھے کیا فائدہ آخر؟ اس چہرے اور اس جسم کے ساتھ تو لوگ مجھے اسٹیج کے نزدیک بھی نہیں پھٹکنے دیں گے!،،

پلیتنیوف رائے دیتا ''چھوڑ دے یار، سارا معاملہ گول کر!،،

''ارے میں جانتا ہوں — مگر مجھے اس بیچاری پر ترس آتا ہے — ہاں‌ہاں، میں اسے برداشت بھی نہیں کرسکتا اور مجھے اس پر ترس بھی آتا ہے — تم لوگوں کو کیا معلوم کہ وہ بیچاری کس طرح...،،

لیکن ہم لوگوں کو سب معلوم تھا — ہم نے راتوں کو اس عورت کو زینے کے قریب کھڑے، اوپر جانے والی سیڑھیوں کے پاس کھڑے، منتیں کرتے دیکھا تھا — کانپتی بے جان آواز میں کہتے سنا تھا ''خدا کے واسطے... اے میرے دلبر — تجھے معبود کا واسطہ... اے میری جان!،،

وہ ایک بہت بڑی فیکٹری کی مالک تھی، اس کے پاس جائداد تھی، گھوڑے تھے، ہزاروں روپئے وہ زچگی کے اسکول کو عطیہ دیتی تھی اور وہ فقیر کی طرح بھیک مانگتی تھی —— محبت کی بھیک!

ناشتے کے بعد پلیتنیوف عام طور پر سو جاتا تھا، میں کام کی تلاش میں نکلتا تھا اور شام کو اتنی دیر میں لوٹ کر آتا کہ اس کے دفتر جانے کا وقت ہو جاتا — اگر میں کھانا لے آتا —— روٹی، کباب یا ابلی ہوئی مچھلی —— تو ہم دونوں مل بانٹ کر کھا لیتے اور تھوڑا سا وہ باندھ کر اپنے ساتھ لے جاتا —

جب وہ چلا جاتا تو میں گلیاروں میں ادھر ادھر ٹہلتا، باہر احاطے

rekhta

میں نکل جاتا اور ان لوگوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھتا جو ابھی میرے لئے نئے اور اجنبی تھے — یہ پوری عمارت ٹھسا ٹھس بھری تھی جیسے ایک بڑا سا چیونٹیوں کا بنایا ہوا ٹیلہ — اس کے وجود سے ایسی کھٹی اور تیزابی مہک آتی تھی جس کے متعلق کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ جس چیز سے آ رہی ہے، وہ اصل میں کیا تھی — ہر ہر کونے میں ایسی تاریک پرچھائیاں منڈلاتی رہتیں جو انسانوں کی دشمن معلوم ہوتیں — صبح سے لے کر کافی رات گئے تک زندگی کی گہما گہمی جاری رہتی: سلائی کی مشینوں کی مسلسل کھچ کھچ، تھیٹر کی لڑکیوں کے کورس گانوں کی تانیں، اس اوپر والے چھپر کے طالب‌علم کی بھاری آواز، ایک نیم دیوانے، شراب کے مارے ہوئے ایکٹر کی بھن بھن، رنڈیوں کی شراب میں دھت، ہسٹریا کی سی چیخیں! قدرتی طور پر میرے ذہن میں ایک سوال اٹھتا جس کا جواب نہ ملا:

''آخر اس کا کیا تک ہے؟ کیوں ہے یہ سب؟،،

نوجوان طالب‌علموں کی اس بھوکی بستی میں ایک اور آدمی تھا جو یوں ہی مارا مارا پھرتا تھا: کھوپڑی پر ایک گول چکنا سا دھبہ جہاں بال بالکل غائب تھے اور اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے بال کھڑے ہوئے جیسے گاجر کی پیندی، ہنڈیا سا پیٹ نکلا، تکلی کے سے پاؤں، گالوں کی ہڈیاں خوب ابھری ہوئی اور بڑا سا دھن جس میں گھوڑوں کے سے پیلے پیلے دانت! ان ہی دانتوں کی وجہ سے اس کا نام ''لال گھوڑا،، پڑ گیا تھا — وہ ایک دیوانی کے مقدمے میں پھنسا ہوا تھا جس کو چلتے ہوئے اب تیسرا سال تھا — یہ مقدمہ وہ اپنے چند رشتہ‌داروں کے خلاف چلا رہا تھا جو سمبرسک میں سوداگر تھے — وہ ایک ایک کو سنا کر کہتا:

''ارے میں تو مر ہی جاؤں گا مگر ان لوگوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا — آخری کوپک تک لٹوا دوں گا، فقیر بنا دوں گا کہ بھیک مانگتے پھریں گے — اور پھر جب وہ تین سال مصیبت بھگت

rekhta

لیں گے تو میں جو کچھہ مقدمے سے جیتوں گا سب ان کو واپس دے دوں گا اور کہوں گا ،لو کمبختو، اب کیا کہتے ہو؟، دیکھہ لینایہ کروں گا میں !،،

''کیا تمہاری زندگی کا یہی مقصد ہے، گھوڑا؟،، اس سے لوگ پوچھتے —

''میرا پورا وجود، میری روح اسی مقصد میں ڈھل گئی ہے— میں اس کے سوا اور کچھہ نہیں کر سکتا!،،

وہ ضلع کچہریوں یا اعلی کچہریوں میں یا اپنے وکیل کے دفتر میں اپنی زندگی گذارتا تھا— کبھی کسی شام کو گاڑی میں بیٹھا گھر پر وارد ہوتا— گٹھریاں، بنڈل، تھیلے، بوتلیں وغیرہ لئے اور پھر اپنے گندے کمرے میں جس کا فرش اکھڑا ہوا تھا اور چھت بیٹھتی جا رہی تھی، وہ زور و شور کی دعوت کرتا— درزنیں اور سب طالب علم اور اور لوگ بھی اس میں شریک ہوتے— جو پیٹ بھر کھانا اور گھونٹ بھر شراب چاہے، آئے اور شریک ہو جائے— ''لال گھوڑا،، خود صرف رم پیتا تھا اور میزپوش پر، اپنے کپڑوں پر اور فرش پر خوب گھرے سیاہ اور سرخ دھبے لگاتا— دو چار جام پینے کے بعد وہ زور زور سے رونا شروع کرتا:

''اے میری چڑیو! اے میرے محبوب پرندو! میری اچھی چڑیو! آہ میں تم لوگوں سے کس قدر محبت کرتا ہوں! تم لوگ ایماندار لوگ ہو— میں بد معاش گندہ ہوں— مگر ر ر ر مچھہ ہوں، مگر ر ر ر مچھہ! میں اپنے رشتہ داروں کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہوں-- میں ان کو برباد کرکے ہی رہوں گا! ہاں، دیکھہ لینا— خدا کی قسم ہے، خدا گواہ ہے—ہاں برباد کردوگا! ہاں، ویسے مرنا تو ہے ہی مجھہ کو مگر...،،

اس کی بسورتی ہوئی، مچمچاتی ہوئی آنکھوں سے شراب کے آنسو اس کے بدصورت اور عجیب وغریب چہرے پر بہتے جاتے، ہتیلی سے وہ گالوں پر بہتے آنسو پونچھتا اور پھر اپنے ہاتھہ گھٹنوں پر

رگڑ رگڑ کر پونچھتا جاتا — اس کے پتلون پر ہمیشہ چکنائی کے دھبے پڑے رہتے تھے —

''آہ، تم کیسی زندگی بسر کرتے ہو؟،، وہ چیخ چیخ کر کہتا ہے — ''بھوک سے مرتے ہو، سردی سے ٹھٹھرتے ہو، جسم پر چیتھڑے ہیں — کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس طرح زندگی بسر کرکے تم کیا سیکھوگے؟ کیا آئیگا تمہیں؟ آہ، کاش زار کو معلوم ہوتا کہ تم کس طرح زندگی گذارتے ہو...،،

پھر وہ اپنی جیب سے ایک مٹھا بھرکر چمکدار کاغذ نکالتا اور زور سے چیختا :

''کس کو چاہئے روپیہ؟ لےلو بھائیو! یہ رہا روپیہ —— یہ لو!،،

درزنیں اور گانےوالی لڑکیاں لپکتیں اور اس کے بالوں بھرے ہاتھ سے نوٹ چھیننے کی کوشش کرتیں — وہ فوں فوں کرکے کہتا :

''ارے تمہارے لئے نہیں ہیں! یہ طالبعلموں کے لئے ہیں!،،

لیکن طالبعلم اس کا روپیہ کبھی نہیں لیتے تھے، سمور صاف کرنےوالے کا لڑکا غصے میں بھرکر کہتا :

''جہنم میں جائے یہ روپیہ! لعنت ہے اس پر!،،

ایک مرتبہ وہ شراب کے نشے میں بےحد دھت پلیتنیوف کے لئے دس دس روبل والے نوٹوں کی ایک گڈی لئے پہنچا — یہ گڈی کیا تھی، مڑے تڑے نوٹوں کی ایک گیند تھی — اس گیند کو میز پر پھینک کر وہ بولا :

''کیوں؟ چاہئیں؟ مجھے تو نہیں چاہئیں...،،

پھر وہ ہم لوگوں کے پلنگ پر لیٹ کر اتنے زور زور سے رونے لگا کہ ہم لوگوں نے زبردستی اس کے منھہ پر پانی چھڑکا اور پلایا — جب وہ سو گیا تو پلیتنیوف نے نوٹوں کی شکنیں برابر کرنا شروع کیں — لیکن پانی سے تر کئے بغیر نوٹوں کو سیدھا کرنا بالکل نا ممکن نظر آتا تھا —

rekhta

اس وقت کا ماحول بڑا عجیب تھا — ایک خستہ حال کمرہ، دھوئیں سے اٹا ہوا، کھڑکیاں ادھر کو کھلتی ہوئی جدھر دوسری عمارت کی بلند دیوار کھڑی تھی — لوگ اس کمرے میں ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے، ہوا کا گذر نہیں، چیخ پکار جیسے خواب پریشان اور پھر اوپر سے ''کھوڑے،، کے خراٹے — میں اس سے پوچھتا:

''آپ آخر یہاں کیوں رہتے ہیں؟ کسی ہوٹل میں کیوں نہیں رہتے آپ؟،،

''ارے میری جان، اپنے دل کی خاطر یہاں رہتا ہوں — یہاں میرے دل کو ذرا جولانی نصیب ہوتی ہے، یہاں تم لوگوں کی صحبت میں . . .،،

سمور صاف کرنے والے کا لڑکا اتفاق کرتے ہوئے کہتا:

''آپ ٹھیک کہتے ہیں 'کھوڑے، صاحب — میرا بھی یہی خیال ہے — کوئی اور جگہ ہو تو میرا خاتمہ ہو جائے . . .،،

''کھوڑا،، پلیتنیوف سے بڑے لجاجت سے کہتا:

''آؤ آؤ، کچھ بجاؤ — کچھ بجاؤ، کچھ گاؤ!،،

اور پھر پلیتنیوف گھٹنے پر گوسلی رکھ لیتا اور شروع کرتا:

دھکتے سورج، ابھر . . .

اس کی میٹھی آواز فوراً دل کو چھو لیتی، کمرے پر خاموشی چھا جاتی، سب لوگ بیٹھے گانے کے دردبھرے بول غور سے سنتے اور گوسلی کے تاروں کو تڑپتے ہوئے دیکھتے رہتے —

اس امیر سوداگر عورت کا محبوب کہتا ''کیا خوب چیز ہے، لعنت ہے اس پر!،،

جس طرح پریوں کی داستانوں کا ایک کردار ہمیشہ ایسا ہوتا ہے جو نیک اور عقلمند ہوتا ہے اور سب کے کام آتا ہے، اسی طرح اس کھنڈر عمارت کی بستی میں گوری پلیتنیوف کی ذات تھی جسے خوش باشی کا

rekhta

جادو آتا تھا — اس کی طبیعت جوانی کی دھنک کے رنگوں میں رنگی اور رچی ہوئی تھی — ہنسی مذاق کر کے، حسین گانے گا کے، انسانی عقیدوں، عادتوں اور رسموں کا پرلطف مذاق اڑا کے اور زندگی کی بے انصافیوں پر بے دھڑک تبصرہ کر کے وہ اپنے چاروں طرف مسلسل پھلجھڑیاں سی چھوڑتا رہتا تھا — اس کی عمر کا صرف بیسواں سال تھا لیکن اس عمارت میں جتنے بھی لوگ رہتے تھے، ان کو جب زندگی کسی طرح بھی دباتی یا کوئی بھی صلاح مشورہ ان کو کرنا ہوتا تو وہ اسی کا آسرا لیتے جیسے وہ کسی نہ کسی طرح ضرور اس مسئلے کو حل کر دے گا — جو لوگ اچھے تھے وہ اس سے محبت کرتے تھے، جو بد تھے وہ اس سے ڈرتے تھے — یہاں تک کہ بڈھا پولیس والا نیکیفورچ بھی گوری کو دیکھ کر مکار لومڑی کی طرح مسکرا دیتا تھا — ''ماروسوفکا،، کا احاطہ پہاڑی پر چڑھتا چلا گیا تھا اور دو سڑکوں کو ملاتا تھا — نچلی سڑک کا نام ریبنوریادسکایا تھا اور اوپری کا نام استاروکورشیچنایا تھا — اس دوسری سڑک کے نکڑ پر جو ہمارے پھاٹک سے بہت دور نہیں پڑتا تھا، نیکیفورچ کی کوٹھری تھی —

وہ ہمارے اطراف کا سب سے اونچا پولیس والا تھا — لمبا قد، دبلا پتلا جسم، سینے پر چمکدار تمغوں کی قطار — اس کے چہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی، شہد میں گھلی ہوئی مسکراہٹ اور تیز ہوشیار آنکھیں!

ہماری شوروشر والی بستی میں رہنے والوں سے نیکیفورچ کو خاص دلچسپی تھی، ان انسانوں سے جن کی زندگی پیچھے رہ گئی تھی اور ان انسانوں سے بھی جن کی پوری زندگی پڑی تھی — دن میں کئی کئی بار اس کا سلیقے سے سجا ہوا جسم ہمارے پھاٹک کے آس پاس منڈلاتا نظر آتا — پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ احاطے میں جاتا اور چلتے چلتے ہر کھڑکی میں اس طرح جھانکتا جیسے چڑیاخانے کا منتظم پنجروں کا معائنہ کر رہا ہو — جاڑوں میں ہمارے یہاں سے دو آدمی گرفتار ہوئے تھے —— سمیرنوف جو ایک فوجی افسر تھا اور جس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا

rekhta

تھا، اور موراتوف، جو معمولی سپاھی تھا — یہ دونوں آخال تکہ کی مہم میں شریک ھو چکے تھے جس کی سرکردگی اسکوبلیف نے کی تھی — دونوں ھی کے سینے پر سینٹ جارج کا تمغہ آویزاں تھا — ان لوگوں کے ساتھہ کچھہ اور لوگ بھی تھے —— زوبنن، اوفسیانکن گریگوریف، کریلوف اور اور کچھہ لوگ — ان لوگوں کو ایک خفیہ چھاپہ‌خانہ چلانے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا — اور اسی سلسلے میں موراتوف اور سمیرنوف نے اتوار کے روز، دن دھاڑے، شہر کی ایک بہت ھی آباد اور بارونق سڑک پر کلیوچنکوف کے بڑے چھاپےخانے سے کچھہ ٹائپ چرانے کی کوشش کی تھی — اور یہیں پر وہ دونوں گرفتار ھوئے — پھر ایک رات ’’ماروسوفکا،، میں پولیس نے ایک لمبے دبلے، افسردہ آدمی کو گرفتار کیا جس کو میں ’’چلتا پھرتا گرجا،، کہا کرتا تھا — جب دوسرے دن یہ بات پھیلی تو گوری نے مجھہ سے اپنے سیاہ لمبے بال الجھا الجھا کے کہا :

’’دیکھو، شیطان! بس اب تم بھا گو، جلدی، دوڑو...،،

اور پھر مجھے یہ سمجھا کر کہ کہاں جانا ھے اس نے کہا :

’’البتہ ذرا ھوشیار رھنا، آس پاس جاسوس ضرور ھوں گے!،،

میں اس پر اسرار مشن کے سپرد کئے جانے پر پھولا نہ سمایا اور نہائت تیزی سے اس محلے کی طرف روانہ ھو گیا جہاں جہازران آ کر ٹھہرتے تھے — یہاں ایک لوھار کی دوکان تھی اور اس دوکان میں ایک نوجوان آدمی تھا جس کے بال گھنگھریالے تھے، آنکھیں بڑے غضب کی نیلی تھیں، وہ ایک تانبے کی کڑاھی پر قلعی کر رھا تھا لیکن دیکھنے میں مزدور نہیں لگتا تھا — کونے میں ایک بڈھا جس کے سفید بال چمڑے کے فیتے سے پیچھے کو بندھے ھوئے تھے، میز کے پاس کھڑا نل کو ٹھیک ٹھاک کر رھا تھا —

میں نے پوچھا :

rekhta

''یہاں نوکری ہے؟ یہاں کام مل سکتا ہے؟،،

بڈھے لوہار نے غرا کے جواب دیا:

''کام بہت ہے مگر تمہارے لئے نہیں!،،

نوجوان نے ایک نظر مجھے جلدی سے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا — میں نے پھرتی سے اس کے پاؤں میں اپنے پاؤں سے ایک ٹھوکا دیا — اس نے بگڑ کر حیرانی سے مجھے دیکھا اور کڑاھی کا ہینڈل پکڑ کر زور سے تانا جیسے مارے گا — لیکن مجھے آنکھ مارتے دیکھ کر بولا:

''باھر جاؤ، باھر...،،

میں نے پھر آنکھ ماری اور دوکان سے باھر نکل آیا — گھنگھروالے بالوں والا لوھار اٹھا، اکڑے ہوئے جسم کو سیدھا کیا اور میرے پیچھے پیچھے باھر نکلا — سگریٹ جلاتے ہوئے وہ خاموشی سے میری طرف مڑا اور منتظر رہا —

''کیا آپ تیخون ھیں؟،،

''ھاں، ٹھیک ہے —،،

''پیوتر گرفتار ھو گیا —،،

غصے سے اس کی تیوری پر بل پڑ گئے — آنکھیں میری طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگیں —

''یہ تم کیا بک رہے ہو؟ کیسا پیوتر؟،،

''وہ ایک لمبا لمبا سا آدمی جو پادری ایسا لگتا ہے —،،

''تو پھر؟،،

''بس اور کچھ نہیں —،،

''لیکن اس پیوتر اور پادری اور تمہارے سب اٹھائی گیروں سے مجھے کیا مطلب؟،، اس نے ڈانٹ کر پوچھا — اسی انداز نے مجھ کو یقین دلا دیا کہ یہ آدمی کوئی معمولی مزدور نہیں تھا — گوری کا کام پورا کرکے میں اپنی کامیابی پر نازاں، خوش خوش گھر لوٹا — 'خفیہ' کاموں میں یہ میں نے پہلی بار حصہ لیا تھا —

rekhta

گوری پلیتنیوف کا ان معاملات سے تعلق تھا لیکن جب میں بھی ان میں شامل ہونے کی درخواست کرتا تو وہ اتنا ہی کہتا:

"ارے بھیا، تو ابھی چھوٹا ہے – اپنی کتابیں دیکھه، پڑھنے کا دھیان کر..."

پھر ایورینوف نے ایک ایسے آدمی سے میرا تعارف کروایا جو ذرا پراسرار سا تھا – اس تعارف کے سلسلے میں اتنی احتیاط برتی گئی تھی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ اب کے معاملہ واقعی اہم ہے – اس ملاقات کے لئے ایورینوف نے مجھے آرسکوئے کے میدان میں بلایا – یہ شہر کی حدود کے باہر ایک بڑا سا میدان تھا – ایورینوف مجھه کو راستے میں برابر سمجھاتا رہا کہ اب جو ملاقاتیں ہونے والی ہیں ان میں مجھے بےحد محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور تمام باتوں کو بالکل پوشیدہ رکھنا ہوگا – آخرکار اس نے ایک بھورے ہیولے کی طرف اشارہ کیا جو ذرا دور پر آہستہ آہستہ اس سنسان میدان میں ٹہل رہا تھا اور پھر ادھر ادھر دیکھه کر آہستہ سے کہا:

"یہی ہے وہ – اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور جب وہ رک جائے تو اس کے نزدیک جا کر کہنا 'میں نووارد ہوں ...'"

پراسرار معاملات ہمیشہ ہی دلچسپ اور دلکش ہوتے ہیں لیکن یہ بات مجھے بڑی عجیب سی معلوم ہوئی: روشن اور گرم دن ہے اور ایک آدمی اکیلا میدان میں گھومتا پھر رہا ہے جیسے گھاس کا کوئی بھورا تنکا – اور بس کچھه نہیں – قبرستان کے پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے میں نے اس کو جا لیا – دیکھا تو میرے سامنے ایک نوجوان تھا، پتلا دبلا چہرہ، سخت آنکھیں ایسی گول جیسی چڑیوں کی ہوتی ہیں، وہ اسکول کے لڑکوں کے یونیفارم کا سرمئی کوٹ پہنے تھا لیکن اس میں یونیفارم کے چمکدار دھات کے بٹنوں کے بجائے ہڈی کے سیاہ بٹن لگا دئے گئے تھے – گھسی ہوئی ٹوپی پر بھی اسکول کے نام کی جگہ ایک کالا دھبہ نظر آرہا تھا – غرض اس نے کچھه ایسی

rekhta

وضع قطع بنا رکھی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا جیسے قبل ازوقت وہ اپنے کو بزرگ بنا دینے کی کوشش میں ہو۔

گھنی جھاڑیوں کے سائے میں قبروں کے پاس ہم دونوں بیٹھہ گئے — مجھے نہ وہ خود اچھا لگا نہ اس کی کوئی بات — اس کے بات کرنے کا طریقہ بڑا ہی سردمہری کا اور کاروباری قسم کا تھا — پہلے تو مجھہ سے بڑی سختی کے ساتھہ پوچھتا رہا کہ میں نے کیا کیا پڑھا ہے، پھر مجھہ سے کہا کہ اس نے مطالعے کی ایک انجمن بنائی ہے جس میں میں شامل ہو جاؤں — میں نے ہامی بھر لی — پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے — پہلے وہ گیا — جانے سے پہلے اس نے میدان پر ادھر ادھر ایک نظر ڈالی، پھر روانہ ہو گیا —

اس انجمن میں ہم چار پانچ آدمی تھے — میں عمر میں سب سے کم تھا — اس کے علاوہ جان اسٹوارٹ مل اور اس پر لکھی ہوئی چرنی‌شیفسکی کی تفسیروں کو پڑھنے کے لئے جو ذہنی پس‌منظر ضروری تھا، وہ میرے یہاں سرے سے تھا ہی نہیں — ایک شخص تھا ملوفسکی — ان کے گھر میں ہماری یہ بیٹھکیں ہوا کرتی تھیں — وہ استادوں کے کالج کا طالب‌علم تھا اور بعد کو ایلیونسکی کے قلمی نام سے مختصر افسانے لکھنے لگا تھا — جب وہ تقریباً پانچ مجموعے شائع کروا چکا تو اس نے خود کشی کرلی — میرے جاننے والوں میں سے نہ جانے کتنوں ہی نے اپنی پسند سے زندگی کو خیر باد کہا اور موت قبول کی!

ملوفسکی خاموش طبیعت انسان تھا، ڈر ڈر کر سوچتا تھا اور رک رک کر بولتا تھا — وہ ایک خراب و خستہ مکان کے تہہ‌خانے میں رہتا تھا اور ”روح اور جسم کا توازن قائم رکھنے،، کے لئے بڑھئی کا کام کرتا تھا — اس کی صحبت میں اکتاہٹ ہوتی تھی — جہاں تک جان اسٹوارٹ مل کا سوال ہے ان کو پڑھنے میں میری طبیعت بالکل نہیں لگی — معاشیات اور اقتصادیات کے جو بنیادی اصول انہوں نے بیان کئے ہیں وہ مجھے ایسے لگے گویا میں ان کو بالکل نزدیک

rekhta

سے جانتا بوجھتا تھا — میں نے ان اصولوں کے تجربے میں مہارت حاصل کی تھی اور ان کی چھاپ تو میری چمڑی پر موجود تھی — مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان بڑی بڑی کتابوں اور ان مشکل الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی جبکہ ان میں صرف وہی باتیں بیان کی گئی تھیں جو ہر محنت کش انسان خود بخود ضرور جانتا ہوگا — جس انسان نے اس طرح محنت کی ہوگی کہ اس کی اپنی زندگی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگی آرام اور آسائش سے کٹے وہ مر مٹے اور دوسرے چین کریں! میرے لئے اس تہہ‌خانے میں بیٹھ کر لگاتار دو دو تین تین گھنٹے تک گوند کی مہک سونگھنا اور دیمک کو گندی دیواروں پر رینگتے ہوئے دیکھتے رہنا بڑی مصیبت تھی —

ایک دن ہمارا استاد مقررہ وقت پر نہیں آیا — ہم لوگوں نے سوچا کہ اب شائد وہ آئے گا ہی نہیں — لہذا ہم لوگ کچھ تفریح کرنے اور موج اڑانے کے موڈ میں آگئے — ایک بوتل وادکا آئی، تھوڑی سی ڈبل روٹی اور نمکین کھیرے! لیکن یکایک بھورے پتلون میں لپٹی ہوئی اس کی ٹانگیں ایک جھلک دکھاتی کھڑکی کے پاس سے تیزی سے گذریں اور ہم لوگوں کو بس اتنی مہلت مل سکی کہ وادکا کی بوتل اس کے داخل ہونے سے پہلے ہم نے میز کے نیچے کھسکا دی — جتنی دیر تک وہ چرنی شیفسکی کے عالمانہ نکتے ہم لوگوں کو سمجھاتا رہا ہم لوگ احمقوں کی طرح یکساں سیدھے، اکڑے بیٹھے رہے — ہلتے بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں ہم میں سے کسی کا پاؤں بوتل میں لگے اور وہ گر جائے تو؟ آخرکار انجام یہ ہوا کہ ہمارے استاد ہی کا پاؤں اس میں لگا اور وہ گری — بوتل کے لڑھکنے کی آواز سن کر اس نے میز کے نیچے جھانک کر دیکھا مگر ایک لفظ نہیں کہا! آہ! اگر وہ ہم میں سے ہر ایک پر گالیوں کی بوچھار کر دیتا تو ہم لوگوں کا دل کس قدر ہلکا ہو جاتا!

rekhta

اس کی خاموشی، جما ھوا ساکت چہرہ، چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے جھانکتی ھوئی دکھہ اور صدمے کی گہری پرچھائیاں مجھہ کو تو اس قدر گھبراھٹ اور کوفت ھوئی کہ کچھہ جس کا بیان نہیں — کنکھیوں سے باربار میں اپنے ساتھیوں کے چہروں کی طرف دیکھتا جو شرم سے سرخ ھو رھے تھے — مجھے خود بھی محسوس ھو رھا تھا کہ میں نے اپنے استاد کے خلاف جرم کیا ھے — ان کو دیکھہ دیکھہ کر مجھے بہت ھی تکلیف ھو رھی تھی حالانکہ وادکا خرید نے کا خیال میرا نہیں تھا —

ان بیٹھکوں سے میری طبیعت اکتا جاتی تھی — جی چاھتا کہ باھر نکل کر تاتاری محلے میں گھوموں —— یہاں کے لوگوں کی اپنی ایک الگ زندگی تھی، صاف ستھری اور عجیب و غریب سی زندگی — یہاں کے رھنے والے بااخلاق بھی تھے، پرمذاق بھی، اور ایک اجنبی سی ٹوٹی پھوٹی زبان بولتے تھے جو روسی ھی تھی — جب شام ھونے لگتی تو موٴذن کی حیرت انگیز صدا، اونچے اونچے گنبدوں سے گونجتی ھوئی ان کو نمازوں کے لئے پکارتی — تاتاریوں کی پوری زندگی کا نظام ھی میرے نزدیک بالکل مختلف تھا — جس زندگی کو میں جانتا تھا اور جس سے میں مطمئن نہ تھا اور نہ خوش اس سے ان کی زندگی کی کوئی مطابقت نہ تھی —

والگا کی کشش بھی مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی، خاص طور پر محنت کی وہ موسیقی جو ھر وقت والگا پر گونجتی رھتی تھی — آج تک بھی اس موسیقی کی یاد کے نشے سے دل کو سرور حاصل ھوتا ھے اور مجھے وہ گھڑیاں یاد آتی ھیں جب میں نے پہلی بار محنت کی دلیرانہ موسیقی کے سحر کو جانا تھا اور اس کا مزا چکھا تھا!

قازان سے ذرا نیچے کو ھٹ کر ایک بڑا سا بجرا جس میں ایرانی برتن اور اور سامان لدا ھوا تھا ایک چٹان پر چڑھہ گیا تھا اور اس کے پیندے کو نقصان پہنچ گیا تھا — قلیوں کے ایک گروہ

rekhta

نے سامان اتارنے کا ٹھیکہ لیا تھا اور اس گروہ میں میں بھی تھا — ستمبر کا مہینہ تھا، دریا میں اتری تیز سرد ہوا چل رہی تھی جو بارش کی بوندوں کو دوڑائے لئے جاتی تھی — پورے سرمئی دریا پر لہریں سر اٹھا اٹھا کر اچھلتی جاتی تھیں اور تیز ہوا کے جھونکے ان کی کلغیوں کو زناٹے کے ساتھ نوچتے جاتے — ہمارا گروہ جس میں کوئی پچاس آدمی رہے ہوں گے، ایک خالی بجرے کے عرشے پر سوار تھا — ترپالوں اور بوروں سے ہم لوگ اپنے آپ کو ڈھکے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے سٹ کر گٹھری بنے بیٹھے تھے — ایک چھوٹا سا اسٹیمر بجرے کو کھینچ رہا تھا اور برستے پانی میں شراروں کی لہریں چھوڑتا جاتا تھا —

شام ہوئی — سیسے کے رنگ کا آسمان اندھیرے کے ساتھ ساتھ جھول کھاتا گیا اور دریا پر نیچے کی طرف بیٹھتا گیا — قلیوں نے بڑبڑانا اور گالیاں بکنا شروع کیا — بارش کو گالی دی، ہوا کو گالی دی، زندگی کو گالی دی — عرشے پر ادھر سے ادھر آہستہ آہستہ کھسکتے کہ بارش سے، نمی سے، سردی سے کہیں پناہ مل جائے — مجھے یقین تھا کہ یہ سوئے ہوئے لوگ جو کام کرنے اٹھے تھے، اس کے لئے بالکل نا اہل تھے — یہ لوگ کیا اس ڈوبتے ہوئے مال کو بچا سکتے تھے؟ کبھی نہیں!

آدھی رات کے قریب ہم چھچھلے پانی میں پہنچ گئے اور تیزی سے اس ٹوٹے ہوئے بجرے کی طرف بڑھنا شروع کیا — ہمارے گروہ کا لیڈر ایک زہریلے مزاج کا بوڑھا تھا جس کے چہرے پر ماتا کے داغ تھے، بےحد چالاک، بدزبان، آنکھیں اور ناک چیل کی سی — اس نے اپنی گنجی کھوپڑی سے ٹوپی اتاری اور زور سے عورتوں کی سی آواز میں چیخا:

”لڑکو دعا مانگو! دعا مانگو نوجوانو!“

rekhta

سب قلی عرشے پر ایک گچھے کی طرح اکٹھے ہو گئے — اندھیری رات میں وہ ایک سیاہ گٹھری کی طرح لگتے تھے اور پھر ریچھوں کی طرح انہوں نے آہستہ آہستہ غر غر کرنی شروع کی — لیڈر نے سب سے پہلے دعا ختم کی اور پھر آواز دی:

”لالٹینیں لاؤ، جوانو! اب دکھا دو کہ تم کیا کر سکتے ہو! ہاں، بچو، اصلیت دکھا دینا! پروردگار ساتھ ہے —— بڑھو!،،

اور پھر یہ سست، آہستہ آہستہ چلنے والے، بارش سے بھیگے ہوئے انسان واقعی دکھانے لگے کہ وہ کیا کر سکتے تھے — ایسا معلوم ہوا جیسے جنگ ہے، معرکہ ہے، حملہ ہو رہا ہے رن پڑ رہا ہے — شور مچاتے، چیختے چلاتے، ہنسی مذاق کرتے سب کے سب اس ڈوبتے ہوئے بجرے کے عرشے پر ٹوٹ پڑے! چاول کی بوریاں، کشمش کی گٹھریاں، کھالیں اس طرح میرے چاروں طرف ہوا میں اڑنے لگیں جیسے پر اڑ رہے ہوں — یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی ڈھیلے ڈھالے پست طبیعت لوگ ہیں جو ابھی ریں ریں ریں ریں کرکے بارش اور سردی اور زندگی کو کوس رہے تھے اور اب اس خوش دلی اور آسانی اور اس کمال کے ساتھ اتنی محنت کا مظاہرہ کر رہے ہیں! بارش تیز تر ہوتی گئی اور اس کی خنکی بڑھتی گئی — ہوا میں تیزی آتی گئی اور وہ ہماری قمیصوں میں بھر بھر کر ان کو پھلا دیتی اور کھینچتی اور ہمارے سروں پر الٹ الٹ دیتی جس سے پیٹ اور پیٹھ کھل جاتے — اندھیرے میں، پانی اور کیچڑ میں صرف چھ چندھی لالٹینوں کی اندھی روشنی میں یہ سیاہ خاکے ادھر سے ادھر بجروں کے عرشوں پر بھدا بھد دوڑتے پھر رہے تھے، ننگے پیروں کی تھپ تھپ سنائی دے رہی تھی اور وہ اس طرح کام کر رہے تھے جیسے انہیں محنت کی پیاس لگی ہو، جیسے انہیں چار چار پنسیریوں کی بوریوں کو اچھالنے کا اشتیاق، انتظار اور تڑپ مدت سے رہی ہو — سامان کی گانٹھیں کندھے پر رکھ کر

rekhta

دوڑ لگانے کے وہ منتظر اور مشتاق رہے ھوں — وہ اس طرح کام کر رہے تھے جیسے کسی دلچسپ کھیل میں جٹے ھوں — بچوں کے سے شوق کے ساتھ، محنت کے نشے اور سرور میں مست —— ایسا نشہ جس سے لطیف تر صرف عورت کی آغوش ھی ھوتی ھو!

ایک بڑا سا داڑھی والا آدمی بھیگا ھوا، پھسلتا ھوا، لمبا سا کوٹ پہنے جو غالباً اس سامان کا مالک تھا یا شائد ایجنٹ رھا ھو اپنی آواز کی پوری طاقت سے چلا رھا تھا:

”اے ساتھیو —— ایک بالٹی تمہارے لئے! اے سمندری ڈاکوؤ —— دو بالٹی تمہارے لئے! کام ختم کردو تو بات ھے!،،

اندھیرے سے آوازیں اس کی طرف آئیں:

”نہیں، نہیں، تین بالٹی کر دیجئے!،،

”اچھا چلو، تین ھی بالٹی سہی! کام پورا کرو!،،

اور محنت کے طوفان میں اور شدت آ گئی —

میں نے بھی بوریاں جھپٹیں، گھسیٹیں، پھینکیں —— پھر جھپٹیں! مجھے ایسا معلوم ھوتا تھا کہ میں خود اور میرے چاروں طرف ھر چیز ایک جنگلی اور جوشیلے ناچ میں شامل ھوگئی ھے اور یہ لوگ مہینوں تک بغیر تھکے، بغیر رکے اس دلچسپ اور جان توڑ کام کو جاری رکھ سکتے ھیں، بلکہ برسوں تک — بلکہ یوں کہئے کہ یہ لوگ تو یہ اھلیت رکھتے ھیں کہ اگر یہ میناروں اور گنبدوں کو ھاتھ لگا دیں تو پورے شہر کو اپنی جگہ سے اٹھا کر جہاں چاھیں لیجائیں —

اس رات میں نے ایک ایسا مزہ چکھا جس کا تجربہ اس سے پہلے کبھی نہیں ھوا تھا اور میرے دل میں اس ارمان کے شعلے بھڑک رہے تھے کہ ساری زندگی محنت کی اسی نیم مجنونانہ کیفیت میں گذرے! نیچے لہریں رقص کر رھی تھیں — بارش اب بھی عرشے کو دھو رھی تھی، ھوا دریا کی سطح پر سے بھنبھناتی ھوئی گذر رھی تھی — اور علی الصباح، پوپھٹنے کے سرمئی رنگ میں یہ پانی میں بھیگے

rekhta

ہوئے نیم برہنہ لوگ اپنی دوڑ لگائے ہوئے تھے —— تیز اور ان تھک دوڑ —— ہنستے جاتے، چیختے جاتے اور اپنی محنت اور قوت کی عظمت کا سکہ بٹھاتے جاتے! اور پھر ہوا نے یکایک بادلوں کے گہرے نقاب کو چیر دیا — سورج کی ایک گلابی کرن آسمان کی چمکتی ہوئی نیلاہٹ کے پار ہوئی — ان زندہ‌دل وحشیوں نے ایک چیخ کے ساتھ اس کرن کو خوش‌آمدید کہی —— ہنستے ہوئے ہونٹ آسمان کی طرف اٹھاکر جو بھیگی ہوئی داڑھیوں اور زلفوں کے ہالے میں گھرے ہوئے تھے — میرا دل چاہا کہ دوڑکر ان سب کو بیک وقت گلے سے لگا لوں —— یہ دو پائے جانور جو اپنے کمال اور کام میں یکتا تھے، جو اپنی محنت میں اس قدر کھو گئے تھے —

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ مسرت بھری جوشیلی طاقت بے کنار تھی — اس کے آگے کیا چیز ٹھہر سکتی تھی — یہ طاقت دنیا میں معجزے دکھا سکتی تھی، رات بھر میں زمین پر حیرت انگیز شہر اور قلعے کھڑے کرسکتی تھی، جیسا کہ پریوں کے قصے کہانیوں میں بیان کیا گیا ہے — سورج کی کرن نے ایک دو منٹ انسان کی محنت پر نظر ڈالی، پھر بادلوں کے زبردست ڈھیر کا مقابلہ نہ کر سکی اور ان ہی کی گہرائیوں میں اس طرح ڈوب گئی جیسے سمندر میں کوئی بچہ ڈوب جائے — پانی موسلادھار برسنے لگا!

کسی نے چیخ کر کہا ’’بس کرو!،، لیکن اس کو ایک وحشیانہ غصے سے بھرا ہوا جواب ملا:

’’یہ کس نے کہا بس کرو؟،،

اور دن کے دو بجے تک یہ لوگ بغیر رکے ہوئے کام کرتے رہے —— برستے پانی اور چبھتی ہوئی ہوا میں نیم برہنہ —— یہاں تک کہ آخری سامان بھی ادھر سے ادھر پہنچا دیا گیا — اور مجھے اس قوت، اس عظیم قوت کا ایک مقدس احساس ہوا جس سے ہماری یہ دنیا مالامال ہے!

rekhta

کام ختم ہو گیا تو پھر ہم انجن والے بجرے پر بیٹھے اور وہاں پڑ کر اس طرح سوئے جیسے سب کو شراب کا نشہ چڑھا ہو — جب قازان پہنچے تو ریتلے ساحل پر ہم سب یوں اترے جیسے ایک بھورا گدلا چشمہ انڈیلا جا رہا ہو، اورسیدھے شراب خانے پہنچے ––– تین بالٹی وادکا پینے !

وہ چوٹا باشکن وہاں آ پہونچا، مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا :

’’ان لوگوں نے تمہاری کیا گت بنادی ہے؟،،

میں بڑے جوش میں آکر اس کو کام کے متعلق بتانے لگا — اس نے سنا، ٹھنڈی سانس بھری، پھر حقارت سے بولا :

’’احمق — احمق سے بدتر —— گدھا !،،

سیٹی میں کوئی لے بجاتا ہوا وہ پاس پاس رکھی ہوئی میزوں کی قطار کے قریب سے گذرا جس پر قلی لوگ بیٹھے زور و شور سے دعوت اڑا رہے تھے — ایک اونچی آواز نے کسی کونے سے ایک فحش گیت شروع کیا :

اھا، بات ہے اندھیری رات کی، آدھی رات کی
جب نکلی رانی سیر کو باغ میں !

بہت سی آوازیں اس طرح چیخنے لگیں کہ کان کے پردے پھٹ گئے — میزوں پر لوگوں نے ہتیلیوں سے تال دینی شروع کی :

دیکھا رات کے پہریدار نے
رانی لیٹی ہوئی ہے...

زور زور سے لوگ سیٹیاں بجا بجا کے، ہائے وائے، فوں فاں کرنے لگے، ایسے ایسے مزہ دار فقرے اور چوٹیلے طنز سنائی دینے لگے کہ دیواریں ہل گئیں — یہ مزےدار چوٹیں، یہ پرخلوص مذاق دنیا میں اور کہاں؟

rekhta

کسی نے میرا تعارف اندرئی دیرینکوف سے کروایا — اس کی چھوٹی سی پرچون کی دوکان تھی جو ایک پتلی سی غربت زدہ گلی کے نکڑ پر تھی — پاس ہی ایک کوڑے کرکٹ سے بھرا ہوا نالا تھا — دیرینکوف کا قد چھوٹا تھا، ایک بازو سوکھا ہوا تھا، شفیق چہرہ، سنہری داڑھی سے گھرا ہوا، ذہین آنکھیں — اس کے پاس ممنوع کمیاب کتابوں کی ایک نادر لائبریری تھی جو قازان بھر میں مشہور تھی، اور شہر کے مختلف تعلیمی اداروں کے طالب علم اور انقلابی لوگ اس لائبریری سے برابر فائدہ اٹھاتے تھے —

پرچون کی یہ دوکان ایک نیچے سے چھپر میں تھی جو ایک اسکوپیتس * سود خور کے مکان کا ایک حصہ تھا — دوکان میں سے اندر کی طرف ایک بڑے کمرے میں دروازہ کھلتا تھا اور اس کمرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلتی تھی جو احاطے کی طرف تھی — اس کھڑکی سے مدھم روشنی کمرے میں آیا کرتی تھی — اسی کمرے سے ملا ہوا ایک تنگ سا باورچی خانہ تھا اور باورچی خانے کے بھی پیچھے بڑے مکان اور چھپر کے درمیان والے اندھیرے گلیارے میں ایک چھوٹا سا گودام تھا — اسی گودام میں وہ غیر قانونی لائبریری تھی — بعض بعض کتابیں بیاضوں کی صورت میں ھاتھہ سے لکھی ہوئی تھیں، مثلاً لاوروف کی کتاب ”تاریخی خطوط“، چرنی‌شیفسکی کی کتاب ”کیا کیا جائے“، پیساریف کے بہت سے مضامین کے مجموعے مثلاً ”شاہ بھوک“ اور ”الجھے ہوئے اعمال“ — یہ تمام مخطوطات مڑے تڑے اور گھسے ہوئے تھے جیسے لوگوں نے ان کو بڑی شدت سے پڑھ کر چتھڑا کر دیا ہو —

---

* روس میں ایک خاص مذہبی فرقہ ہوا کرتا تھا جو لوگوں کو آختہ کیا کرتا تھا — یہ لوگ ’اسکوپیتس‘ کہلاتے تھے — (مترجم)

rekhta

جب میں اس دوکان میں پہلی بار آیا تو دیرینکوف اپنے گاھکوں میں مصروف تھا — اس نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کردیا — میں اس بڑے سے نیم تاریک کمرے میں داخل ھوا تو کیا دیکھتا ھوں کہ ایک کونے میں جہاں صلیبی تصویر لگی ھوئی تھی، ایک بڑے میاں دوزانو بیٹھے دعا مانگ رہے ھیں — میں انہیں کھڑا دیکھتا رھا اور مجھے خیال ھوا کہ کچھہ معاملہ گڑبڑ ھے — یہ تضاد کیسا؟

مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ دیرینکوف ''نارودنک،، تھا — نارودنک ھونے کے معنی میرے نزدیک انقلابی ھونے کے تھے اور انقلابی کو خدا کی ذات پر یقین نہ رکھنا چاھئے تھا — لیکن یہ تہ‌دل سے دعا مانگتا ھوا بڈھا اس گھر میں بہت ھی بے محل لگ رھا تھا —

جب اس نے اپنی دعا ختم کرلی تو اپنے بالوں اور داڑھی پر ھاتھہ پھیرا — پھر مجھے گھور کر دیکھا :

''میں اندرئی کا باپ ھوں — اور تم کون ھو؟ اچھا تو یہ بات ھے — میں سمجھا کوئی طالب علم بھیس بدل کر آ گیا — ،،

''لیکن طالب‌علم بھیس کیوں بدلے گا؟،، میں نے پوچھا —

''خیر، ایسا ھی ھوتا ھے،، بوڑھے نے آھستگی سے جواب دیا — ''آخر انسان چاھے جتنا بھیس بدل لے خدا تو جان ھی جاتا ھے — ،،

یہ کہہ کر وہ باورچی خانے میں گھس گیا — میں کھڑکی پر بیٹھہ گیا اور خیالات میں کھو گیا — پھر یکایک میں نے کسی کو کہتے سنا :

''اچھا تو یہ اس قسم کا آدمی ھے !،،

ایک لڑکی سر سے پاؤں تک سفید کپڑے پہنے، باورچی‌خانے کے در سے لگی کھڑی تھی — اس کے سنہرے بال چھوٹے چھوٹے ترشے ھوئے تھے اور بھولا چہرہ پیلا تھا، گہری نیلی آنکھوں میں

مسکراہٹ چمک رہی تھی — وہ فرشتے کی طرح لگ رہی تھی —— جس طرح فرشتے سستی قسم کی تصویروں میں نظر آتے ہیں —

''تم کس بات سے ڈر رہے ہو؟ کیا میں اتنی بھیانک لگتی ہوں کہ تم خوف کھاؤ،، اس نے پوچھا — اس کی آواز باریک تھی اور تھرتھرا رہی تھی — آہستہ آہستہ، بڑی احتیاط سے چلتی ہوئی، دیوار سے لگی لگی وہ میری طرف بڑھنے لگی جیسے اس کے پیروں تلے مضبوط فرش نہ ہو بلکہ ایک رسی ہو جو خلا میں تنی ہوئی ہو — اور چونکہ وہ تیز نہیں چل پا رہی تھی اس لئے اور بھی ایسا معلوم ہونے لگا گویا وہ کسی اور دنیا سے آئی ہے — اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا جیسے اس کے تلوؤں میں سوئیاں چبھوئی جا رہی ہوں، جیسے دیوار اس کے گلگوتھنے، بچوں کے سے ہاتھوں کو ڈنک مار رہی ہو — انگلیاں ایک عجیب طرح سے اکڑی ہوئی تھیں اور بالکل حرکت نہیں کر رہی تھیں —

میں گونگوں کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا — سمجھه میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں — البتہ ترس اس پر بہت آ رہا تھا — اس اندھیرے کمرے کی ہر چیز کس قدر غیرمعمولی تھی!

لڑکی ایک کرسی پر بیٹھه گئی اس احتیاط سے کہ معلوم ہوتا تھا کرسی کے کہیں نکل بھاگنے کا خطرہ ہے — اس نے بڑی سادگی سے مجھے بتایا کہ ابھی چار پانچ ہی دن سے اس نے چلنا شروع کیا ہے ورنہ تین مہینے سے وہ بستر پر پڑی تھی — اس کے اعضا مفلوج ہو گئے تھے — جس سادگی سے اس نے یہ بات کہی میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی —

''یہ ایک قسم کی اعصابی بیماری ہے،، وہ مسکراتی ہوئی بولی —

مجھے یاد ہے کہ اس وقت میرا دل چاہا تھا کہ کاش اس کی حالت کا کچھه اور سبب ہوتا تو بہتر تھا — اعصابی بیماری تو

rekhta

اس لڑکی کے سلسلے میں نہائت ھی روکھا پھیکا لفظ ھے اور وہ بھی اس کمرے کے ماحول میں، جہاں ھر چیز جیسے شرما کر دیوار سے چپکی جا رھی ھو – صلیبی تصویر والے کونے میں لیمپ جل رھا تھا، اس کی تانبے کی زنجیروں کا عکس بڑی سی کھانے کی میز کی سفید چادر پر پڑ رھا تھا اور یوں ھی بلا وجہ ھل رھا تھا –

اس لڑکی کی آواز جاری رھی، بچوں کی سی باریک آواز ''میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھہ سنا تھا اور میں جاننا چاھتی تھی کہ آپ ھیں کیسے؟،،

مجھہ کو گھبراھٹ ھونے لگی – لڑکی جس طرح سے مجھے غور سے دیکھہ رھی تھی اس سے مجھے اتنی پریشانی ھو رھی تھی کہ برداشت سے باھر تھی – ایسا لگتا تھا کہ اس کی گہری نیلی آنکھوں کے پیچھے کوئی قوت ھے جو میرے سارے وجود کا، اندر تک، معائنہ اور مطالعہ کر رھی ھے – ایسی لڑکی سے بھلا میں کیا بات کرتا؟ کر ھی نہیں سکتا تھا – چنانچہ میں خاموش کھڑا دیوار پر لگی تصویروں کو دیکھتا رھا —— ھرتسن، ڈارون، گاریبالدی –

ایک لڑکا جس کی عمر میرے ھی برابر ھوگی، سنہرے رنگ کے بال، گستاخ آنکھیں، تیزی سے دوکان کی طرف سے آیا اور باورچی خانے کی طرف جاتے ھوئے ھمارے پاس سے گذرا اور لڑکوں کی طرح آواز بدل کر بولا:

''ماریا، تم یہاں کیا کر رھی ھو؟،،

''یہ میرا سب سے چھوٹا بھائی الکسئی ھے – آپ کو پتہ ھے میں پڑھہ رھی تھی، نرس (دائی) بننے کی ٹریننگ لے رھی تھی – لیکن میں بیمار پڑگئی – آپ کچھہ بولتے کیوں نہیں؟ کیا شرماتے ھیں آپ؟،،

اتنے میں اندرئی دیرینکوف اندر آگیا – اپنا سوکھا ھاتھہ صدری کی بغل میں دئے، اس نے اپنی بہن کے ریشمی بالوں پر ھاتھہ

پھیرا، ذرا سا ان کو الجھایا اور پھر مجھه سے پوچھنے لگا کہ میں کس قسم کے کام کی تلاش میں هوں —

پھر ایک دبلی پتلی لڑکی جس کے بال شعلوں کی طرح سرخ تھے اور آنکھیں سبز، اندر آگئی اور ذرا بگڑ کر میری طرف دیکھا — اس نے سفید لباس والی لڑکی کا بازو پکڑا اور اسے لے گئی —

''چلو ماریا، بس بہت هوا — ،،

ماریا نام دراصل اس لڑکی کے لئے بالکل نامناسب تھا، بہت هی کھردرا تھا اس کے لئے —

میں ایک عجیب سا اشتیاق دل میں لئے واپس هوا — دو دن بعد کرید پھر مجھه کو اس کمرے میں لے گئی — میں معلوم کرنا چاهتا تھا کہ وهاں جو لوگ رهتے تھے وہ کس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس کے کیا معنی تھے — کیونکه وہ ماحول بڑا هی عجیب تھا —

وہ خاکسار اور قابل‌محبت بڈھا استیپان ایوانووچ، جس کا سارا سر سفید هوکر شفاف زردی کی طرف مائل تھا، کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا، آهستگی سے مسکرایا کرتا تھا — ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے سرمئی هونٹ دھیرے سے هلا کر کہه رها هو:

''میرا پیچھا چھوڑ دو! مجھے تنہا چھوڑ دو!،،

یہ بات بھی مجھے صاف نظر آتی تھی کہ اس کو کسی مصیبت کے یکایک آپڑنے کا خطرہ هر وقت محسوس هوتا رهتا تھا اور اس پر خوف کی ایک مستقل کیفیت چھائی رهتی تھی —

سوکھے هاتھه والا اندرئی سرمئی جاکٹ پہنے، جو سامنے سے آٹے اور تیل کے دھبوں سے چکٹ هو کر سخت هو گئی تھی، کمرے میں آڑا آڑا گھومتا رهتا ——— احتیاط کے ساتھه، رک رک کر، جیسے کوئی بچه جس کی کسی بےضرر سزا کو ابھی ابھی معاف کیا گیا هو — دوکان میں الکسئی اس کی مدد کرتا تھا — وہ گنوار اور سست

rekhta

تھا — تیسرا بھائی ایوان استادوں کے کالج میں طالب علم تھا، وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور صرف چھٹیوں میں گھر آتا تھا — ایوان صاف ستھرے کپڑے پہنتا تھا، قاعدے سے کنگھی کئے، چکنا مکنا بنا رہتا تھا جیسے کوئی بڑھاپے کی طرف مائل سرکاری کلرک — ماریا جو بیمار بہن تھی، وہ اوپر کی منزل میں دالان میں رہتی تھی اور شاذ ہی کبھی نیچے اترتی تھی — جب وہ نیچے اتر آتی تھی تو مجھے ہمیشہ بہت گھبراہٹ ہوتی تھی جیسے مجھے ان‌دیکھی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے —

دیرینکوف کے گھر کا انتظام ایک لمبی، دبلی پتلی سی عورت کیا کرتی تھی جس کا چہرہ کٹھ‌پتلی کا سا تھا اور آنکھوں میں دیوداسیوں جیسی تلخ سختی — یہ عورت مکان دار کے یہاں رہتی تھی — اس کی لڑکی ناستیا بھی جس کے سرخ بال اور تیکھی ناک تھی، اپنی ماں کو کام کاج میں مدد دیا کرتی تھی — جب ناستیا کسی مرد کی طرف اپنی سبز آنکھیں اٹھاتی تھی تو اس کے نتھنے پھڑکنے لگتے تھے —

لیکن دیرینکوف کے گھر کے اصل مالک طالب علم لوگ تھے —— طالب علم جو یونیورسٹی سے، مذہبی اکادمی سے یا جانوروں کے انسٹیٹیوٹ سے جمع ہوا کرتے تھے — نوجوان طالب علموں کا یہ ہلڑ باز گروہ روسی عوام کے لئے دل میں درد رکھتا تھا اور روس کے مستقبل کے لئے بےقرار رہتا تھا — اخباروں کے مضامین، نئی پڑھی ہوئی کتابوں سے نکالے ہوئے نتیجوں اور شہر اور یونیورسٹی میں ہونے والے واقعات سے متاثر ہوکر وہ دیرینکرف کی دوکان کی طرف لپکتے — کسی بھی شام کو قازان کے تمام حصوں سے اکٹھے ہوتے اور وہاں جمع ہو جاتے —— یا تو زور زور کی بحثیں ہوتیں یا کمرے کے مختلف کونوں میں کھسر پھسر چلتی رہتی — وہ لوگ بڑی بڑی کتابیں لے کر آتے، بےحد جوش میں آکر صفحوں پر انگلیاں مارتے، ایک دوسرے پر چیختے —— ہر ایک جس بات کو سب سے زیادہ ٹھیک سمجھتا اسی پر زور دیتا —

rekhta

ظاہر ھے یہ بحثیں میرے بھیجے میں کیا خاک آتیں؟ جس حقیقت پر بحث ھوتی وہ تو میرے واسطے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں یوں غائب ھوجاتی اور ڈھونڈے سے نہ ملتی جیسے غریب کی پتلی دال میں چکنائی کی پھٹکیاں! ان میں بعض طالب علموں کو دیکھ کر مجھے داڑھی والے کٹر مذہبی لوگ یاد آجاتے جو والگا کے علاقے میں رہتے تھے — لیکن کم از کم اب مجھے ایسے لوگ ضرور ملے تھے جن کا مقصد ھی زندگی کو بدلنا تھا — یہ ضرور تھا کہ ان کا خلوص الفاظ کے تیز دھارے میں ھانپتا، ٹکراتا چلا جا رہا تھا پھر بھی وہ اس دھارے میں ڈوبتا نہیں تھا — مجھے صاف نظر آتا تھا کہ ان کو کون سے مسائل حل کرنے چاہئیں، ایسے مسائل جن کے کامیاب حل کی مجھے ذاتی خواہش، ذاتی دلچسپی تھی — مجھے اکثر ایسا معلوم ھوتا کہ طالب‌علموں کی یہ باتیں میرے اپنے ھی خاموش خیالات کا اظہار کر رھی ھیں — میں ان لوگوں کو تقریباً ان ھی جذبات کے ساتھ پوجتا تھا جیسے کوئی قیدی ان لوگوں کو جو اسے قید سے چھٹکارا دلانے کی امید دلائیں —

وہ لوگ اپنی جگہ پر مجھے اس نظر سے دیکھتے تھے جیسے کوئی ماہر بڑھئی یا فرنیچر بنانے والا ایک لکڑی کے ٹکڑے کو دیکھتا ھے، جس سے کوئی ایسی چیز بن جانے کا امکان ھو جو بالکل معمولی ھی نہ ھو —

میرا تعارف کرواتے وقت ایک طالب علم دوسرے سے کہتا ’’یہ ھونہار اور انوکھی شخصیت ھے!،، اور اس کی آواز میں ایسا فخر ھوتا گویا گلی کا کوئی لونڈا اپنے کسی ساتھی کو تانبے کا ایک پیسہ دکھا رہا ھو جو اس نے بدرو میں پڑا پایا ھو — میں ’’ھونہار،، کہلانا پسند نہیں کرتا تھا — نہ مجھے یہ اچھا لگتا تھا کہ کوئی مجھے ’’عوام کا بیٹا،، کہے — میں تو یہ محسوس کرتا تھا کہ میں زندگی کا بیٹا تھا مگر سوتیلا — پھر کبھی کبھی ایسا بھی ھوتا تھا

که جس طریقے سے یه نئی طاقتیں میری ذهنی نشو و نما کی رهبری اور هدایت کرتیں وه طریقه بهی مجهے نا گوار گذرتا اور سخت کوفت هوتی — اسی طرح ایک دن ایسا هوا که میں نے ایک کتاب کی دوکان کی کهڑکی پر ایک کتاب رکهی دیکهی جس کا نام تها ''اقوال و اصول،، — اگرچه میں ان الفاظ کے معنی نہیں جانتا تها پر مجهے نه جانے کیوں ایک دم سے خواهش هوئی که اسے پڑهوں — چنانچه میں نے مذهبی اکادمی کے ایک طالب علم سے درخواست کی که وه کتاب مجهے دے دیں —

''اور کیا!،، اس هونے والے آرک بشپ نے طنز سے جواب دیا — وه نوجوان آدمی تهے، حبشیوں کا سا سر، چهوٹے چهوٹے گهونگهر پڑے هوئے بال، موٹے هونٹ اور چمکتے هوئے سفید دانت — ''بهئی یه سب بےوقوفی کی باتیں هیں — تم کو جو دیا جاتا هے وه تم پڑهو اور جس بات سے تم سے مطلب نہیں هے اس میں بےکار ٹانگ نه اڑاؤ!،،

اپنے استاد کی یه سخت کلامی مجهے ڈنک کی طرح چبهی — پهر بهی میں نے وه کتاب خرید هی لی — کچهه پیسے قلی گیری کرکے کمائے، کچهه اندرئی دیرینکوف سے ادهار لئے — اب تک وه کتاب میرے پاس هے اور وه پہلی سنجیده کتاب هے جو میں نے خریدی —

عام طور پر مجهه سے برتاؤ بڑا سخت کیا جاتا تها: جب میں نے ''سماجی علوم کی ابجد،، پڑهی تو میں نے محسوس کیا که مصنف نے تہذیب کی ترقی میں گلے بانی کرنے والے قبیلوں کی جو اهمیت دکهائی تهی، اس میں مبالغے سے کام لیا تها اور بلا وجه گهومنے والے شکاری قبیلوں کی اهمیت گهٹائی تهی حالانکه ان لوگوں میں بڑی اپج تهی — میں نے یه خیال اپنے رهبروں میں سے ایک کے سامنے ظاهر کیا جو لسانیات کا طالب علم تها — اور پهر ایک گهنٹے تک وه اپنے عورتوں کے سے نازک ناک نقشے پر سختی طاری کئے مجهه کو لیکچر پلاتا رها که ''تنقید کا حق،، کس کو کہتے هیں —

rekhta

''تنقید کرنے کا حق حاصل کرنے کے واسطے انسان کو چاہئے کہ وہ کسی مثبت سچائی پر ایمان رکھتا ہو۔ آپ کس سچائی، کس حقیقت کو مانتے ہیں؟'' اس نے مجھہ سے پوچھا۔

یہ طالب علم ہر وقت پڑھتا رہتا تھا، سڑک پر بھی! میں اکثر دیکھتا تھا کہ وہ سڑک پر چلا جا رہا ہے، چہرہ کتاب میں دفن ہے، ہر آنے جانے والے سے ٹکر ہو رہی ہے۔ جب اسے ٹائیفائیڈ ہوا تو اپنی کوٹھری میں پڑا سرسامی حالت میں بھی وہ چلا رہا تھا ''اخلاقیات دراصل آزادی اور جبر کے عناصر کی ہم آہنگی کا نام ہے — ہم آہنگی، ہم... آہن... گی...''

وہ نرم دل آدمی تھا، مسلسل غذا کی کمی کا مارا ہوا اور کمزور، مثبت سچائی کی مستقل تلاش سے گھسا ہوا۔ کتابوں کے سوا اس کی زندگی میں اور کوئی تفریح نہ تھی اور جب اسے ایسا محسوس ہوتا کہ اس نے دو بڑے ذہنوں کے تضاد میں ایک ہم آہنگی کا راستہ نکال لیا ہے تو اس کی نرم اور سیاہ آنکھیں بچوں کی سی مسکراہٹ سے جھلملانے لگتیں۔ قازان میں ہماری ملاقات کے تقریباً دس سال بعد میری ملاقات پھر اس سے خارکوف میں ہوئی، وہاں وہ اپنا یونیورسٹی کا کورس پورا کر رہا تھا اور کیم میں جلا وطنی کے پانچ سال کاٹ چکا تھا۔ اور مجھے ایسا لگا کہ وہ انسان مختلف نظریات کے بل میں پھنس گیا تھا جس میں چیونٹیاں ہی بھری پڑی تھیں۔ اسے تپ دق کا مہلک مرض تھا، خون تھوک رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ کارل مارکس اور نیتشے کے خیالات میں کسی جگہ ہم آہنگی نظر آجائے۔ اس نے اپنی پسیجی ہوئی ہتیلیوں میں میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور پھٹی ہوئی آواز میں کہا:

''زندگی بغیر امتزاج کے — ناممکن!''

آخر اس کا انتقال ایک ٹرام میں ہوا جبکہ وہ یونیورسٹی جارہا تھا۔

rekhta

عقل کی منزل کے کاروانوں میں مجھے اس طرح کے کم شہید نہیں ملے ھیں — ان کی تعداد کافی ھے اور میرے نزدیک ان کی یاد ایک مقدس حیثیت رکھتی ھے —

دیرینکوف کے یہاں ایسے بیسیوں ھی لوگ اکٹھے ھوتے تھے اور ان میں ایک جاپانی طالب‌علم بھی تھا — اس کا نام تھا پنتلیمون ساتو — وہ مذھبی اکادمی میں پڑھتا تھا — کبھی کبھار ان بیٹھکوں مس ایک بڑا سا چوڑے چکلے سینےوالا آدمی بھی نظر آتا تھا جس کا سر تاتاریوں کی طرح منڈا ھوا تھا، بڑی سی لہراتی ھوئی داڑھی تھی — یہ آدمی اپنے بڑے سے بھورے کوٹ کے اندر سلا ھوا لگتا تھا، کوٹ کے ھک گلے تک بند رھتے تھے — عام طور پر وہ کسی کونے میں اکیلا بیٹھا، چھوٹا سا پائپ پیتا رھتا اور اس کی آنکھیں کھوئی کھوئی، چاروں طرف بیٹھے ھوئے لوگوں کو غور سے دیکھتی رھتیں — اس کی یہ غور سے دیکھتی ھوئی گہری نظریں اکثر میرے چہرے پر جمی رھتیں اور مجھے ایسا محسوس ھوتا جیسے وہ مجھے اپنے خیال ھی خیال میں تول رھا ھے، اور مجھے اس سے نہ‌جانے کیوں ڈر سا لگتا — اس کی خاموشی مجھے معمہ سی محسوس ھوتی — باقی اور لوگ تو زور زور سے جلد جلد بات کرتے اور فیصلے دیتے جاتے اور ظاھر ھے کہ بات‌چیت جتنی ھی جان دار ھوتی اتنی ھی مجھے اچھی لگتی — مگر مجھے یہ سمجھتے سمجھتے کافی عرصہ لگا کہ زوردار الفاظ اکثروبیشتر کس قدر گھٹیا اور پرفریب خیالات کی نقاب ھوتے ھیں! تو پھر اس داڑھی‌والے دیو کی خاموشی کے پردے میں کیا تھا؟

لوگ اس کو ''خوخول،، کہتے تھے — مجھے یقین تھا کہ اندرئی کے سوا اور کسی کو اس کا اصل نام نہیں معلوم تھا — جلد ھی مجھے یہ پتہ چلا کہ یہ آدمی ابھی حال ھی میں یاقوتسک کے علاقے سے آیا تھا جہاں وہ دس سال سے جلاوطن تھا — اس بنا پر اس سے میری دلچسپی اور بھی بڑھ گئی لیکن اس سے ملنے جلنے کی ھمت نہ ھوئی — مجھے

rekhta

کوئی شرم یا ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی بلکہ اس کے برخلاف دل میں ایک کرید سی پیدا ہوئی، ایک زبردست خواہش کہ مجھے ہر بات معلوم ہو جائے اور جتنی جلد ہو سکے، معلوم ہو جائے — دراصل مجھ میں یہ صفت ایسی تھی جس نے ساری زندگی مجھے کسی ایک چیز کا سنجیدہ مطالعہ نہیں کرنے دیا —

جب یہ لوگ عوام کے متعلق باتیں کرتے تھے تو میں حیران سنا کرتا تھا اور اپنے نکالے ہوئے نتائج پر بھروسہ کر پاتا تھا لیکن پھر بھی یہ ضرور محسوس ہوتا تھا کہ اس موضوع پر میں بالکل اسی طرح نہیں سوچتا تھا جس طرح وہ سوچتے تھے — ان کے خیال کے مطابق عوام مجسم عقلمندی، نیکی، خلوص اور حسن طبیعت کا نمونہ تھے، لیکن میں عوام کو اس نظرئیے سے اور اس روشنی میں نہیں دیکھتا تھا — اپنے چاروں طرف مجھے بڑھئی، قلی، مستری وغیرہ نظر آتے تھے — میں نے یاکوف، اوسیپ اور گریگوری کو قریب سے دیکھا تھا — یہ لوگ عوام کو ایک اجتماعی حیثیت سے دیکھتے تھے اور یہ بحث مباحثہ کرنےوالے اپنے آپ کو ان عوام سے کہیں نیچے سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارا انحصار بس عوام کی مرضی پر تھا — مجھے یہ نظر آتا تھا کہ تمام حسن خیال اور ذہن کی طاقت ان مباحثہ کرنےوالوں میں چھپی ہوئی ہے جو اپنی طبیعتوں میں سوزوگداز کو جگہ دئے ہوئے تھے، جن میں زندہ رہنے اور زندگی کو بنانے کی ایک جولاں خواہش تھی، ایک افادی ارمان تھا — وہ بنی‌نوع انسان کی محبت کے نئے اصولوں کو لے کر ایک آزاد زندگی کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے — یہ محبت، یہ لگن میں نے ان نچلے لوگوں میں کبھی نہیں دیکھی تھی جن کے ساتھ میں اب تک زندگی گذارتا چلا آیا تھا اور یہاں یہ لگن ہر لفظ سے گونجتی تھی، ہر نگاہ میں دمکتی تھی —

‘عوام’ کے ان پجاریوں کی یہ گفتگو میرے دل پر بارش کے

rekhta

تازگی بخش قطروں کی طرح لگتی تھی اور میں دیہات کے تاریک حالات اور کسان کی شہیدوں جیسی زندگی کے متعلق لکھی ہوئی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا تھا ۔ ان کتابوں سے مجھے بڑی مدد ملی اور میں یہ محسوس کرنے لگا کہ بنی‌نوع انسان سے شدت سے محبت کرکے ہی کسی کو یہ قوت نصیب ہو سکتی ہے کہ وہ زندگی کی حقیقی اہمیت کو تلاش کرے اور اس کا عرفان حاصل کرے ۔ میں نے اپنے متعلق سوچنا کم کر دیا دوسروں کی طرف اور زیادہ مائل ہو گیا ۔

اندرئی دیرینکوف نے مجھ پر بھروسہ کرکے مجھے یہ بات بتائی کہ اس کی دوکان میں جو تھوڑی بہت آمدنی ہوتی تھی وہ دراصل ان ہی لوگوں کی مدد کے لئے وقف تھی —— یہ لوگ جو عوام کی خوشی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے اور ترجیح دینے کے اصول کو مانتے تھے ۔ جب وہ ان لوگوں میں گھرا ہوتا تو اس کے طور طریقے ایسے ہوتے جیسے کوئی معمولی مگر نہائت مخلص پادری ہو جو بڑے بشپ صاحب کا وعظ سن رہا ہو ۔ ان پڑھے لکھوں کی سمجھداری سے وہ بے حد مرعوب رہتا تھا اور کبھی اس جذبے کو چھپانے کی بھی کوشش نہیں کرتا تھا ۔ اپنے خشک ہاتھ جیکٹ کے بغل میں دبائے، چہرے پر خوشی کی روشنی ناچتی ہوئی، وہ اپنی ریشمی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر مجھ سے پوچھتا جاتا:

”کیوں ہے نا زور دار بات، کیوں؟“

اور اگر کبھی لاوروف جو جانوروں کا ڈاکٹر تھا، ان نارودنکوں کے خلاف بحث کرنے لگتا تو دیرینکوف آنکھیں جھکا کر آہستہ سے گھبرا کر کہتا:

”اُفوہ! یہ اس قدر گڑبڑ کرتا ہے!“

اس لاووروف کی آواز بھی بڑی کرخت تھی، عجیب سی —— بولتا تو معلوم ہوتا بطخیں قیں‌قیں کر رہی ہیں ۔

نارودنکوں کی طرف جو رویہ دیرینکوف کا تھا وہی میرا بھی تھا

rekhta

لیکن مجھے ایسا لگتا کہ طالب علم اس کے ساتھ جو برتاؤ کرتے تھے وہ بدتمیزی کا تھا — وہ اس کا کچھ خیال ہی نہیں کرتے تھے جیسے امیروں کا برتاؤ نوکروں کے ساتھ ہوتا ہے یا شراب خانے کے ویٹروں کے ساتھ ہوتا ہے — دیرینکوف کو خود اس بات کا احساس ہی نہیں تھا — اکثر جب مہمان چلے جاتے تو وہ مجھے رات کو رہ جانے کے لئے کہتا — ہم لوگ کمرے کی سب چیزیں ٹھیک ٹھاک کرتے، پھر فرش پر نمدہ بچھاتے اور اس پر لیٹ کر رات گئے تک باتیں کیا کرتے — کونے میں جلتے ہوئے صلیبی تصویروالے چراغ کی دھندلی روشنی سے کمرے کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی بس یوں ہی سی کم ہو جاتی تھی — سچے ایمان کی حقیقی مسرت کے ساتھ دیرینکوف مجھ سے آہستہ سے کہتا:

”وقت آنے دو — ابھی تو ایسے بہت سے اچھے انسان ہم لوگوں کے ساتھ ہو جائیں گے — ایسے ہزاروں! روس میں تمام جگہوں پر یہی لوگ ہوں گے اور پھر وہ تیزی سے ہماری زندگی کے ڈھانچے کو بدل دیں گے، اس کے پورے رنگ کو بدل دیں گے —“

وہ عمر میں مجھ سے تقریباً دس سال بڑا تھا اور سرخ بالوں والی ناستیا پر بری طرح مرتا تھا — وہ لڑکی کی شریر آنکھوں سے آنکھیں ملاتے ڈرتا تھا اور دوسروں کے سامنے ناستیا سے اسی طرح خشک اور مالکانہ انداز سے بات کرتا جیسے مالک نوکر سے لیکن اس کی نظریں بڑے شوق سے ناستیا کا پیچھا کرتیں اور اکیلے میں تو باقاعدہ داڑھی کھینچتا جاتا اور گھبرا گھبرا کر لجاجت سے بات کرتا جاتا —

اس کی چھوٹی بہن بھی کمرے کے کسی کونے سے الفاظ کی یہ کھینچا تانی دیکھتی اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں کھل جاتیں، بچوں کا سا منھ تمسخر کے سے انداز میں نیچے کو لٹک جاتا جیسے بہت غور سے کچھ سوچ رہی ہو — جب معمول سے زیادہ تیز الفاظ کا تبادلہ ہوتا تو وہ زور سے ایک گہری سانس کھینچتی جیسے یکایک کسی نے اس

rekhta

پر برف کا پانی پھینک دیا ھو۔ ایک سنہرے مائل بال والا نوجوان جو طب کا طالب علم تھا اس کے ارد گرد مرغے کی طرح اکڑ کر گھومتا رہتا تھا۔ وہ اس سے پراسرار انداز میں دھیرے دھیرے باتیں کرتا اور اس وقت اس کی بھویں سکڑ جاتیں۔

یہ تمام باتیں مجھے غیر معمولی طور پر دلچسپ لگتی تھیں! لیکن خزاں کا موسم نزدیک آتا جارہا تھا اور لگے بندھے روزگار کے بغیر زندگی بسر کرنا ناممکن تھا۔ میں اپنی ان نئی دلچسپیوں میں ایسا کھویا ھوا تھا کہ رفتہ رفتہ کرکے میری کمائی کم ھوتی چلی گئی اور میں اپنی روز کی روٹی کے لئے دوسروں پر بھروسہ کرنے لگا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ دوسرے کی روٹی آسانی سے گلے نہیں اترتی۔ اب وقت آگیا تھا کہ میں جاڑے کے موسم کے لئے کسی ’’جگہ،، کی تلاش کروں۔ مجھے نانبائی واسیلی سیمیونوف کے یہاں ’’جگہ،، مل گئی۔

میں نے اپنی زندگی کے اس حصے کو اپنی مختصر کہانیوں ’’مالک،، ’’کونوالوف،، ’’چھبیس اور ایک،، میں دکھایا ہے۔ بڑا سخت وقت تھا لیکن بڑا سبق آموز۔

میں جسمانی طور پر بہت ھی سخت مصیبت میں تھا اور ذہنی اور اخلاقی طور پر اس سے بھی زیادہ!

جب میں نے نانبائی کے یہاں نوکری کی تو میرے اور ان لوگوں کے درمیان جن کی صحبت اور رہبری اب میرے لئے ضروری بن گئی تھی، ایک دیوار سی کھڑی ھوگئی — ’’بھلاوے کی دیوار،،! ان میں سے کوئی نانبائی کے یہاں مجھہ سے ملنے نہیں آتا تھا۔ مجھے چودہ گھنٹے روز کام کرنا ھوتا تھا اس لئے میں ھفتے والے دن بھی دیرینکوف کے یہاں نہیں جا سکتا تھا اور چھٹی کے دن اپنا وقت وھیں بیکری کے ساتھیوں کے ساتھہ یا سوکر گذارتا تھا۔ ان ساتھیوں میں سے کچھہ نے تو بہت جلد مجھہ کو ایک دلچسپ بیوقوف سمجھنا شروع کردیا اور بعض مجھہ سے ایسی محبت کرنے لگے جیسی محبت بچے

rekhta

اس شخص سے کرتے ہیں جو ان کو مزےدار کہانیاں سنائے ۔ اب یہ تو شیطان ہی جانے کہ میں ان لوگوں سے کیا باتیں اڑایا کرتا تھا لیکن ہاں اپنے بھر تو ان کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ ایک اور قسم کی زندگی کا بھی امکان ہے—— ایک ایسی زندگی جو اتنی بوجھل نہ ہوگی، جس زندگی کا کوئی مقصد اور کوئی جواز ہوگا ۔ کبھی کبھی تو میں اس میں کامیاب بھی ہوجاتا تھا ۔ مجھے ان کے بھربھرائے ہوئے چہروں پر انسانی دکھ کی چمک یکایک دکھائی دے جاتی تھی ۔ آنکھوں میں غصے اور نفرت کی چنگاریاں نظر آجاتی تھیں ۔ مجھے اس سے خوشی ہوتی تھی ۔ فخر محسوس ہوتا تھا کہ میں بھی ’’عوام میں کام کررہا ہوں،،، ان کو ’’روشنی پہنچا رہا ہوں،، ۔

لیکن فطری طور پر زیادہ تر میں ناکامیاب رہتا تھا، معلومات اور علم کی کمی کی وجہ سے میں بہت سے ایسے سوالات کا اطمینان‌بخش جواب نہیں دے پاتا تھا جو زندگی اور میرا ماحول سامنے لاکر کھڑے کردیتے تھے ۔ پھر مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میں ایک گندے چوبچہ میں پڑا ہوں جہاں بہت سے انسان اندھے کیڑوں کی طرح رینگتے اور ٹٹولتے پھرتے ہیں ۔ جہاں لوگوں کی دراصل کوشش یہ رہتی ہے کہ کسی طرح حقیقت کو بھول جائیں اور اس بھلاوے کے لئے وہ شراب اور رنڈیوں کی آغوش کی طرف جھکتے تھے ۔

ہر مہینے جب تنخواہ بٹتی تو رنڈیوں کے یہاں جانا ایک ایسا قاعدہ تھا جو کبھی نہیں ٹوٹتا تھا ۔ اس مسرت بخش دن کے آنے سے ایک ہفتہ پہلے سے لوگ اس خوشی کا خواب دیکھنے لگتے تھے اور وہ بھی باآواز بلند ۔ جو خوشی حاصل ہوتی اس کے متعلق بعد میں تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کیا جاتا ۔ اس گفتگو میں وہ اپنی قوت مردانہ کے متعلق فحش طریقے سے فخر کرتے، بڑی بےدردی سے عورتوں کا مذاق اڑاتے اور ان کا ذکر کرتے وقت تھوکتے جاتے ۔

rekhta

پھر بھی تعجب خیز بات یہ تھی کہ یہ سب جو میں سنتا تھا اس میں سے مجھے شرم اور دکھ کے ایک گہرے احساس کی آواز آتی تھی — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان مقامات کے متعلق، جہاں ایک روبل کے عوض رات بھر کے لئے ایک عورت کا جسم خریدا جا سکتا تھا، میرے ساتھی ہمیشہ شرم اور گھبراہٹ سی محسوس کرتے رہتے تھے اور یہ بات بالکل فطری تھی — بعض اتنا اکڑتے تھے کہ مجھے فوراً پتہ چل جاتا تھا کہ بن رہے ہیں، جھینپ مٹا رہے ہیں، جان بوجھ کر اترا رہے ہیں — ویسے مجھے جنسی تعلقات سے بےحد دلچسپی تھی لہذا میں ان تمام باتوں کو اور بھی گہری نظر سے دیکھتا تھا — اب تک مجھے عورت کی آغوش کا کوئی تجربہ نہ تھا اور میرا مستقل پرہیز مجھے عجیب مصیبت میں مبتلا کئے رہتا تھا — عورتیں بھی اور میرے ساتھی بھی بڑے کمینےپن سے میرا مذاق اڑاتے تھے — جلد ہی میرے ساتھیوں نے ان ''آرام گاہوں،، میں مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دینا بھی چھوڑ دیا — صاف صاف کہتے:

''بھائی، تم ہم لوگوں کے ساتھ نہ آؤ —،،

''کیوں؟،،

''کیونکہ تم ساتھ... آس پاس رہتے ہو تو... ذرا گڑبڑ رہتی ہے — ذرا... ویسا لگتا ہے —،،

میں یہ الفاظ اشتیاق سے سنتا اور یہ سمجھتا کہ وہ مجھے کوئی خاص اہمیت دے رہے ہیں — لیکن کوئی وجہ صاف وہ کبھی نہ بتاتے —

''ارے کیا آدمی ہو بھئی تم! تم سے ایک دفعہ کہدیا مت آؤ ہمارے ساتھ! تم رہتے ہو تو ذرا بور ہو جاتا ہے معاملہ، اکتاہٹ سی ہونے لگتی ہے...،،

صرف ارتیم ایک خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا:

''ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مولوی موجود ہو یا جیسے باپ ساتھ ہو —،،

لڑکیوں نے پہلے تو میری پرہیزگاری کا مذاق اڑایا، پھر برا ماننے لگیں — ایک موٹی سی، دلکش سی پولینڈ کی رہنے والی ''لونڈیا،، تھی جس کا نام تھریسا بوروتا تھا — اس کی عمر کوئی چالیس سال کی رہی ھوگی — ایک قحبہ خانے کی نائکہ تھی — اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کوئی اعلی نسل کا ھوشیار کتا دیکھ رہا ھو — پھر بولی:

''ارے لڑکیو، اس کو ھم لوگ نہیں ستائیں گے — یقیناً اس کی کوئی معشوقہ ھوگی — کیوں، ھے نا؟ ایسا مضبوط گبرو جوان! ضرور اس کی کوئی معشوقہ ھے جو اس کی لگام پکڑے ھوئے ھے ورنہ پھر کیا ھے؟،،

وہ شرابی تھی — کبھی کبھی ٹوٹ کر شراب پیتی تھی اور جب شراب کے نشے میں ھوتی تو ایسی نفرت‌انگیز لگتی کہ کچھ کہنے کو نہیں — لیکن جب سنجیدہ ھوتی تو اس طرح لوگوں کے متعلق غور و فکر کرتی اور ان کے اعمال کو ایسی منطق سے پرکھتی کہ میں حیران رہ جاتا —

میرے ساتھیوں سے کہتی ''یہ جو اکادمی کے طالب علم ھیں ان کو سمجھنا سب سے زیادہ مشکل ھے، ھاں ایسا ھی ھے! یہ لوگ لڑکی کے ساتھ کیا کرتے ھیں: فرش پر صابن ملواتے ھیں اور پھر ایک بالکل ننگی لڑکی کو چاروں ھاتھ پاؤں پر چلاتے ھیں — اس کے ھاتھوں اور گھٹنوں کے نیچے چینی کی پلیٹیں رکھ کر اس کو پیچھے سے ایک دھکا دیتے ھیں کہ دیکھیں کتنی دور تک جاتی ھے — پھر اسی طرح ایک اور لڑکی کے ساتھ، پھر ایک اور لڑکی کے ساتھ — ھاں، بھلا بتاؤ، آخر کیوں؟ معلوم نہیں —،،

میں غصے میں بھر کر چیخا ''یہ جھوٹ ھے! تم جھوٹ بولتی ھو!،،

تھریسا نے بالکل برا نہیں مانا بلکہ سنجیدگی سے بولی ''نہیں،

rekhta

بالکل جھوٹ نہیں بول رہی ہوں ۔،، اس کی سنجیدگی میں رنج اور دکھ کی گھلاوٹ تھی ۔

"یہ سب تم نے خود گڑھا ہے!،،

"لیکن کوئی بھی عورت ایسی بات کیسے گڑھ سکتی ہے یا تم سمجھتے ہو کہ میرا دماغ خراب ہے؟ میں پاگل ہوں؟،، اس نے آنکھیں پھاڑ کر غور سے میری طرف دیکھ کر کہا ۔

چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگ ہماری اس بحث کو دلچسپی سے سن رہے تھے ۔ تھریسا بات کرتی رہی اور ان لوگوں کے کھیلوں کا ذکر اس طرح کرتی رہی جیسے کوئی انسان تمام جذبات سے الگ ہوکر صرف ایک ہی بات کی تلاش میں ہو کہ اس کی سمجھ میں یہ آ جائے کہ ایسا کیوں ہے؟

سننےوالے سن سن کر تھوکتے رہے اور طالب علموں پر لعنتوں کی بوچھار کرتے رہے ۔ لیکن مجھے صرف یہ نظر آرہا تھا کہ تھریسا ان لوگوں کے حق میں کانٹے بو رہی ہے جن سے میں اس قدر محبت کرتا تھا ۔ میں نے جواب دیا کہ طالب علم تو عوام سے محبت کرتے تھے اور عوام کی بھلائی کے خواہاں تھے ۔

"وہ تو وہ طالب علم ہیں واسکریسینسکایا کی گلی والے جو معمولی لوگ ہیں اور یونیورسٹی کے ۔ میں جن کا ذکر کر رہی ہوں وہ مذہبی اکادمی کے طالب علم ہیں، آرسکوئے کے میدان سے آتے ہیں ۔ یہ سب در اصل یتیم ہیں ۔ اور یہ یتیم بڑے ہوکر یقیناً چور اور بدمعاش بنتے ہیں ۔ ان کا اٹھائی گیرا ہو جانا بالکل لازمی اور فطری ہے کیونکہ یہ لوگ لاوارث ٹھہرے، ان کی روک تھام کرنےوالا ہے ہی کون؟،،

طالب علموں کے خلاف اس نائکہ کی ان ٹھنڈے دل سے سنائی ہوئی کہانیوں اور ان طالب علموں، سرکاری کلرکوں اور ان "سفیدپوشوں،، کے خلاف رنڈیوں کی شکائتوں سے میرے ساتھیوں میں نفرت اور کراہت

کے علاوہ ایک اور احساس پیدا ہوا جو ان کو کسی قدر مسرت بھی بخشتا تھا اور جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے تھے :

''اچھا! تو پڑھے لکھے لوگ تو پھر ہم لوگوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے نا!،،

میرے لئے ان باتوں کو سننا سخت کوفت اور تلخی کا باعث تھا — مجھے نظر آنے لگا تھا کہ کھورے اور غلاظت کے گڑھوں کی طرح ان تاریک کمروں میں بھی شہر بھر کی گندگی بہہ کر آتی تھی، بے ہودگی کی دھواں دیتی ہوئی آگ پر ابل کر پکتی تھی اور پھر دشمنی، بغض اور کمینے پن کا یہ ست واپس بہکر شہر میں پھیلتا تھا — ان گھٹے ہوئے بلوں کے اندر جہاں وحشیانہ جذبات اور زندگی کی سختیوں کے مارے ہوئے انسان پناہ لینے کی کوشش کرتے تھے، میں نے بےمعنی باتوں کو محبت کے دکھہ‌درد اور آزمائشوں کے بیان سے بھرے ہوئے گیتوں کے قالب میں ڈھلتے دیکھا — ''تعلیم یافتہ،، لوگوں کی زندگیوں کے متعلق مکروہ افسانوں کو لوگوں کے دماغوں میں بیٹھتے دیکھا — یہ دیکھا کہ لوگ جو کچھہ سمجھتے نہیں ھیں اس کی مخالفت کرتے ھیں اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ھیں — اور مجھہ پر یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یہ ''تفریح گاھیں،، بھی دراصل ایک یونیورسٹی تھیں جن میں میرے ساتھی علم حاصل کرتے تھے —— ایک شدید قسم کا زہریلا اور مہلک علم!

میں ان بازاری عورتوں کو سستی کے ساتھہ گندے فرش پر لوٹ لگاتے غور سے دیکھا کرتا تھا — ان کا تھل تھل، پل پلا، ڈھیلا جسم ایک نفرت‌انگیز طریقے پر تھرتھراتا اور تھرکتا، ساتھہ میں ایک اکارڈین کی زوردار چیخیں مسلسل جاری رہتیں یا کوئی ٹوٹا پھوٹا فرسودہ پیانو اس طرح ریں ریں ٹیں ٹیں کرتا کہ اعصاب کے پرخچے اڑنے لگتے —— اور میرے دماغ میں کچھہ عجیب عجیب، مبہم مبہم مگر پریشان کن خیالات چکر لگانے لگتے — اردگرد کی تمام چیزوں

rekhta

سے بڑی اکتاهٹ هوتی اور بیزار دل میں یه خواهش تڑپنے لگتی که کہیں نه کہیں نکل بھاگوں —

بیکری میں جب میں نے پہلی بار ان لوگوں کا ذکر کیا جو بڑے جوش‌وخروش سے عوام کی خوشحالی اور آزادی کی منزل تلاش کرنے میں گامزن تھے تو اکثر مجھے جواب ملتا که ''اوهو، مگر یه لڑکیاں تو ان کے بارے میں کچھه اور هی سناتی هیں!،،

بڑی بےرحمی سے میرا مذاق اڑایا جاتا، بگڑ بگڑ کر مجھه پر طنز کیا جاتا لیکن میں بھی ایک هی سرکش پلا تھا! مجھے محسوس هوتا که میری بھی سمجھه‌داری کچھه کم نہیں هے اور میری همت ان بڑے کتوں کی سمجھداری اور همت سے بلندتر هے — میں نے یه دیکھا تھا که اگر زندگی گذارنا کوئی آسان بات نہیں تو زندگی کے متعلق سوچنا بھی کوئی معمولی بات نہیں — جن صابر اور شاکر 'لدو بیلوں، کے ساتھه میں کام کرتا تھا، ان کو دیکھه کر کبھی کبھی مجھه پر نفرت کے شدید دورے پڑتے تھے — خاص طور سے جب میں یه دیکھتا که ان میں برداشت کی صلاحیت کس قدر زیاده هے اور کس طرح وه مالک کے شرابی اور نیم‌مجنونانه لہجے کی هتک کو جھیل لیتے هیں تو یه بات میری برداشت سے باهر هو جاتی —

اور ایسا هوا که آزمائش کے ان هی دنوں میں ایک خیال میرے ذهن میں جاگزیں هوا جو میرے لئے بالکل هی نیا اور جدید تھا — ایک خیال جو بنیادی طور پر میری فطرت کے لئے تو بالکل هی نیا اور انوکھا تھا لیکن جس سے مجھے گھبراهٹ بہت هوئی —

وه ایک طوفانی رات تھی — ایک ایسی طوفانی رات جب یوں معلوم هوتا تھا که هوا کے دشمنی بھرے زناٹوں سے آسمان بھی چکنا چور هوگیا هے، اس کے بے شمار ریزے هوگئے هیں اور اب وه سفوف بن کر، چھن چھن کر گررها هے که دنیا کو برف کے بڑے بڑے ڈھیروں تلے دبا دے — ایسی طوفانی رات جب لگتا هے که دنیا اپنی زندگی

rekhta

کے دن پورے کر چکی ہے اور سورج کچھ اس طرح بجھا ہے کہ اب کبھی نہ جلے گا، کبھی نہ اٹھے گا —— میں دیرینکوف کے یہاں سے بیکری کی طرف اپنے ٹھکانے پر جارہا تھا — ہوا میرے منھہ پر طمانچے مار رہی تھی اور میں آنکھیں بند کئے اس سیاہ ابلتے کھولتے طوفان میں سے گذرتا چلا جارہا تھا — یکایک مجھے کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور میں دھڑام سے گرا — ایک آدمی فٹ‌پاتھہ پر آڑا لیٹا ہوا، برف میں پڑا تھا اور میرا پاؤں اسی سے الجھہ گیا تھا — ہم دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت بھیجی —— میں نے روسی زبان میں، اس نے فرانسیسی زبان میں!

''ارے شیطان...،، اس نے فرانسیسی زبان میں کہا — مجھے بڑا عجیب لگا — کھینچ کر میں نے اس کو کھڑا کیا — چھوٹے سے قد کا آدمی، وزن بھی کچھہ نہ تھا — اس نے میرا بازو جھنجھوڑا اور بگڑ کر بولا:

''ارے میری ہیٹ تو دے! دے میری ہیٹ! نہیں تو سردی سے جم کے مرجاؤں گا —،،

مجھے اس کی ہیٹ برف میں دبی ہوئی ملی، جھاڑ کر میں نے اس کی برف صاف کی اور اس آدمی کے برش جیسے سخت بالوں‌والے سر پر جما دی — لیکن اس نے ہیٹ کو نوچ کر الگ کیا اور اسے لہرا لہرا کر، دونوں زبانوں میں گالیاں اور کوسنے دے دے کر مجھہ پر بگڑنے لگا ''نکل جا! دور ہو جا!،،

پھر ایک دم تیر کی طرح آگے دوڑا اور طوفان کے ابال میں کہیں غائب ہوگیا — تھوڑی دیر بعد پھر میری اس سے مڈبھیڑ ہو گئی — اب کی بار وہ سڑک کی ایک بجھی ہوئی لالٹین کے نیچے، اس کے کھمبے سے لپٹا ہوا بڑے جوش و خروش سے کہہ رہا تھا:

''لینا، میں مررہا ہوں... لینا، آہ...،،

ظاہر ہے کہ وہ نشے میں تھا — اگر میں اس کو چھوڑ دیتا تو وہ یقیناً سردی سے اکڑ کر مرجاتا — میں نے اس سے پوچھا کہاں رہتے ہو؟ اس نے آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا:

rekhta

''تو یہ کون سی سڑک ہے؟ ہائے مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جاؤں —''

میں نے اسے اپنے بازو کا سہارا دیا اور ساتھ لے چلتے ہوئے نرمی سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا — اس نے سردی سے کپکپاتے ہوئے، بدبدا کے کہا:

''ارے وہ بولاک — بولاک پر... وہاں جو حمام گھر ہے نا... وہ گھر ہے نا...''

اس کے پاؤں لڑکھڑاتے ہوئے پڑ رہے تھے، ٹھوکریں کھاتا، الٹے سیدھے قدم رکھتا وہ میرا چلنا بھی دو بھر کئے دے رہا تھا — میں اس کے دانتوں کی کٹکٹاہٹ سن رہا تھا —

وہ میری طرف لڑھکتا ہوا فرانسیسی زبان میں بولا ''کاش تمہیں پتہ ہوتا...''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے —''

وہ ٹھٹک گیا اور اپنا ہاتھ اٹھا کر صاف صاف لہجے میں —— اور مجھے ایسا لگا کہ کسی قدر فخر کے ساتھ —— فرانسیسی میں کہنے لگا:

''کاش تمہیں پتہ ہوتا میں جہاں تمہیں لے جا رہا ہوں...''

اس نے اپنی انگلیاں اپنے منھہ میں ٹھونس لیں، لڑکھڑایا اور تقریباً گر پڑا — میں اکڑوں بیٹھ گیا اور اس کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا — جب میں اسے لاد کے جارہا تھا تو وہ اپنی ٹھوڑی کو میری کھوپڑی پر دبا کے پھر بڑبڑایا:

''کاش تمہیں معلوم ہوتا... لیکن میں تو ٹھٹھرا جارہا ہوں! اے میرے خدا...''

جب ہم لوگ بولاک پر پہنچے تو مجھے بار بار اس سے پوچھنا پڑا کہ وہ کہاں رہتا ہے — آخرکار ہم لوگ ایک چھوٹی سی عمارت کے پھاٹک پر پہنچے جو ایک بڑے سے احاطے کے پچھلے حصے میں تھی اور اڑتے ہوئے برف کے زناٹوں کی آڑ میں چھپ گئی تھی — وہ آدمی ٹٹولتا ہوا اندرونی دروازے تک پہنچا اور آہستہ سے دستک دیتے ہوئے میری طرف مڑ کر کہا:

rekhta

''ش ش! آہستہ...،،

ایک عورت نے خاموشی سے دروازہ کھولا — وہ سرخ ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھی — اس کے ہاتھہ میں جلتی ہوئی شمع تھی — چپ چاپ، ایک طرف کو ذرا سا ہٹ کر اس نے ہم لوگوں کو گذر جانے کا راستہ دیا، پھر اپنے ڈریسنگ گاؤن کی کسی تہہ کی جیب میں سے ایک عینک نکالی اور اس کے ذریعہ غور سے میرا معائنہ شروع کردیا — میں نے اس عورت سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اس آدمی کے ہاتھہ ٹھٹھر گئے ہیں — اس کے کپڑے بدل کر اسے جلد بستر میں لٹانے کی ضرورت ہے —

''ہاں؟،، اس نے گونجتی ہوئی جوان آواز میں پوچھا —

''ہاتھوں کو ٹھنڈے پانی میں رکھنا چاہئے...،،

اس عورت نے اسی طرح چپ چاپ اپنی عینک سے کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کردیا — لیکن اس کونے میں صرف لکڑی کا ایک ٹیک رکھا ہوا تھا اور ٹیک پر ایک تصویر رکھی تھی جس میں ایک دریا بنا ہوا تھا اور کچھہ درخت — میں نے حیران ہوکر عورت کے چہرے کو اور قریب سے دیکھا —— چہرہ بڑے ہی عجیب طریقے پر منجمد لگ رہا تھا — پھر وہ مجھہ سے الگ ہٹ کر کمرے کے دوسرے کونے میں چلی گئی جہاں ایک لیمپ جل رہا تھا، جس پر گلابی شیڈ تھا — وہاں بیٹھتے ہوئے اس نے میز پر سے ایک پان کا غلام اٹھایا اور اسے غور سے دیکھنے لگی —

میں نے تقریباً چیخ کر کہا ''آپ کے پاس وادکا ہوگی تھوڑی سی؟،، اس عورت نے کوئی جواب نہیں دیا، نہائت انہماک کے ساتھہ میز پر تاش کے پتے جماتی رہی — وہ آدمی کرسی پر اسی طرح بیٹھا رہا —— سر سینے پر جھکا ہوا تھا، سرخ ہاتھہ بےجان سے ہوکر لٹک رہے تھے — میں نے اسے ایک کوچ پر لٹایا اور اس کے کپڑے اتارنے لگا — کچھہ سمجھہ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے —

rekhta

ایسا محسوس ھوتا تھا جیسے خواب دیکھه رھا ھوں — کوچ کے پاس والی دیوار فوٹوؤں سے اس قدر بھری تھی —— قطار در قطار —— که بالکل ڈھک گئی تھی اور ان قطاروں کے درمیان روشنی ایک سنہری ھار پر پڑ رھی تھی جس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور جو سفید فیتے سے بندھا ھوا لٹک رھا تھا — اس فیتے کے آخری سرے پر سنہری حروف سے چھپا ھوا تھا:

''بے مثال جیلدا کے واسطے،، —

جب میں نے اس آدمی کے ھاتھوں کو ملنا شروع کیا تو وہ کراھنے لگا ''ارے ذرا احتیاط سے، ارے ذرا سنبھال کے! ارے کمبخت، لعنت ھے تجھه پر!،،

عورت اسی طرح کھوئی ھوئی، مکمل خاموشی کے ساتھه تاش جماتی رھی — نوکدار ناک کی وجه سے اس کا چہرہ کچھه چڑیوں کا سا لگتا تھا — بڑی بڑی، ٹھہری ھوئی آنکھیں البته اس چہرے کو روشن کئے ھوئے تھیں — اب اس نے اپنے ھاتھه اٹھائے —— لڑکیوں کے سے ھاتھه —— اور بالوں میں انگلیاں ڈال کر انھیں اوپر کو اٹھا کر بکھرانے لگی — ویسے اس کے بال اس طرح بنے ھوئے تھے که ججوں کے عمامے کی طرح لگتے تھے — اس نے مدھم مگر بہت صاف آواز میں پوچھا:

''ژورژ، کیا میشا سے ملاقات ھوئی؟،،

ژورژ ایکدم اٹھه کے بیٹھه گیا اور مجھے ایک طرف کو دھکیل کر گھبرا کر جلدی سے جواب دیا:

''کیوں، مگر تم کو تو معلوم ھے که وہ کیئف گیا ھے...،،

''ھاں کیئف تو گیا ھے،، عورت نے اس کی بات دوھرائی، نگاھیں برابر تاش پر جمائے رکھیں — اس کی آواز میں کسی جذبے کا شائبه تک نه تھا —

''وہ تو جلد واپس آجائے گا...،،

''ھاں؟،،

rekhta

''ھاں ھاں، بہت جلد —،،

''ھاں؟،، عورت نے پھر کہا —

ژورژ اسی طرح، نیم برہنہ، آدھے کپڑے پہنے ہوئے، صوفے سے اچھلا اور اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کے پیروں کے نزدیک دوزانو ھو کر فرانسیسی میں کچھہ کہا — عورت نے روسی میں جواب دیا :

''میں بالکل نہیں گھبرا رھی ھوں — بالکل مطمئن ھوں —،،

''بات یہ ھوئی کہ میں راستہ بھول گیا — اتنا سخت برفانی طوفان تھا، غضب کی ھوا تھی، میں تو سمجھا کہ جم کر مرجاؤں گا—،،

پھر ژورژ اس عورت کو جلدی جلدی سب حال بتانے لگا اور ساتھہ ھی ساتھہ اس کے گھٹنے پر رکھے ھوئے بے جان سے ھاتھہ کو سہلاتا رھا — اس آدمی کی عمر تقریباً چالیس سال رھی ھوگی، شہابی چہرے پر خوف‌وھراس کی پرچھائیاں تھیں — سیاہ مونچھوں کے نیچے موٹے لبوں پر بھی خوف طاری تھا — گول کھوپڑی پر جو سفید بالوں کے سخت ٹھونٹھہ اگے ھوئے تھے، ان پر وہ باربار ھاتھہ پھیر رھا تھا — اس کا نشہ تیزی سے اتر رھا تھا —

عورت بولی ''ھم لوگ کل کیئف جا رھے ھیں،، —— لہجہ کچھہ اس طرح کا تھا کہ یہ بات سوال بھی ھو سکتی تھی اور حکم بھی —

''ھاں ھاں، ٹھیک ھے — کل جائیں گے — اب تمہیں آرام کرنا چاھئے — سوتیں کیوں نہیں؟ بہت دیر ھو گئی ھے نا...،،

''تو میشا آج نہیں آئے گا؟،،

''نہیں، نہیں — وہ آج کیسے آ سکتا ھے — اتنا سخت تو طوفان ھے — آؤ، اب چلو سوؤ، تمہیں سونا چاھئے...،،

اس نے میز پر سے لیمپ اٹھایا اور عورت کو ایک چھوٹے سے دروازے سے لےچلا — اس دروازے کے آگے ایک کتاب کی الماری آڑ کئے ھوئے تھی — بڑی دیر تک میں اکیلا بیٹھا رھا — دماغ بالکل

rekhta

خالی تھا، دوسرے کمرے سے اس آدمی کی پھنسی ہوئی آواز سنائی دیتی — کھڑکی پر طوفان اپنے بھدے پنجے بھدابھد مار رہا تھا — فرش پر برف کے گھل جانے سے ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا جس میں سے جلتی ہوئی شمع کی روشنی کا عکس آنکھیں جھپکا رہا تھا — کمرہ فرنیچر سے اٹم‌اٹ تھا — ایک عجیب قسم کی گرم خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی جو ذہن کو تھپک کر لوریاں دے رہی تھی اور اس پر نیند کی کیفیت طاری کر رہی تھی —

آخرکار ژورژ واپس آیا، جھومتا ہوا، لیمپ ہاتھہ میں لئے — لیمپ کا شیڈ ہل ہل کر چمنی کے شیشے سے کھٹا کھٹ لگ رہا تھا —

''وہ سو گئیں —،،

لیمپ کو میز پر رکھا اور جیسے خیالات میں کھو گیا — پھر بیچ کمرے میں کھڑا ہوکر میری طرف دیکھے بغیر بولا:

''اچھا، تو پھر کیا کہا جائے — میں تو ختم ہی تھا سمجھو! اگر تم نہ ہوتے تو... شکریہ... مگر تم ہو کون؟،،

وہ ایک طرف کو گردن ٹیڑھی کئے کھڑا تھا جیسے بہت غور سے کوئی بات سن رہا ہو — دوسرے کمرے میں ذرا سی سر سراہٹ بھی ہوتی تو چونک کر اچھل پڑتا —

میں نے بہت آہستہ سے پوچھا ''یہ آپ کی بیوی ہیں؟،،

''ہاں میری بیوی ہیں — میری سب کچھہ ہیں — جو کچھہ بھی میرے لئے زندگی کے معنی ہیں وہ یہی ہیں —،، وہ آہستہ آہستہ مدھم لہجے میں فرش کو تکتا ہوا بولا اور پھر سر کھجانے لگا —

''ہم لوگوں کو چائے پینی چاہئے تھوڑی سی، کیوں؟،،

وہ اسی کھوئے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف چلا — پھر اسے یاد آیا کہ نوکرانی بیمار تھی اور اسپتال بھیجی گئی ہے —

میں نے سماور گرم کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں — اس نے حامی بھرتے ہوئے سر ہلایا اور ظاہر ہے کہ وہ یہ بالکل بھول

rekhta

گیا کہ وہ پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے ہے کیونکہ وہ ننگے ہی پاؤں کیلے فرش پر ہوتا ہوا مجھے اپنے چھوٹے سے باورچی خانے میں لے گیا — یہاں وہ تندور سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور پھر بولا:

''اگر تم نہ ہوتے تو میں ضرور جم جاتا —''

پھر چونک کر خوفزدہ نظروں سے مجھے گھورنے لگا —

''تو پھر اس بیچاری کا کیا ہوتا، کیا ہوتا تب؟ اے پروردگار!''

جلدی جلدی پھسر پھسر بات کرتے وقت اس کی نگاہیں برابر اس تاریک سے موکھے پر جمی ہوئی تھیں جس سے دروازے کا نشان معلوم ہوتا تھا —

''ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے — تم نے دیکھ ہی لیا — ان کے ایک بیٹا تھا — وہ موسیقار تھا ماسکو میں — اس نے خود کشی کرلی — لیکن یہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ گھر واپس آتا ہوگا حالانکہ اب اس بات کو دو سال کے قریب گذر چکے ہیں —''

بعد کو جب ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو وہ باتیں کرتا رہا، کچھ عجب غیر مربوط باتیں، اور وہ بھی اس طرح کے الفاظ میں جو معمولی طور کی بات چیت میں کبھی نہیں سنائی دیتے ——— اور اس نے بیان کیا کہ کس طرح وہ ایک زمیندار گھرانے کی لڑکی تھی، وہ خود تاریخ کا استاد تھا، کس طرح اس کو اس عورت کے لڑکے کے ٹیوٹر کی حیثیت سے رکھا گیا تھا، اسے عورت سے عشق ہو گیا — اس کے واسطے اس عورت نے اپنے شوہر کو چھوڑا جو ایک جرمن نواب تھا — پھر اس عورت نے کس طرح تھیٹروں میں گانا شروع کیا اور وہ دونوں کس قدر خوش تھے حالانکہ پہلے شوہر نے ان کی زندگی میں زہر انڈیلنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا —

جس وقت وہ مجھے یہ سب بتا رہا تھا تو آنکھیں سکیڑے چکٹے باورچی خانے کی تاریک پرچھائیوں میں گھورے جا رہا تھا اور تندور سے قریب جہاں فرش گل گیا تھا وہاں اس کی نظریں جمی ہوئی

rekhta

تھیں — وہ اتنی گرم چائے پی رہا تھا کہ اس کا منھہ جل جل جاتا اور چہرہ اس جلن کے اثر سے سکڑ جاتا تھا — پھر اس کی گول گول آنکھیں گھبراہٹ سے جھپکنے لگتیں —

پھر پوچھنے لگا ''تو تم کون ہو؟ اچھا — ہاں — بیکری میں کام کرتے ہو — یہ تو بڑی عجیب بات ہے — تم تو نانبائی کے یہاں کام کرنے والے بالکل نہیں معلوم ہوتے — یہ ہو کیسے گیا؟ یہ معاملہ کیا ہے؟،،

اس کی آواز میں کچھہ خطرے کا احساس تھا — اور جس نظر سے اس نے مجھے دیکھا اس سے معلوم ہوتا تھا وہ مجھہ پر بھروسہ نہیں کر رہا ہے، جیسے شکار جال میں پھنس گیا ہو —

میں نے نہائت مختصر الفاظ میں اسے اپنی زندگی کے کچھہ حالات سنائے — وہ آہستہ سے بولا:

''اچھا تو یہ بات ہے — ہوں... اب سمجھہ میں آیا... تو یوں ہے بات!،،

پھر یکایک جیسے اس میں جان سی پڑ گئی، پوچھنے لگا:

''وہ کہانی سنی ہے بطخ کے بدصورت بچے کی؟ میں سمجھتا ہوں تم تو وہ کہانی جانتے ہوگے!،،

اس کے چہرے میں کچھہ عجیب سی لرزش تھی — بولتے وقت الفاظ میں غصے کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا — اس کی بھرائی ہوئی آواز بلند ہو کر کچھہ اس طرح چیں چیں کر رہی تھی جو بالکل غیرفطری معلوم ہوتی تھی —

''ایسی کہانیاں سن کر آدمی کو لالچ سی پیدا ہوتی ہے! جب میں تمھارے برابر تھا تو میں بھی اسی طرح کے خواب دیکھا کرتا تھا کہ شائد میں بھی راج ھنس بن جاؤں — خیر... اور... مجھے اکادمی میں پڑھنا چاھئے تھا لیکن اس کے بجائے میں یونیورسٹی میں چلا گیا — میرے والد پادری تھے —— انہوں نے مجھے عاق کر دیا —

rekhta

پھر میں نے پیرس میں انسان کی بدبختیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا —— یعنی ترقی کی تاریخ کا! لکھا بھی — آہ، یہ سب اس قدر...،،

وہ چونکا، ایک پل کان لگا کر سنا، پھر کہنے لگا:

''ترقی! یہ سب باتیں لوگوں نے خود فریبی کے لئے گڑھی ہیں — زندگی میں کہیں کوئی تک نہیں، نہ کوئی منطق ہے — غلامی کے بغیر ترقی کب ہو سکتی ہے! جیسے ہی اکثریت پر اقلیت کی حکومت ختم ہو جائے گی زندگی ٹھپ پڑ جائے گی — جب بھی ہم لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ زندگی آسان‌تر ہو جائے، محنت آسان‌تر ہو جائے تو ہم زندگی کو اور الجھا دیتے ہیں اور اپنے سر پر اور زیادہ محنت لاد لیتے ہیں — فیکٹریاں ہوں، مشینیں ہوں کس لئے؟ اور مشینیں بنانے کے لئے — یہ بھی کیا ہی حماقت کی بات ہے! دنیا میں فیکٹری کے مزدور بڑھتے ہی جاتے ہیں حالانکہ دنیا کو دراصل کسان کی زیادہ ضرورت ہے جو اناج پیدا کرے —— غذا! یہی ایک چیز ہے جو انسان کو اپنی محنت کے ذریعہ فطرت سے چھین لینی ہے — جتنا ہی انسان کم خواہش کریگا اتنا ہی زیادہ خوش رہیگا — زیادہ چاہےگا تو اس کی آزادی اتنی ہی کم ہوگی —،،

ممکن ہے الفاظ بالکل یہی نہ ہوں — لیکن اس کا مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے زوردار اور پراثر خیالات سے یہ میرا پہلا سابقہ تھا — جب اس کی آواز چیں چیں کی کافی بلند سطح پر پہنچ گئی تو وہ ایک دم سے چپ ہو گیا اور دوسرے کمروں میں کھلنے والے دروازے کو غور سے دیکھتے ہوئے کان لگا کر سناٹے میں کچھ سننے لگا — پھر اس نے غصے میں بھری ہوئی پھسر پھسر شروع کی:

''یہ بات اچھی طرح اپنے دماغ میں گھسا لو کہ کسی کو زیادہ کی ضرورت نہیں ہے —— ایک روٹی ہو اور ایک عورت...،،

عورت کے متعلق بات کرتے وقت اس کی آواز نہائت مدھم اور پراسرار ہوگئی، ایسے الفاظ جو میں جانتا نہ تھا، ایسے اشعار جو میں

rekhta

نے کبھی پڑھے تھے، نہ سنے تھے — ایک دم سے وہ بالکل باشکن کی طرح نظر آنے لگا، باشکن چوٹنے کی طرح —

اس نے کچھ نام آہستہ آہستہ لئے: بیٹریچے، فیامیتا، لاؤرا، نینون — میں ان ناموں کو جانتا ہی نہ تھا — اس نے ان بادشاہوں اور شاعروں کا ذکر کیا جنہوں نے دادعشق دی تھی، فرانسیسی اشعار پڑھے اور ساتھ ہی اپنا پتلا بازو گھما گھما کر تال دیتا جاتا تھا — اس کا بازو کہنی تک کھلا ہوا تھا —

مجھے اس کی پھسر پھسر اس طرح سنائی دی جیسے اس پر سرسامی کیفیت طاری ہو ''عشق اور بھوک کا دنیا میں راج ہے —،، مجھے یہ الفاظ معلوم تھے — یہ اس انقلابی کتابچے ''شاہ بھوک،، کے سرورق پر، کتاب کے نام کے نیچے ہی لکھے ہوئے تھے — اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس سے میرے نزدیک ان الفاظ میں خاص وزن اور خاص اہمیت آگئی تھی —

''لوگ بھلاوا چاہتے ہیں، تسکین چاہتے ہیں — علم نہیں —،،

اس خیال نے مجھ کو بالکل ہلا دیا —

جب میں باورچی خانے سے نکلا تو صبح ہورہی تھی — دیوار پر جو چھوٹی سی گھڑی لگی تھی، اس کے حساب سے چھ بج کر کچھ منٹ ہوئے تھے — جمے ہوئے برف سے ہوتا ہوا میں اپنے ٹھکانے کی طرف چلا — چاروں طرف طوفان کا شور اور آہ و بکا کی آوازیں تھیں اور اس آدمی کی غصے سے بھری ہوئی چیں چیں میرے کانوں میں گونج رہی تھی — مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ جو باتیں اس نے کہی تھیں وہ ایک تلخ شراب کا گھونٹ تھیں جو میرے گلے سے نہیں اترتا تھا بلکہ گلے میں پھنس کر میرا دم گھونٹے ڈال رہا تھا — میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ بیکری کو واپس جاؤں یا لوگوں سے ملوں — چنانچہ میرے کندھوں پر چپکتی ہوئی برف کا بوجھ بڑھتا گیا اور میں تاتاری محلے کی گلیوں میں ادھر ادھر مارا پھرتا رہا یہاں تک کہ دن نکل

rekhta

آیا اور برف کی برسات میں شہر کے رہنے والوں کے دھندلے دھندلے خاکے نظر آنے لگے —

تاریخ کے اس معلم سے میری پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی، میں اس سے ملنے کا خواہش مند بھی نہ تھا — لیکن آئندہ زمانے میں مجھے اس طرح کی باتیں باربار سننی پڑیں —— یہی کہ یہ زندگی حماقتوں سے بھری ہے، محنت ایک شے بیکار ہے وغیرہ — یہ باتیں میں نے جاہل اٹھائی گیروں اور بے گھر بےدر گنڈوں سے سنیں، ”تالستائی کے پیروؤں،، سے سنیں، بڑے پڑھے لکھے اور مہذب مردوں اور عورتوں سے سنیں! اس طرح کی گفتگو میں نے ایک مذہبی عالم سے سنی جو علم الٰہی کی سند لے چکے تھے، ایک کیمیاگر سے سنی جو بم بنانے پر تجربات کر رہا تھا اور اور بھی بہت سے لوگوں سے! لیکن ظاہر ہے کہ پختہ عمر میں جب ان خیالات سے تصادم ہوا تو وہ میرے دل‌ودماغ پر وہ اثر نہیں کر سکتے تھے جو اس پہلے تصادم نے کیا — مجھے بالکل چکرا کر رکھ دیا اس نے —

اور یہ ابھی ایک دو سال پہلے کی بات ہے، اس تاریخ کے معلم سے ملنے کے تقریباً تیس سال بعد، میں نے بالکل غیرمتوقع طور پر ان خیالات کو کم‌وبیش ان ہی الفاظ میں اپنے ایک پرانے ساتھی، ایک مزدور کی زبان سے سنا —

ہم دونوں بڑے کھلے دل سے باتیں کر رہے تھے اور یہ آدمی جو بقول اس کے خود ایک بڑا ”سیاسی رہنما،، تھا اداس مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے گفتگو کر رہا تھا — اس نے لگی لپٹی بالکل نہیں رکھی اور اس خلوص اور کھلی طبیعت سے بات کی جو میرے خیال میں روسی لوگوں کی خاص صلاحیت ہے —

”الکسئی میکسیمچ، میرے عزیز دوست، مجھے ان سب باتوں سے کیا لینا —— سائنس، اکادمیاں، یونیورسٹیاں، ہوائی جہاز؟ میں تو بس ایک ایسا گوشہ چاہتا ہوں جہاں مجھے امن نصیب ہو، ایک

rekhta

ایسی عورت ہو کہ میں جس وقت چاہوں اسے پیار کر سکوں اور وہ میرے بوسوں کا ایمانداری سے جواب دے، جسم سے بھی اور روح سے بھی — سمجھے؟ اور تم؟ تم اس طرح منطق چھانٹتے ہو جیسے دانش‌ور کرتے ہیں — اب تم ہم میں سے نہیں رہے — تمہارے وجود میں زہر سمو دیا گیا ہے — اب تو خیالات تم کو ہم بےچارے عوام سے زیادہ عزیز ہیں — تم تو ان یہودیوں کی طرح سوچنے لگے کہ انسان اس لئے پیدا ہوا ہے کہ عبادت کرے! کیوں، ٹھیک ہے نا؟،،

’’لیکن یہودی ایسی کوئی بات نہیں سوچتے...،،

’’وہ کچھ سوچتے ہوں خدا ہی بہتر جانتا ہے! یہ تو قوم ہی ایسی ہے — کٹھن ہے اس کا سمجھنا —،، اس نے اپنا سگریٹ زور سے دریا میں پھینک دیا اور اس کو ڈوبتے ہوئے دیکھنے لگا —

خزاں کی چاندنی رات تھی — ہم دونوں دریائے نیوا کے گھاٹ پر پتھر کی ایک بنچ پر بیٹھے تھے — دن بھر ہم لوگوں پر جذباتی تناؤ طاری رہا تھا اور اب ہم اس سے بالکل تھک چکے تھے — دن بھر ہم اس زوردار اور ناکام خواہش کے تھپیڑے کھاتے رہے کہ کوئی نیک کام، کوئی اچھا کام کریں —

’’تم ہو تو ہمارے ساتھ مگر ہم میں سے نہیں ہو،، اس نے سوچتے ہوئے آہستگی سے کہا — ’’یہ جو دانش‌ور ہوتے ہیں ان کو ہر وقت خیالات میں الجھا رہنا اچھا لگتا ہے — صدیوں سے لیکر اب تک یہ دانش‌ور اپنے آپ کو انقلاب کے ساتھ وابستہ کرتے چلے آئے ہیں — عیسی مسیح کی طرح وہ بھی آدرش وادی تھے اور دوسری دنیا کے لئے بغاوت کر رہے تھے — اسی طرح یہ دانش‌ور ایک خیالی جنت بسا لیتے ہیں اور اس کے واسطے بغاوت کرتے ہیں — پھر ہوتا یہ ہے کہ دنیا بھر کے اٹھائی گیرے گنڈے اور تمام کچرا قسم کے لوگ ان آدرش وادیوں کی دم میں لگ لیتے ہیں — ان کے دل میں محض ایک احساس نفرت ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں کہیں اپنا ٹھکانا

rekhta

نہیں دیکھتے — لیکن جو مزدور ہوتا ہے، محنت کش ہوتا ہے وہ واقعی انقلاب کے لئے بغاوت کرتا ہے — اسے محنت کے ذرایع اور محنت کے پھل کی منصفانہ تقسیم کی ضرورت ہے — کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ مکمل اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھی ریاست کو باقی رکھے گا؟ ہرگز نہیں! سب بکھر کر الگ الگ ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہے گا کہ اس کا اپنا ایک گوشہ ہو جہاں وہ امن چین سے رہ سکے، اپنی ایک الگ زندگی بسر کر سکے...

’’تم کہتے ہو کہ مشینیں ہوں، ٹکنیکل ترقی ہو! لیکن اس سے تو ہمارے گلے میں پڑا ہوا پھانسی کا پھندا اور بھی تنگ ہو جائیگا، ہماری زنجیریں اور بھی مضبوط ہو جائیں گی — ہمیں تو اپنے آپ کو بیکار کی محنت سے بچانا ہے — انسان چاہتا کیا ہے؟ سکون نا؟ اس سائنس اور ان فیکٹریوں سے ہمیں سکون نہیں نصیب ہو سکتا — اکیلے انسان کو زیادہ نہیں چاہئے — اگر میرے لئے ایک چھوٹا سا گوشہ کسی مکان کا کافی ہو سکتا ہے تو میں کیوں شہر کے شہر کھڑے کروں؟ جب لوگ گروہ بنا بنا کر آبادیاں بساتے ہیں تو پھر ان کو پانی بھی چاہئے اور نل بھی چاہئیں، بجلی بھی چاہئے — لیکن اگر ان سب کے بغیر آدمی کام لے جانے کی کوشش کرے تو زندگی کتنی آسان ہو جائے! تم چاہو جو بھی کہو لیکن ہم لوگوں نے بہت سی چیزیں بلاوجہ اپنے سر پر تھوپ لی ہیں اور یہ تمام چیزیں دانش وروں کے دماغ سے نکلی ہیں! اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ دانش ور جو ہوتے ہیں نا یہ نہائت ہی خطرناک قسم ہیں انسانوں کی — ،،

میں نے کہا جس طرح روسی زندگی کو بےمعنی بناتے ہیں اس طرح ڈٹ کر باقاعدہ اور کوئی دوسرا زندگی کو بےمعنی بنانے کا گر نہیں جانتا —

’’یہ لوگ دل کے سب سے آزاد ہیں،، اس نے ہنستے ہوئے کہا

’’ہاں — خفا نہ ہونا، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں — کروڑوں میری

rekhta

طرح سوچتے ھیں — ھاں کہ نہیں پاتے — زندگی کی تعمیر اس طرح ھو کہ اس میں سادگی پیدا ھو — ھاں، تب جا کر یہ زندگی عام لوگوں کو کلیجے سے لگا سکیگی...،،

یہ شخص کبھی بھی ''تالستائی کا پیرو،، نہیں رھا تھا — وہ نراج کے آگے بھی سر نہیں جھکاتا تھا —— میں اس شخص کی روحانی عرفان کی تاریخ خوب جانتا ھوں —

اس سے بات چیت کے بعد میں نے بےاختیار دل میں سوچا: ھاں کیا ھو اگر واقعی کروڑوں روسی محض اس لئے انقلاب کے راستے پر گامزن ھیں کہ ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ امید چھپی ھوئی ھے کہ انقلاب ھوگا تو محنت سے ان کی جان چھوٹیگی؟ کم سے کم محنت —— زیادہ سے زیادہ راحت — واقعی یہ بات دل کو کھینچتی ھے اور حوصلہ بڑھاتی ھے، ان تمام چیزوں کی طرح جن کا وجود نہیں، تمام خیالی جنتوں کی طرح!

اور مجھے ھنری ابسن کی نظم یاد آ گئی:

میں ھوں قدامت پرست؟ ارے نہیں!
میں وھی ھوں جو زندگی بھر رھا ھوں ——
میں بھیس بدلنا نہیں چاھتا
لیکن جی چاھتا ھے کاش میں یہ سارا کھیل بگاڑ سکتا!
صرف ایک انقلاب یاد ھے مجھے
وہ انقلاب باقی تمام انقلابوں سے بہتر تھا —
یہ انقلاب سب کچھہ تباہ کر سکتا تھا
ظاھر ھے میں سوچتا ھوں یہ طوفان نوح ھے
لیکن —— اس وقت شیطان نے منتر پڑھا!
آپ جانتے ھیں —— نوح بن گیا ڈکٹیٹر
اوہ اگر یہ کام اور بھی ایمانداری سے ھو سکے
تو میں آپ کا ھاتھہ بٹانے سے انکار نہیں کروں گا ——
ھاں اٹھاؤ اٹھاؤ طوفان نوح اٹھاؤ،
اور میں تمھاری کشتی ڈبونے کو تیار بیٹھا ھوں —

rekhta

دیرینکوف کی دوکان کی آمدنی بہت ھی کم تھی — اور جن کاموں میں روپیہ کی ضرورت پڑتی تھی، جن لوگوں کو روپیہ کی ضرورت پڑتی تھی، ان کی تعداد بڑھتی جاتی تھی —

اندرئی بار بار کھویا کھویا اپنی داڑھی کھجاتا ''بھئی، ہم لوگوں کو کچھہ سوچنا پڑیگا —،، کھسیائی ہوئی ھنسی ھنستا یا پھر افسردگی کے ساتھہ مسکراکر خاموش ھوجاتا —

مجھے ایسا محسوس ھوتا تھا کہ یہ آدمی اپنے آپ کو ایک ایسا انسان سمجھتا تھا جس کی قسمت میں یہ بدبختی لکھہ دی گئی ھے کہ زندگی بھر بنی نوع انسان کے واسطے محنت شاقہ کیا کرے اور اگرچہ اس نے اپنے آپ کو اس سزا کا عادی بنالیا ھے پھر بھی ایسے لمحات آ ھی جاتے ھیں جب وہ اس بار کو شدت سے محسوس کرتا ھے — میں نے کئی بار گھما پھرا کر اس سے پوچھا:

''آپ یہ سب کس لئے برداشت کرتے ھیں؟،،

ظاھر ھے کہ میری بات کا مطلب اس کے پلے نہیں پڑا کیونکہ وہ ھمیشہ میرے اس سوال ''کس لئے،، کا جواب نہائت کتابی طریقے سے دیتا —— گڑبڑ سڑبڑ — عوام کی پریشان‌حال اور دکھی زندگی کا ذکر کرنے لگتا، روشن خیالی اور علم کی ضرورت کا بیان کرنے لگتا —

''لیکن کیا عوام علم چاھتے ھیں؟ کیا وہ علم کی تلاش میں ھیں؟،، میں پوچھتا —

''یقیناً — ورنہ پھر کیسے ھوگا — تم نہیں چاھتے ھو علم؟،،

ھاں میں تو بےشک چاھتا تھا — لیکن مجھے اس تاریخ کے معلم کی بات یاد آئی ''لوگ بھلاوا چاھتے ھیں، تسکین چاھتے ھیں —— علم نہیں —،،

اس طرح کے تیز و تند خیالات کا سترہ سالہ نوجوانوں سے ٹکرانا برا ھے — ایسی ٹکروں سے یہ خیالات کند ھو جاتے ھیں اور نوجوان کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ھوتا —

rekhta

میں یہ تصور کرنے لگا کہ جیسے مجھے ہر جگہ اور ہمیشہ ایک ہی بات نظر آتی ہے: کہانیاں چاہے کتنی ہی دلچسپ ہوں لیکن عوام دراصل ان کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ ان کے ذریعہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی اس دکھی زندگی کو بھول جاتے تھے جس کے وہ عادی ہوتے تھے — جس داستان میں جتنی ہی زیادہ ہوائی اور خیالی باتیں ہوتی تھیں، من گھڑت چیزیں ہوتی تھیں اتنا ہی زیادہ شوق سے وہ قبول کی جاتی تھیں — وہ کتابیں سب سے زیادہ عوام کی توجہ کو کھینچتی تھیں جن میں حسین من گھڑت باتیں ہوتی تھیں — مختصر یہ کہ میں ایک دم گھونٹ دینے والی کہر میں اندھادھند ٹٹول رہا تھا اور سمجھہ میں آ رہا تھا کہ حقیقت کیا ہے —

دیرینکوف نے ایک بیکری شروع کرنے کا فیصلہ کیا — تخمینہ وغیرہ لگاکے اور باقاعدہ حساب کتاب کرکے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہر بار جب ہم سامان تیار کرینگے تو ہم کو تقریباً تیس فیصدی کا منافع ہوگا — مجھے اس میں بیکری کے مددگار لڑکے کا کام کرنا ہوگا — اور چونکہ میں اسی حلقے میں سے ایک تھا اس لئے اس بات کی نگرانی بھی میرے سپرد کی گئی تھی کہ نان بائی میدہ، انڈے، مکھن یا تیار روٹیاں یا بسکٹ وغیرہ چرا نہ لے —

چنانچہ میری بنیادی حیثیت تو وہی رہی، یعنی بیکری کا کام — لیکن اب میں بڑی دوکان سے ہٹ کر جو گندی تھی، ایک چھوٹی دوکان میں منتقل ہو گیا جو صاف ستھری تھی — اس جگہ کا صاف ستھرا رکھنا بھی میری ہی ذمہ‌داری تھی — اب ایک ایسے کارخانے کے بجائے جہاں چالیس آدمی کام کرتے تھے میرے ساتھہ صرف ایک آدمی کام کرتا تھا — اس آدمی کے بال کنپٹی کے پاس سے پک چکے تھے — چھوٹی سی چگی داڑھی تھی — دبلا سا دھوئیں سے سنولایا ہوا چہرہ — فکر مند سی سیاہ آنکھیں، عجیب سا دہن — چھوٹی مچھلی کی طرح ننھا سا — لیکن موٹے نرم ہونٹ اس طرح سکڑے ہوئے

rekhta

جیسے وہ اپنے تصور میں کسی کا بوسہ لے رہا ہو، اور اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں تمسخر کی چمک تھی —

ظاھر ھے کہ وہ چوری بھی کرتا تھا — پہلی رات جب ھم لوگ بیکری میں کام کر رھے تھے تو اس نے دس انڈے، ڈیڑھ سیر میدہ اور مکھن کا ایک بڑا سا لوندا اٹھا کر الگ رکھ دیا —

’’یہ کس لئے رکھا؟،،

’’ارے یہ ایک ننھی سی لڑکی کے لئے ھے جس سے میری آشنائی ھے،، اس نے خوش‌مزاجی سے جواب دیا اور ماتھا سکوڑ کر بولا ’’ایک پیا... اری سی، چھو... وٹی سی لڑکی کے لئے — ،،

میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ دنیا چوری کو جرم سمجھتی ھے — لیکن میری قوت بیان کا عجز صاف ظاھر ھو گیا یا یہ ھو سکتا ھے کہ جو سچی اور صحیح بات میں اس کو سمجھا رھا تھا اس کا میں خود قائل نہ تھا — بہر حال مختصر یہ کہ میری باتوں کا کوئی اثر نہ ھوا —

گندھے ھوئے آٹے کے بکس پر چت لیٹ کر کھڑکیوں سے ستاروں کو دیکھتا ھوا خفگی کے الفاظ بڑبڑانے لگا:

’’ھونہہ، ذرا دیکھو — وہ مجھے نصیحت کرتا ھے — ابھی پہلی بار مجھ کو دیکھا ھے اور شروع ھو گئے حضرت لکچربازی پر — بھلا میری عمر ان سے تین گنی ٹھہری — کیا خوب! عجیب بات ھے...،،

جب ستاروں کا معائنہ کر چکا تو مجھ سے پوچھا:

’’مجھے ایسا لگتا ھے کہ میں نے پہلے بھی تم کو کہیں دیکھا ھے — تم اس سے پہلے کہاں کام کرتے تھے؟ سیمیونوف کے ھاں؟ جہاں فساد ھوا تھا؟ اچھا — مطلب یہ کہ میں نے تمہیں خواب میں دیکھا ھوگا...،،

چند دن میں میں نے دیکھا کہ یہ شخص جتنا اور جہاں چاھے سو سکتا ھے، ھر پوز میں، ھر حال میں، کھڑا ھے تو کھڑا سو رھا

rekhta

ہے — سوتے میں اس کی بھویں چڑھ جاتیں، چہرہ بدل کر کچھ عجیب سا لگنے لگتا، اس کے چہرے سے ایک عجیب حیرانی کی کیفیت ٹپکتی رہتی — اس کا سب سے من بھاتا موضوع تھا دفینوں اور خوابوں کا قصہ — وہ بڑے یقین سے کہتا:

''میں زمین کے اندر دیکھ سکتا ھوں — پوری زمین بالکل سموسہ ہے سموسہ: دفینوں اور خزانوں سے بھری ھوئی — زر و جواھر کی تھیلیاں، صندوق، نہ جانے کتنی بار کچھ ایسا ھوا — خواب میں دیکھتا کیا ھوں کہ کوئی جانی پہچانی جگہ ہے — مان لو حمام ہے... کونے میں چاندی کے برتنوں سے بھرا ھوا صندوق چم چم چمک رھا ہے — آنکھ کھل گئی — رات کے وقت ھی چل دیا اس جگہ کھدائی کرنے، کوئی ڈیڑھ ھاتھ کھدائی کی ھوگی کہ دیکھتا ھوں سامنے کوئلے میں کتے کی کھوپڑی پڑی ہے — لو دیکھ لو، ذخیرہ ہے! یکایک —— دھڑام! کھڑکی کھلی اور کوئی عورت چیخ رھی ہے ''چور، چور!'' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا — تم جانو پکڑا جاتا تو میرا کچومر نکال دیتے! کتنی عجیب بات ہے!''

میں بار بار یہ لفظ سنتا —— عجیب! لیکن لوتونن ھنستا نہیں، وہ صرف مسکراھٹ بھری آنکھیں سکیڑتا ہے، ناک پر بل ڈالتا ہے، نتھنے پھلاتا ہے —

اس کے خواب بے رنگ ھیں، خود حقیقت کی طرح بے جان اور بے رنگ — اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اپنے خواب اتنے جوش و خروش سے کیوں سناتا ہے اور اس کے چاروں طرف جو حقیقتیں پھیلی ھوئی ھیں، ان کا ذکر بھی اپنی زبان پر لانا نہیں چاھتا؟

یکایک شہر میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی: ایک امیر کبیر چائے کے سوداگر کی لڑکی نے اپنی شادی کے فوراً ھی بعد اپنے پستول مار کر خودکشی کر لی کیونکہ اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کی گئی تھی — شہر بھر میں ھنگامہ برپا ھوگیا — کئی ھزار نوجوانوں

rekhta

کا ایک زبردست جتھا اس کے جنازے میں شریک ھوا اور طالب علموں نے اس کی قبر پر تقریریں کیں — آخرکار پولیس نے زبردستی ان کو منتشر کیا — ھماری چھوٹی سی دوکان میں بھی ھر شخص چیخ چیخ کر اس سانحے پر تبصرہ کر رھا تھا اور دوکان کے پیچھے والا کمرہ جوش میں بھرے ھوئے، بھنائے ھوئے طالب‌علموں سے اٹ گیا تھا — غصے میں بھری ھوئی یہ آوازیں اور زھریلے الفاظ کا یہ بہاؤ نیچے تہہ خانے میں ھم لوگوں تک بھی پہنچ رھا تھا —

لوتونن نے رائے دی ”بچپن میں اس لڑکی کی پٹائی اگر اور زیادہ کی گئی ھوتی تو اس وقت یہ نوبت نہ پہنچتی —،، پھر اسی سانس میں مجھه سے مخاطب ھوا ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کارپ مچھلی کا شکار کھیل رھا ھوں تالاب پر — اور یکایک ایک پولیس‌والا نازل ھوا: ”خبردار، رک جاؤ، تمہیں کیا حق ھے؟،، اور بھاگنے کی جگہ نہیں تھی — اس لئے میں تالاب میں کود پڑا اور ایکدم آنکھه کھل گئی!،،

اگرچہ حقیقت پرستی اس کے ذھن کے کہیں آس پاس پھٹکی بھی نہیں تھی لیکن جلد ھی اس کی سمجھه میں آنے لگا کہ ھماری بیکری کا معاملہ کچھه غیرمعمولی تھا: گاھکوں کو چیزیں وغیرہ ایسی لڑکیاں دیتی تھیں جو اس کام کے لئے بالکل غیر موزوں تھیں، پڑھی لکھی، کتابیں پڑھنے والی لڑکیاں —— ان میں سے ایک تو خود دوکاندار کی بہن ھی تھی اور دوسری اسی بہن کی ایک دوست تھی —— لمبا قد، سرخ سرخ گال، محبت بھری شفیق آنکھیں — روزانہ طالب علموں کا مجمع ھوتا، پچھلے کمرے میں گھنٹوں تک آھستہ آھستہ کھسر پھسر ھوتی یا زور زور سے بحث چلتی رھتی — دوکان‌دار خود شاذ ھی نظر آتا اور میں جو بیکری کا ”چھوکرا،، سمجھا جاتا تھا، کم و بیش مینجر کی حیثیت رکھتا تھا —

لوتونن نے مجھه سے پوچھا ”تم کیا مالک کے رشتے میں کچھه لگتے ھو؟ یا ممکن ھے وہ تمہیں اپنا بھنوئی بنانے کی سوچ رھا

ہو؟ نہیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے — اور یہ سب طالب‌علم یہاں کیوں منڈلاتے رہتے ہیں؟ ان لڑکیوں کی وجہ سے نا... ہوں — مگر یہ جو تمہاری لڑکیاں ہیں یہ دیکھنے میں تو کچھ ایسی خاص ہیں نہیں — میں تو کہوں گا کہ یہ طالب‌علم روٹیاں چٹ کرنے آتے ہیں، لڑکیوں کو خوش کرنے نہیں —،،

تقریباً روزانہ ہی صبح پانچ چھ بجے ایک لڑکی بیکری کی کھڑکی پر آ کر بیٹھ جاتی — اس کی ٹانگیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور جسم ہر طرف کو مختلف زاویوں سے نکلا ہوا تھا جیسے کسی بوری میں چھوٹے چھوٹے خربوزے بھرے ہوئے ہوں — وہ ہماری کھڑکی پر پیر لٹکا کر بیٹھ جاتی اور ٹانگیں ہلا ہلا کر، جمائی لے لے کر آواز دیتی جاتی :

''وانیا، او وانیا!،،

اس کے بال سنہرے اور گھنگھریالے تھے جو سر پر بندھے ہوئے رنگین رومال کے نیچے سے بکھر کر خوب سخت سخت چھلوں کی شکل میں اس کے جھکے ہوئے ماتھے سرخ اور غبارے کی طرح پھولے ہوئے گالوں پر لٹکتے رہتے — نیند سے چندھیائی آنکھوں میں بھی وہ چھلے گھستے چلے جاتے اور وہ ننھے ننھے ہاتھوں سے سستی کے ساتھ انہیں پیچھے کو دھکیلتی جاتی — ساتھ ہی وہ اپنی انگلیوں کو بڑے مضحکہ‌خیز طریقے سے پھیلائے رہتی جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ — میں اکثر یہ سوچ کر حیران ہوتا کہ اس طرح کی لڑکی سے کوئی کیا بات کر سکتا ہے — جب میں اس نانبائی کو جگاتا تو وہ وہیں سے کہتا:

''ہوں، تو یہ تم ہو؟،،

''ہاں، میں ہوں —،،

''سوئیں نا؟،،

''کیوں نہ سوتی؟،،

''کیا خواب دیکھا؟،،

rekhta

’’یاد نہیں...،،

سارا شہر خاموش ہے— لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ بالکل سناٹا بھی نہیں — کسی مہتر کی جھاڑو کہیں سڑا سڑ چل رہی ہے اور چڑیاں جو ابھی جاگی ہیں انہوں نے چہچہانا شروع کردیا ہے— سورج کی نرم گرم شعاعیں اٹھہ اٹھہ کر کھڑکیوں کے شیشوں میں اپنے عکس سے گلے مل رہی ہیں — مجھے یہ خاموش لمحات بہت پسند ہیں جبکہ دن بس شروع ہی ہورہا ہو— نانبائی بالوں سے بھرا ہاتھہ کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھاتا ہے اور پنجہ مار کر لڑکی کی ٹانگیں پکڑ لیتا ہے— وہ بڑی بےپرواہی کے ساتھہ یہ معائنہ کرنے دیتی ہے، مسکراتی تک نہیں — صرف اپنی بھیڑ کی سی آنکھیں کھوکھلے پن سے جھپکاتی رہتی ہے—

’’پیشکوف، اب وہ میٹھی چیزیں نکال لو باہر، ہوگئی ہوں گی!،،

میں لوہے کی کشتیوں کو تندور سے باہر کھینچتا ہوں — وہ نانبائی دس پانچ نان اور کلچے وغیرہ اٹھا لیتا ہے اور ان کو لڑکی کی گود میں پھینک دیتا ہے— وہ جلدی جلدی ندیدے پن سے ایک کلچے کو دونوں ہاتھوں میں الٹتی پلٹتی ہے اور پھر اپنے بھیڑ کے سے پیلے دانت اس میں گڑو دیتی ہے، منھہ جل جاتا ہے، کراہتی ہے اور بے صبری سے ٹھنٹھناتی ہے— نانبائی اس کو پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہتا ہے:

’’اپنا فراک تو نیچے کر، چھنال...،،

جب وہ چلی جاتی ہے تو مجھہ سے بڑے فخر سے کہتا ہے:

’’جیسے بھیڑ کا میمنا! وہ جو موسم بہار میں پیدا ہوتا ہے— تمام گھونگھر ہی گھونگھر— میں اس طرح کی چیز پر بری طرح مرتا ہوں— دراصل میں عورت کو کبھی نہیں اپناتا، صرف لڑکیوں کو کام میں لاتا ہوں— نیکیفورچ کی دینی بیٹی ہے یہ اور میری —— تیرھویں ہے!،،

rekhta

اس کی ان بھڑبھڑیا باتیں سنتے ہوئے میں اپنے آپ سے سوال کرتا ''اور میں؟ کیا میں اسی طرح جیوں گا؟''

میدہ کی جو بڑی بڑی اور سفید ڈبل روٹیاں سیر کے حساب سے بکتی تھیں وہ جیسے ہی تیار ہو جاتیں تو میں دس بارہ عدد ایک کشتی میں رکھه لیتا اور جلدی جلدی قدم اٹھاتا ان کو دیرینکوف کی پرانی دوکان پر پہنچا آتا — جب یہ کام ختم ہو جاتا تو میں ایک تیس سیری ٹوکری میں نان اور کلچے وغیرہ بھرتا اور مذہبی اکادمی کی طرف پھیری کے لئے نکل جاتا تا کہ طالب علموں کے ناشتے کے وقت پہنچ سکوں — میں کھانے کے بڑے سے کمرے کے دروازے کے ذرا اندر چلا جاتا اور وہیں کھڑا طالب علموں کو کلچے وغیرہ دیا کرتا، نقد بھی اور ادھار بھی — اور بڑے اشتیاق سے ان کی بحث سنتا جو تالستائی کے متعلق ہوتی — اکادمی کے پروفیسروں میں ایک شخص گوسیف تھا جو تالستائی کا جانی دشمن تھا اور اس کے خیالات کا سخت مخالف — کبھی کبھی میری ٹوکری میں کلچے وغیرہ کے نیچے کتابیں بھی ہوتی تھیں، چھپا کر کسی طالب علم تک پہونچانے کے لئے — کبھی کبھی یہ لوگ بھی میری ٹوکری میں کتابیں یا چٹھیاں یا پرچے وغیرہ رکھه دیا کرتے تھے —

ہفتے میں ایک بار میں آگے نکل جاتا تھا —— ''پاگل خانے'' کی طرف، جہاں ایک ماہرنفسیات جو نفسیاتی علاج بھی کرتا تھا، لکچر دیا کرتا تھا اور اپنے طالب علموں کے سامنے مریضوں کا معائنہ بھی کرواتا تھا — اس پروفیسر کا نام بیختیریف تھا — ایک دن اس نے طالب علموں کو ایک مریض دکھایا جو اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے کے خبط میں مبتلا تھا — جب یہ مریض لکچر ہال کے دروازے پر آیا تو میں اس کو دیکھه کر مسکرا پڑا —— لمبا آدمی، جسم پر ہسپتال کا سفید لباس، سر پر ایک نائٹ کیپ بانکی رکھی ہوئی، لیکن جب وہ میرے پاس سے گزر کر ہال کی طرف جانے لگا تو پل بھر کے لئے ٹھٹک کر

rekhta

اس نے مجھے گھورا — میں ھچک کر پیچھے ہٹ گیا — ایک دم سے لگا جیسے اس کی تیر سی نگاھوں نے جو کوئلے کی طرح سیاہ مگر پھر بھی دھکتی ھوئی تھیں، میرے دل پر ایک شدید ضرب لگائی — لکچر کے دوران میں بیختیریف تو داڑھی کھجا کھجا کر اس سڑی سودائی سے بڑے احترام کے ساتھہ باتیں کرتے رہے اور میں بار بار اپنے چہرے پر ھاتھہ پھیرتا رہا کیونکہ ایسا محسوس ھو رھا تھا کہ جھلستی ھوئی ریت کی لہر کا ایک طمانچہ کسی نے میرے منھہ پر مار دیا ہے —

وہ شخص ایک عجیب سی آواز میں مسلسل کچھہ مانگے جا رھا تھا — اس کی آواز کھرجدار اور بھاری تھی — دھمکی کے انداز میں اپنا ایک لمبا بے ھنگم ھاتھہ آگے کو بڑھائے ھوئے تھا اور اپنے لبادے کی لمبی آستین سے پتلی ٹیڑھی میڑھی انگلیاں نکالے ھوئے تھا — مجھے اس کا پورا جسم ھی کچھہ عجیب سا لگ رھا تھا جیسے غیرفطری طریقے سے کھنچتا جا رھا ھو اور کھنچ کر، بڑھہ کر لمبا ھوتا جارھا ھو، یہاں تک کہ مجھے یوں لگنے لگا کہ وہ تانبے کے سے پختہ رنگ کا بازو اگر چاہے گا تو کھنچ کر کمرے کے اس سرے سے اس سرے پر پہنچ جائے گا اور میرا گلا دبا دیگا — اس کے ھڈیالے چہرے میں آنکھیں دو تاریک گڑھوں میں بیٹھی ھوئی لگتی تھیں لیکن ان سیاہ آنکھوں کا چھلکا جیسے چھیدے ڈالتا تھا اور ان میں سے تحکم اور دھمکی کے شعلے نکل رہے تھے — بیس پچیس طالب‌علم اس آدمی کو بڑے غور سے دیکھہ رہے تھے اور نہائت توجہ سے اس کا مطالعہ کر رہے تھے —— اس آدمی کا مطالعہ جو مسخروں کی طرح بانکی نائٹ کیپ لگائے ھوئے تھا — چند ایک مسکرا رہے تھے لیکن زیادہ‌تر سنجیدہ تھے اور غوروفکر میں غرق — اس شخص کی شعلہ‌بار آنکھوں کے مقابلے میں ان طالب علموں کی آنکھیں غیرمعمولی طور پر معمولی لگتی تھیں — اور اس کو دیکھہ کر واقعی ڈر لگتا تھا کہ ایک خاص شاھانہ انداز تھا —— واقعی تھا!

rekhta

طالب علموں کی خاموشی اور سنجیدگی کے درمیان پروفیسر کی اونچی آواز صاف سنائی دیتی — جب وہ کوئی سوال پوچھتے تو اس مریض کی بے جان آواز چیخنے لگتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ یا تو فرش کے نیچے سے کہیں سے آواز آرہی ہے یا بند دیواروں کے پیچھے سے کہیں سے آرہی ہے — اس سودائی کے حرکات وسکنات آہستگی کے ساتھ ہوتے تھے اور ایسے وقار کے ساتھ جیسے وہ کوئی بہت بڑا پادری ہو —

اس رات میں نے اس شخص پر شعر کہے جن میں اس کو ”ملک الملوک، ندیم و مشیر پروردگار“ لکھا — بہت عرصے تک وہ میرے خیالات پر چھایا رہا جس کی وجہ سے زندگی اجیرن ہوگئی تھی —

چونکہ شام کے چھ بجے سے اگلے دن دوپہر تک میں مصروف رہتا تھا اس لئے سہ پہر کے وقت سوتا تھا، چنانچہ پڑھنے کے لئے کوئی وقت نہیں ملتا تھا — کام کے درمیان جو فرصت ہوتی تھی بس وہی ہوتی تھی جیسے ایک گھان کا آٹا گوندھا جا چکا ہے، دوسرے کا ابھی خمیر نہیں اٹھا ہے اور تندور میں روٹیاں لگی ہیں —— تو یہ بیچ کا وقت مل جاتا تھا — جیسے جیسے مجھے اس کاروبار کے کام کاج کا پتہ چلتا گیا اور اس کے راز معلوم ہوتے گئے، ویسے ویسے نانبائی نے اپنا کام گھٹانا شروع کیا اور زیادہ‌تر محنت کا کام میرے سر تھوپنے لگا — اور بہانہ یہ کرتا کہ ”کام سکھا“ رہا ہے — بڑی محبت سے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہتا:

”تم تو بڑے قابل ہو — ایک دو سال میں تو پورے نانبائی ہو جاؤ گے — عجیب بات ہے! تمہارا جیسا چھوکرا —— بھلا کون تمہاری بات سنے گا اور کون تمہارا رعب مانے گا —“

مجھے کتابوں کا جو شوق تھا وہ اسے پسند نہ تھا — اکثر بڑی خیرخواہی سے رائے دیتا:

rekhta

”ارے چھوڑو پڑھنا وڑھنا — ذرا دیر سو رہو نا —“ لیکن اس نے مجھ سے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ جو کتابیں میں پڑھتا تھا، ان میں تھا کیا؟

وہ خود تو اس قدر اپنے خوابوں، مدفون خزانوں اور اپنی چھوٹی ٹانگوں والی پھلکیا معشوقہ میں کھویا رہتا تھا کہ کیا کہی جائے! یہ لڑکی اکثر رات کو بھی آتی اور وہ اسے گلیارے میں لے جاتا جہاں میدے کی بوریاں رکھی رہتی تھیں — یا اگر سردی ہوتی تو پیشانی پر بل ڈال کر مجھ سے درخواست کرتا:

”ذرا آدھ گھنٹے کے لئے باہر چلے جاؤ، بھئی!“

میں باہر نکل جاتا اور اس بات پر غور کرتا جاتا کہ کتابوں میں جس عشق کا حال بیان کیا جاتا ہے اس میں اور اس عشق میں کس قدر بھیانک قسم کا فرق ہے —

میرے مالک کی بہن دوکان کے پچھلے والے چھوٹے کمرے میں رہتی تھی — میں برابر اس کے واسطے سماور گرم کیا کرتا تھا لیکن اس سے ملتا بہت کم تھا کیونکہ اس کو دیکھ کر مجھے گھبراہٹ سی ہوتی تھی — اس کی معصوم آنکھیں بالکل اسی ناقابل برداشت طریقے سے مجھ کو گھورتیں جیسے پہلی ملاقات میں گھورا تھا — اور مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ ان آنکھوں کی گہرائیوں میں کہیں کوئی مسکراہٹ چھپی ہوئی ہے جو میرا مذاق اڑا رہی ہے —

دراصل میری بے پناہ جسمانی طاقت میرے لئے ایک مصیبت بن گئی تھی — جب میں میدے کی من من بھر کی بوریاں اٹھاتا تو نانبائی بڑے رحمدلی کے انداز میں کہتا:

”تم میں تو تین آدمیوں کی طاقت ہے مگر ذرا بے ڈھنگے ہو! بیل کی طرح لگتے ہو کیونکہ گھامڑ ہو نا —“

اس وقت تک میں کافی مطالعہ کر چکا تھا — شعر سے مجھے دلچسپی تھی، خود بھی شعر گھسیٹتا تھا لیکن بات چیت میں کتابی

rekhta

الفاظ کی جگہ میں نے اپنے الفاظ کا ھی استعمال جاری رکھا تھا — میں جانتا تھا کہ یہ الفاظ کھردرے اور بھاری ھیں — لیکن مجھے یہ محسوس ھوتا تھا کہ یہی اور صرف یہی الفاظ میرے خیالات کے الجھاؤ کو پوری طرح زبان دے سکتے ھیں، بیان کر سکتے ھیں — کبھی کبھی میں کسی بات کے خلاف احتجاج کرتے وقت غصہ اور سخت کلامی کرتا — کس بات کے خلاف سچ مچ احتجاج کرتا تھا یہ اب کہہ نہیں سکتا — بس کوئی ایسی بات ھوتی تھی جو جانی پہچانی نہیں لگتی تھی، انوکھی لگتی تھی اور جس کی وجہ سے میں قابو سے باھر ھو جاتا تھا —

میرے استادوں میں سے ایک نے جو ریاضی کے طالب‌علم تھے، اس سلسلے میں مجھے فہمائش کی تھی:

"افوہ —— تم بات کرتے ھو، شیطان کی مار — بات کرتے ھو کہ لوھے کے باٹ اٹھا اٹھا کر مارتے ھو!"

غرضیکہ فی الجملہ، جیسا کہ عنفوان شباب میں ھوتا ھے، میں اپنے آپ سے غیرمطمئن تھا، اپنے آپ کو مضحکہ‌خیز اور گنوار سمجھتا تھا — پھر میری صورت بھی ایک مسئلہ تھی، گالوں کی ابھری ھوئی ھڈیاں، کالمکوں کی طرح، اور میری آواز جو بالکل قابو سے باھر تھی —

اس کے برخلاف میرے مالک کی بہن پھرتیلی اور سبک خرام تھی جیسے کوئی اڑتی ھوئی ابابیل! لیکن مجھے ھمیشہ ایسا محسوس ھوتا تھا کہ اس کا پھرتیلاپن اس کے گدبدے گول مٹول چھوٹے سے جسم سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا — اس کے حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں کچھ ایسی بات تھی جو لگتا تھا اصلی نہیں ھے بلکہ جان بوجھ کر کی جارھی ھے — اس کی آواز مسرت‌انگیز تھی، اکثر وہ ھنستی تھی لیکن اس کی ھنسی سن کر مجھے معلوم ھوتا کہ اس کی کوشش یہ ھے کہ میں اس کی وہ حالت بھول جاؤں جس میں میں نے اسے پہلی ملاقات میں دیکھا تھا — اور میں اس کیفیت کو بھولنا نہیں

rekhta

چاهتا تها — میرے لئے هر وه نقش اهم اور قیمتی تها جو غیر معمولی تها کیونکه مجهے ایک خاص شوق یه تها که غیرمعمولی حالات کے امکانات دیکهه سکوں!

کبهی کبهی وه پوچهتی:

''آج کل آپ کیا پڑهه رهے هیں؟،،

میں بہت مختصر جواب دے دیتا حالانکه الٹ کر پوچهنے کو بےساخته جی چاهتا که ''میرے پڑهنے سے آپ کو کیا تعلق؟،،

ایک رات نانبائی نے کچهه نشے کے عالم میں اپنی محبوبه کو پیار کرتے هوئے مجهه سے کہا:

''ذرا باهر چلے جاؤ — ارے تم جا کر مالک کی بہن سے کیوں نہیں دل بہلاتے — ایسا موقع هاتهه سے جانے دے رهے هو کیوں؟ آخر وه طالب‌علم لوگ بهی تو...،،

میں نے اس سے کہا که اگر اب اس نے ایسی بات کہی تو لوهے کے باٹ سے اس کی کهوپڑی چٹخا دوں گا! پهر میں گلیارے میں میدے کی بوریوں پر بیٹهه گیا — اکهڑے هوئے دروازے میں سے نانبائی کی آواز مجهے سنائی دے رهی تهی:

''میں کیوں خفا هوں؟ سارے دن کتابیں چاٹنے کا یہی نتیجه هوتا هے — بیچاره مارا پهرتا هے سڑی سودائی کی طرح!،،

گلیارے میں چوهے ادهر سے ادهر سر سر کرتے بهاگتے پهر رهے تهے، بیکری سے لڑکی کے کراهنے اور آهیں بهرنے کی آوازیں آرهی تهیں — میں اٹهه کر باهر احاطے میں چلا گیا — نهائت لطیف قسم کی پهوار آهسته آهسته تقریباً خاموشی کے ساتهه گر رهی تهی — لیکن هوا کی گهٹن اس سے کم نہیں هو رهی تهی، کہیں سے جلنے کی بو آرهی تهی — غالباً کہیں جنگلوں میں آگ لگ گئی تهی — آدهی رات گذر چکی تهی — بیکری کے سامنے مکان کی کهڑکیاں کهلی هوئی تهیں اور کمروں کی نیم تاریکی سے ایک گیت لهراتا هوا نکل رها تها:

rekhta

گئے گذرے زمانے کا وارلامی
جس کے سر پر ہے سونے کا ہالہ
اپنی امت کو ہے مسکرا دیکھتا...

میں نے اپنے تصور میں دیکھا کہ ماریا دیرینکووا اسی طرح میرے گھٹنے پرسر رکھے لیٹی ہے جیسے نانبائی کی معشوقہ اس کے گھٹنے پر رکھے تھی — اور میرے جسم کے ہر رگ‌وریشے نے صدا دی کہ یہ ناممکن ہے، اس خیال ہی سے وحشت ہوتی تھی —

صبح سے شام تلک
معبود ازل کا یہ پیارا
ہاتھہ میں پیالہ، لب پر نغمہ
ارے ہاں اور نہیں تو کیا
رحمت کا کاروبار چلاتا ہے
ارے ہاں —

کئی آوازوں کے درمیان ایک گہری، رسیلی، بھاری شوخ آواز باربار ''ارے ہاں'' کو دوہراتی جاتی تھی — میں اپنے ہاتھہ گھٹنوں پر جما کر آگے کو جھکا کہ کھڑکی میں سے دیکھہ سکوں — ریشم کے جالی دار پردے میں سے مجھے تہہ‌خانے میں بنا ہوا ایک چوکور کمرہ نظر آیا جس میں ایک لیمپ جل رہا تھا — لیمپ پر نیلے رنگ کا شیڈ لگا ہوا تھا — اس لیمپ کے سامنے، کھڑکی کی طرف منھہ کئے، ایک لڑکی بیٹھی لکھہ رہی تھی — کبھی کبھی وہ سر اٹھاتی اور پیشانی پر سے ایک لٹ کو سرخ قلم کے سرے سے پیچھے کو کھسکاتی — اس کی آنکھیں کچھہ کچھہ بند تھیں، چہرے پر مسکراہٹ کی تابناکی تھی — اس نے آہستہ آہستہ اطمینان سے خط کو تہہ کیا، لفافے کے سرے پر لب لگایا اور بند کیا — پھر خط کو میز پر پھینک کر اس کو ایک انگلی دکھائی جیسے خبردار کر رہی ہو — اس کی کلمے کی

rekhta

انگلی میری چھنگلیا سے چھوٹی تھی — لیکن پھر اس نے اس نامے کو اٹھایا، تیوری پر بل آئے، لفافے کو پھاڑ کر خط نکالا، شروع سے آخر تک پڑھا، دوسرے لفافے میں رکھہ کر بند کیا اور میز پر جھک کر پتہ لکھا — پھر وہ خط کو سکھانے کے لئے ہوا میں لہرانے لگی جیسے صلح کا سفید جھنڈا ہلایا جا رہا ہو — لچک کر کھڑی ہوگئی اور تالی بجاتی، تھرکتی، کمرے کے دوسرے کونے میں پلنگ پر جاکر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی — جب وہ پھر نظر آئی تو بلاؤز اتار چکی تھی، اس کے کندھے خوب گول اور گداز تھے، اس نے میز پر سے لیمپ اٹھایا اور پھر کونے میں غائب ہو گئی — اگر کوئی انسان اپنے آپ کو اکیلا سمجھہ رہا ہو تو دیکھنے والے کو اس کی اس وقت کی حرکتیں عجب مجنونانہ نظر آتی ہیں — احاطے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی جب اپنے کمرے میں اکیلی رہتی ہے تو کتنی عجیب زندگی بسر کرتی ہے —

لیکن جب وہ ریتیلے رنگ کے بالوں والا طالب علم اس سے ملنے آتا تھا اور بیٹھا بیٹھا نہ جانے کن باتوں کے متعلق گفتگو کرتا رہتا، بالکل مدھم لہجے میں جیسے کانا پھوسی کررہا ہو، تو یہ لڑکی جیسے اپنے خول کے اندر سکڑ جاتی تھی اور معمول سے زیادہ مختصر نظر آنے لگتی تھی — لجا لجاکے وہ اس کی طرف دیکھتی اور اپنے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے یا میز کے نیچے چھپا لیتی — مجھے وہ برا لگتا تھا — وہ ریتیلے بالوں والا طالب علم — بہت ہی برا لگتا تھا —

نانبائی کی معشوقہ لڑھکتی لڑکھڑاتی، شال میں گٹھری بنی ہوئی نکلی اور مجھہ سے مخاطب ہوکر غرائی:

"اب جاؤ اندر..."

نانبائی گندھے ہوئے آٹے کو پٹرے پر رکھتے ہوئے اپنی معشوقہ کی بڑائیاں کرنے لگا اور اس کی انتھک قوت‌برداشت کو سراہنے لگا — لیکن میں کھڑا کھڑا یہی سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا:

"آخر میں کدھر کو جا رہا ہوں؟"

rekhta

اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کہیں بہت ہی قریب، دیوار کی آڑ ہی میں بدقسمتی میرا انتظار کر رہی ہے۔

بیکری اتنی اچھی چل رہی تھی کہ دیرینکوف نے ایک بڑے مکان کی تلاش شروع کردی تھی اور یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ ایک اور نوکر رکھہ لیا جائے — یہ ٹھیک بھی تھا اور بہتر بھی کیونکہ میرے سر پر بہت بار آپڑا تھا اور میں تھکن سے بدحواس ہو ہو جاتا تھا —

نانبائی نے مجھہ سے وعدہ کیا ’’تم اس نئی جگہ سینیئر مددگار ہوگے — میں سفارش کردوں گا کہ یہ لوگ تمہاری تنخواہ دس روبل تک بڑھا دیں — ایسا تو ہونا ہی چاہئے —،،

لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مجھے سینیئر مددگار بنانے کی فکر میں کیوں ہے — اس کو محنت کرنے سے نفرت تھی اور میں جی لگا کر کام کرتا تھا — میرے لئے تھکن ویسے بھی مفید تھی کیونکہ اس سے میرا ذہنی الجھاؤ کسی قدر گھٹ جاتا تھا اور بڑھتی ہوئی جنسی خواہش کا مطالبہ دب جاتا تھا — لیکن یہ بھی تھا کہ تھکن کی وجہ سے پڑھائی بالکل نہیں ہو سکتی تھی —

نانبائی کہتا ’’اچھا ہوا جو تم نے اپنی ان کمبخت کتابوں کو چھوڑ دیا —— چوہوں کا کھاجا ہیں وہ تو! اور کسی کام کی تھوڑا ہی ہیں — بس یہ بات البتہ ہے کہ تم کیا سچ مچ کبھی خواب نہیں دیکھتے؟ دیکھتے تو ضرور ہوگے، پر تم ذرا منھہ بند ہو — عجیب بات ہے — کیوں؟ آخر خواب بیان کرنے میں ہرج ہی کیا ہے — اس سے کسی کا بگڑتا ہی کیا ہے!،،

وہ ہمیشہ بہت دوستانہ موڈ میں رہتا تھا بلکہ ایسا بھی لگتا تھا جیسے وہ میرا احترام کرتا ہو — یا ہو سکتا ہے وہ خوف زدہ ہو کیونکہ میں مالک کا خاص آدمی تھا حالانکہ پھر بھی وہ باقاعدہ روزانہ چوری کرنے سے کبھی باز نہیں آیا —

rekhta

نانی اماں کا انتقال ہو گیا — ان کے دفن ہونے کے سات ہفتے بعد مجھے خط ملا — اپنے ماموں زاد بھائیوں میں سے ایک کا خط جس نے مجھے نانی اماں کے انتقال کی خبر دی — اس چھوٹے سے خط نے مجھ سے نانی اماں کی موت کی داستان بیان کی کہ وہ بھیک مانگتے مانگتے گرجا گھر کے برامدے سے گر پڑی تھیں اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی — آٹھ دن بعد اسی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں زہر پھیل گیا — بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ میرے دو ہٹے کٹے ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن مع اپنے بچوں کے، یہ سب نانی اماں پر ڈھئی دئے بیٹھے تھے اور ان کی مانگی ہوئی بھیک سے گذر کرتے تھے — لیکن ان کمبختوں میں سے کسی کو اتنی عقل نہ آئی کہ نانی اماں کے لئے ڈاکٹر کو بلا لیتے — میرے ماموں زاد بھائی نے لکھا :

”ہم لوگوں نے ان کو پیتروپاولوفسک کے قبرستان میں دفن کیا جہاں ہمارے خاندان کے تمام لوگ دفن ہیں — ہم لوگوں کے علاوہ جنازے میں بےشمار فقیر بھی شامل تھے کیونکہ وہ سب نانی اماں سے محبت کرتے تھے اور وہ لوگ رو رہے تھے — نانا ابا بھی روئے — انہوں نے ہم لوگوں کو وہاں سے بھگا دیا اور اکیلے ان کی قبر پر رہے — ہم لوگوں نے جھاڑیوں میں سے دیکھا تو وہ بھی بے تحاشا رو رہے تھے — اب وہ بھی جلد ہی مر جائیں گے، بچیں گے نہیں —“

میں نہیں رویا، لیکن مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ مجھے محسوس ہوا تھا کہ جیسے یخ بستہ سرد ہوا نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور میرا سارا وجود سرد ٹھٹھرا جا رہا ہے — اس رات جب میں احاطے میں لکڑی کے ڈھیر پر بیٹھا تھا تو میرے دل میں قیامت کی ہوک اٹھ رہی تھی کہ کوئی ایسا ہوتا جس سے میں نانی اماں کا ذکر کرتا، ان کے متعلق بات کرتا اور اس کو بتاتا کہ میری نانی اماں کس قدر عقلمند اور کتنی نیک دل تھیں، کس طرح وہ سب کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی تھیں — بڑی مدت تک اس ارمان کا بوجھ

rekhta

دل میں لئے میں مارا مارا پھرا لیکن کوئی ایسا نہ ملا جس سے بات کرکے دل کو ھلکا کرتا — آخرکار سکون پائے بغیر ھی وہ آگ رفتہ رفتہ خود ھی جل بجھہ کر راکھہ بن گئی —

کئی سال بعد یہ زمانہ مجھے پھر یاد آیا جب میں نے چیخوف کی معرکہ‌آرا اور حقیقی کہانی پڑھی جس میں ایک کوچوان ھے جو اپنے بیٹے کی موت کا ذکر اپنے گھوڑے سے کرتا رھتا ھے اور یوں دل کا بوجھہ ھلکا کرتا ھے — اور مجھے اس بات کا افسوس ھوا کہ اس تلخ اور شدید غم کے زمانے میں میرے پاس تو کوئی گھوڑا بھی نہیں تھا، کوئی کتا بھی نہیں تھا جس کو میں اپنے غم کی کہانی سناتا — افسوس ھے کہ مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اپنے دکھہ کا حال میں چوھوں کو سناتا — چوھے تو بیکری میں بہت تھے اور میری ان سے بنتی بھی بہت تھی —

پولیس‌والا نیکیفوروچ عقاب کی طرح میرے چاروں طرف منڈلانے لگا — وہ مضبوط گٹھے ھوئے جسم کا آدمی تھا، چھوٹے چھوٹے ترشے ھوئے روپہلے بال، پھیلی ھوئی داڑھی برابر سے ستھری کٹی ھوئی اور اس میں سلیقے سے کنگھی کی ھوئی — وہ اس طرح مجھے تاکا کرتا جیسا کرسمس پر ذبح ھونے والی، موٹی تازی چربیلی بطخ کو کوئی لالچی نظروں سے دیکھے —

''میں نے سنا ھے تم پڑھنے کے شوقین ھو،، وہ شروع کرتا — ''تو پھر کس قسم کی کتابیں پڑھتے ھو تم، بائبل یا ولیوں کی زندگی سے متعلق ھوگی کتاب؟ کیوں؟،،

ظاھر ھے کہ میں بائبل اور ولیوں کی زندگی کے متعلق کتاب وغیرہ سے تو واقف تھا ھی — نیکیفوروچ کو اس پر تعجب ھوا اور کسی قدر مایوسی —

''ھوں — یہ صحیح قسم کی پڑھائی تو خیر قانونی بھی ھے! اور کونٹ تالستائی؟ کبھی اس کی لکھی ھوئی چیزیں بھی پڑھی ھیں؟،،

rekhta

میں نے تالستائی کو بھی پڑھا تو تھا — لیکن یہ پتہ چلا کہ وہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں جن سے اس پولیس‌والے کو دلچسپی تھی —

''کیا بس کل یہی پڑھا ہے تم نے —— یہ تو معمولی چیزیں ہیں جیسی سب ہی لکھتے ہیں — مگر نہیں — وہ ایک دوسری قسم کی چیزیں بھی تو لکھ رہا ہے جس کے متعلق لوگوں میں بڑا غوغا مچا ہوا ہے — ان چیزوں میں اس نے پادریوں کی بڑی مخالفت کی ہے — وہ ہوں گی پڑھنے کے لائق —،،

میں نے یہ ''دوسری قسم کی چیزیں،، بھی پڑھی تھیں لیکن مجھے یہ کسی قدر پھیکی لگی تھیں اور پھر یہ بھی مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسی چیزیں نہیں تھیں جن کے متعلق پولیس‌والوں سے تبادلہ‌خیالات کیا جائے —

پہلے تو گلی میں آتے جاتے اس طرح کی مختصر بات ہوتی رہی، پھر ان بڑے میاں نے مجھے اپنی ''کوٹھری،، میں آنے کی دعوت دینی شروع کی — ویسے تو میں سمجھ گیا کہ وہ دراصل کس بات کی تلاش میں ہے لیکن پھر بھی میرا دل چاہتا تھا کہ جاکے دیکھوں تو سہی — میں نے اپنے ساتھیوں سے صلاح کی اور فیصلہ یہ ہوا کہ پولیس والے کی اس فیاضی کو ٹھکرا دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اس بیکری اور یہاں آنےجانےوالوں پر زیادہ شبہ کی نظر رکھےگا —

لہذا میں نیکیفورچ کی ''کوٹھری،، میں پہنچا — نیچے اور تنگ کمرے کا تقریباً ایک تہائی حصہ تو روسی تندور سے گھرا ہوا ہے — ایک تہائی میں ایک دوہری مسہری بچھی ہے، جس کے آگے تکمےدار سوتی پردہ پڑا ہوا ہے — پلنگ پر بہت سے تکیوں کا ڈھیر ہے جن پر چمکدار سرخ غلاف چڑھے ہوئے ہیں، باقی جگہ میں ایک الماری، ایک میز، دو کرسیاں اور چھوٹی سی کھڑکی کے پاس ایک لکڑی کا بنچ — نیکیفورچ یونیفارم کے جاکٹ کے بٹن کھولے ہوئے بنچ پر بیٹھا ہے اور اس کی پیٹھ سے پوری کھڑکی چھپ گئی ہے — میں اس کے

rekhta

سامنے منھہ کئے میز کے اس طرف، اس کی بیوی کے پاس بیٹھا ہوں ـ اس کی بیوی کی عمر کوئی بیس سال کی ہے، نوجوان عورت ہے، بھاری بھاری گول گول چھاتیاں، سرخ سرخ گال، نیلی مائل بھوری آنکھیں جن سے ایک عجیب قسم کی شرارت اور حقارت ٹپکتی ہے ـ چمکتے ہوئے سرخ ہونٹ، تریاہٹ سے مڑے ہوئے اور آواز میں خفگی کی خشکی ـ

پولیس والا کہتا ہے ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری دینی بیٹی ــــ سیکلیتیا ــــ تمہاری بیکری کے آس پاس منڈلاتی رہتی ہے ـ آوارہ چھوکری ہے، کمینی! ساری عورتیں کمینی ہوتی ہیں ـ“

”سب عورتیں؟“، اس کی بیوی پوچھتی ہے ـ

”ہر ایک ـ“، نیکیفورچ اپنی بات پر زور دیتا ہے اور سینے پر لگے ہوئے تمغوں کو یوں جھنجھنا دیتا ہے جیسے کوئی ٹھہرا ہوا گھوڑا اپنا ساز جھنجھنا دے ـ طشتری سے چائے کا ایک گھونٹ سڑپتا ہے اور مزے مزے میں کہتا جاتا ہے :

”کمینی اور آوارہ، سڑک پر پھرنے والی رنڈی سے لے کر محل میں رہنے والی رانیوں تک ـ ملکہ صبا نے صحراؤں اور بیابانوں میں پندرہ سو میل کا سفر کیا تھا ــــ شاہ سلیمان سے ملنے کے لئے ــــ آوارگی کے ہی سلسلے میں تو ـ اور ہماری زارینہ ایکاتیرینا بھی ـ ویسے لوگ ان کو چاہے معظمہ کہیں لیکن...“

اور پھر وہ بڑی تفصیل کے ساتھہ محل کے ایک معمولی نوکر کا قصہ بیان کرتا ہے جو ایک رات زارینہ کے ساتھہ گذارنے کے بعد فوج کے تمام عہدوں کو پھلانگ کر معمولی سپاہی سے ایک دم جنرل ہو گیا ـ اس کی بیوی غور سے داستان سنتے ہوئے کبھی کبھی اپنے ہونٹ چاٹتی ہے اور میز کے نیچے سے میرے پاؤں میں اپنا پاؤں پھنسا دیتی ہے ـ نیکیفورچ بڑے ستھرے انداز میں برابر چٹخارے لے لے کر بات کرتا جاتا ہے ـ وہ یکایک گفتگو کا موضوع بدل دیتا ہے اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں چلتا :

rekhta

''اب مثلاً ھماری ھی گلی میں ایک طالب علم رھتا ھے، یونیورسٹی کے پھلے سال میں ھے وہ — اس کا نام پلیتنیوف ھے —''

بیوی ٹھنڈی سانس بھر کر ٹکڑا لگاتی ھے:

''خوب صورت تو نہیں مگر اچھا ھے!''

''کون اچھا ھے؟'' نیکیفورچ نے پوچھا —

''مسٹر پلیتنیوف —''

''پھلی بات تو یہ ھے کہ اس 'مسٹر' کے دم چھلے کو الگ کرو — مسٹر تو وہ جب بنے گا جب کچھه لکھه پڑھ لے گا — ابھی تو وہ معمولی طالب علم ھے جیسے سب طالب علم ھیں، ھزاروں — اور دوسری بات یہ ھے کہ 'اچھے' سے تمھارا کیا مطلب؟''

''وہ بہت خوش باش ھے، ھنستا ھنساتا رھتا ھے — اور پھر جوان بھی ھے —''

''پھلی بات تو یہ ھے کہ سرکس کے مسخرے بھی ھنستے ھنساتے رھتے ھیں —''

''مسخرے! ان کی تو اور بات ھے — وہ تو تنخواہ ھی اس بات کی پاتے ھیں کہ ھنسیں اور ھنسائیں —''

''چپ رھو! اور دوسری بات یہ ھے کہ جوانی تو کتوں پر بھی آتی ھے — وہ بھی شروع میں پلے ھی ھوتے ھیں —''

''مسخرے — مسخرے تو بندر ھوتے ھیں خالی...''

''میں نے کہا چپ رھو — یاد نہیں رھتا! چپ رھو کہا تھا نا میں نے! سنتی ھے؟''

''ھاں ھاں سنتی ھوں —''

''ھاں، ھاں...''

اور اپنی بیوی کو اس طرح دبا کر خاموش کرکے، نیکیفورچ مجھه سے مخاطب ھوتا ھے:

''یہ پلیتنیوف — جس کا میں ذکر کر رھا تھا نا — کافی دلچسپ آدمی ھے — تم کو چاھئے کہ اس سے میل جول بڑھاؤ —''

rekhta

چونکہ نیکیفورچ نے اکثر مجھہ کو اور پلیتنیوف کو ساتھہ دیکھا ہوگا اس لئے میں جواب دیتا ہوں :

”میرا تو میل جول ہے اس سے — ،،

”تو تمہاری ملاقات ہے؟ ہوں... ،،

اس کی آواز میں مایوسی محسوس ہوتی ہے — وہ اپنی بنچ پر جلدی جلدی ہلتا ہے اور اس کے تمغے جھنجھناتے ہیں — میں نہائت محتاط رہتا ہوں کیونکہ مجھے ان پرچیوں کا علم ہے جو پلیتنیوف اپنے ہیکٹوگراف پر چھاپتا ہے —

نیکیفورچ کی بیوی میری ٹانگ میں اپنی ٹانگ پھنسائے بڑےمیاں کو اکساتی رہتی ہے اور وہ اکڑ اکڑ کر میرے سامنے اس طرح اپنے الفاظ کے خزانے کی نمائش کرتے رہتے ہیں جیسے مور اپنی دم کی — میں ٹھیک سے سن نہیں پا رہا ہوں کیونکہ اس کی بیوی میز کے نیچے اپنی ٹانگ سے برابر مجھہ کو چھیڑ رہی ہے اور نیکیفورچ کی گفتگو کا گریز کا پہلو پھر میرے ذہن سے نکل جاتا ہے — مجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کی آواز کب مدھم اور بھاری لہجہ اختیار کر لیتی ہے —

”دھاگا! دھاگا جو نظر نہیں آتا! سمجھے تم؟،، اور وہ گول گول آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورتا ہے جیسے یکایک ڈر گیا ہو — ”اگر تم عالی جاہ شہنشاہ کو مکڑی سمجھہ لو... ،،

”انہہ! جانے کیا کہہ رہے ہو!،، اس کی بیوی چیخ کر کہتی ہے —

”تم اپنی زبان بند رکھو احمق کہیں کی! میں سمجھانے کے لئے یہ مثال دے رہا ہوں — کوئی سچ مچ نہیں — چھنال کہیں کی، چل سماور ہٹا — ،،

ابروؤں پر بل ڈال کر اور آنکھیں سکیڑ کر وہ بڑی شان سے اپنی بات جاری رکھتا ہے :

rekhta

''ایک دھاگا جو دکھائی نہیں دیتا، مکڑی کے جالے کی طرح کہہ لو اسے — وہ عالی جاہ شہنشاہ الیکساندر سوئم کے دل سے نکلتا ہے اور ان کے تمام عہدے داروں سے گذرتا ہوا مجھ تک پہنچتا ہے، بلکہ فوج کے حقیر سے حقیر سپاہی تک بھی — یہ دھاگا ہر چیز کے گرد مڑا رہتا ہے، لپٹا رہتا ہے اور اسی دھاگے کی طاقت سے —— اس طاقت سے جو نظر نہیں آتی —— زار کی حکومت اور اقتدار صدیوں سے قائم ہے — صرف وہ جو چالاک انگریز ملکہ ہے نا اس نے پولستانیوں، یہودیوں اور کچھ روسیوں کو بھی رشوت دے دی ہے اور وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں سے پائیں وہاں سے اس دھاگے کو توڑ دیں اور ظاہر یہ کریں کہ عوام کے بڑے خیرخواہ ہیں — ''

وہ میز پر سے ہوکر میری طرف جھکتا ہے اور بڑے سخت لیکن دبے ہوئے لہجے میں آہستہ سے کہتا ہے:

''سمجھے؟ اچھا! تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے یہ باتیں کیوں کر رہا ہوں؟ تمہارا وہ نانبائی تمہاری بڑی چاپلوسی کرتا ہے کہ تم تیز اور ذہین لڑکے ہو اور ایماندار ہو اور اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو—— ٹھیک ہے — لیکن یہ تمام طالب علم تمہاری بیکری کے آس پاس منڈلایا کرتے ہیں — رات گئے تک دیرینکووا کے اندرونی کمروں میں گھسے بیٹھے رہتے ہیں — اگر کوئی ایک ہوتا تو کچھ بات نہ تھی لیکن اتنے بہتوں کے آنے جانے کا آخر مطلب کیا ہے؟ کیوں؟ میں طالب علموں کی برائی نہیں کرتا — آج اگر انسان طالب علم ہے تو کل کو سرکاری وکیل بنے گا — طالب‌علم ہونا تو ٹھیک ہے لیکن ان لوگوں کو تو زندگی میں حصہ بٹانے کی اس قدر بڑی ہے کہ کیا کہی جائے اور پھر زار کے دشمن ان کو اشتعال دلاتے ہیں — سمجھے؟ اور ایک بات تم سے اور کہدوں...''

لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہہ سکتا، دروازہ دھڑ

rekhta

سے کھلا اور ایک بوڑھا آدمی داخل ہوا —— مختصر سا جسم، سرخ ناک، سر کے گھونگھریالے بالوں کو چمڑے کے فیتے سے پیچھے کی طرف باندھے ہوئے — اس کے ہاتھ میں وادکا کی بوتل تھی اور یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ تھوڑی سی اس کے پیٹ میں بھی پہنچ چکی ہے —

آتے ہی اس نے اکڑ کر بانکے انداز میں پوچھا :

''ڈرافٹ کی بازی ہو گی؟'' اور فوراً ایک کے بعد ایک مثلیں زور زور سے سنانے لگا — نیکیفورچ نے مرجھائے ہوئے، مرے ہوئے لہجے میں کہا :

''آپ میرے سسر ہیں —'' اس کے بات کرنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کو سخت کوفت ہو رہی ہے —

اس کے بعد فوراً ہی میں نے اجازت چاہی — اس چلبلی عورت نے مجھے باہر پہونچاتے وقت میرے چٹکی لی اور بولی :

''دیکھو کیسے سرخ بادل چھائے ہوئے ہیں —— آگ، بالکل آگ!'' —— حالانکہ آسمان بالکل صاف تھا — صرف ایک طرف کو نارنجی رنگ کا ایک لکہ تیر رہا تھا —

میں اپنے استادوں کی بڑائی کو گھٹانا نہیں چاہتا لیکن پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ سلطنت کی مشین کا جیسا صحیح خاکہ اس پولیس والے نے کھینچا، ویسا ہمارے استاد نہیں کھینچ سکے تھے — یقیناً کہیں نہ کہیں کوئی مکڑی چھپی بیٹھی تھی اور اسی مکڑی کے وجود سے وہ دھاگا نکلتا چلا آ رہا تھا جو نظر نہیں آتا تھا لیکن جو زندگی کو ہر پہلو سے باندھے اور لپیٹے ہوئے تھا — چنانچہ بہت جلد مجھے یہ نظر آنے لگا کہ جدھر مڑتا ہوں، ادھر اس دھاگے کے الجھاوے، پھندے، موڑ اور پیچ و خم موجود ہیں —

اس شام جب دوکان بند ہو گئی اور کافی وقت گذر چکا تو دیرینکووا نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور بڑی چستی سے مجھ

rekhta

سے کہا کہ اس کے سپرد یہ کام کیا گیا ھے کہ میری اور پولیس والے کی گفتگو معلوم کرے — جب میں اس کو پوری رپورٹ دے چکا تو وہ ایک دم بول اٹھی :

''اے معبود!،، اور سر جھٹکتے ھوئے کمرے میں اس طرح چکر کاٹنے لگی جیسے چوہےدان میں بند چوہا — ''لیکن کیا کبھی اس نانبائی نے بھی تم سے کچھه پوچھنے کی کوشش کی؟ وہ جو اس کی داشتہ ھے نا نیکیفورچ کی کچھه رشتہ‌دار بھی تو لگتی ھے — کیوں ھے نا؟ ھم لوگوں کو اس شخص کو نکالنا ھی پڑےگا — ،،

میں دروازے میں کھڑا کھڑا بے دلی سے اسے دیکھه رھا تھا — 'داشتہ، کا لفظ اس نے بڑی سادگی کے ساتھه ادا کیا تھا جو نہ‌جانے کیوں مجھے پسند نہیں آیا — اس کا یہ خیال بھی مجھے اچھا نہیں لگا کہ نانبائی کو جواب دے دیا جائے —

''دیکھو تمہیں بہت ھوشیار رھنا چاھئے،، اس نے کہا اور ھمیشہ کی طرح اس وقت بھی اس کے مستقل گھورنے سے مجھے سخت گھبراھٹ ھوئی — جیسے وہ نگاھیں مجھه سے کوئی سوال کر رھی ھوں اور وہ سوال کیا تھا، یہ میری سمجھه میں نہیں آتا تھا — اب وہ میرے سامنے کھڑی ھو گئی، ھاتھه کمر کے پیچھے تھے —

''تم ھمیشہ اس قدر بجھے بجھے کیوں رھتے ھو؟،،

''ابھی ابھی میری نانی اماں کا انتقال ھوا ھے، بہت دن نہیں گذرے ھیں — ،،

ایسا معلوم ھوا کہ اسے یہ بات کچھه عجیب سی لگی اور دلچسپ بھی — مسکرا کر پوچھا :

''تم ان سے بہت محبت کرتے تھے؟،،

''ھاں — اور کچھه پوچھنا چاھتی ھو؟،،

''نہیں — ،،

rekhta

میں وہاں سے روانہ ہو گیا — اور اب جو ذہن پر زور ڈالتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ اس رات میں نے جو اشعار کہے ان میں بار بار یہ مصرع دوہرایا جاتا تھا:

''تم جو ظاہر میں ہو باطن میں نہیں!،،

اس واقعے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے طالب علم لوگ بیکری سے ذرا الگ ہی رہیں اور کم آئیں جائیں — اب چونکہ میری اور ان طالب علموں کی بہت کم ملاقات ہوتی تھی اس لئے وہ تمام باتیں جو میں کتابوں میں پڑھتا تھا لیکن ذہن میں صاف نہیں ہوتی تھیں، ان کے متعلق کس سے پوچھتا؟ چنانچہ میں نے اپنے سوالات ایک نوٹ بک میں لکھنے شروع کر دئے — لیکن ایک دن میں تھکا ہارا، کاپی پر سو گیا — نانبائی نے میری تحریر پڑھ لی — اس نے مجھے جگایا اور پوچھا:

''یہ سب کیا لکھا ہے تم نے؟ 'گاریبالدی نے بادشاہ کو کیوں نکال باہر نہیں کیا؟'، گاریبالدی کون ہے؟ کیا بادشاہ کو نکال باہر کرنا ممکن ہے؟،،

اس نے کاپی غصے میں آٹے کی کوٹھی پر پٹک دی اور تندور پر جا بیٹھا — وہاں بیٹھا بیٹھا مجھ پر بڑبڑاتا رہا:

''بادشاہوں کو — اور یہ نکالے گا — ذرا شان دیکھو اس کی — عجیب بات ہے — اس طرح کے کرتب چھوڑو میاں — یہ کتابیں دماغ پر چڑھ جاتی ہیں! چار پانچ سال ہوئے کہ ساراتوف میں پولیس والے تمہارے ایسے کتابی کیڑوں کو، دھنے بائیں، ہر طرف بلوں سے کھینچ کھینچ کر نکال رہے تھے — نیکیفورچ کی نگاہیں اب بھی تم پر ہیں — بادشاہوں کو نکال باہر کرنا چھوڑ دو — بادشاہ کوئی کبوتر نہیں ہیں کہ تمہارے ایسے لونڈے ان کو ہشکار کے اڑا دیں گے —،،

rekhta

وہ میری خیر خواھی میں یہ سب کچھ کہہ رہا تھا لیکن مجھ سے بن نہیں پڑ رہا تھا کہ اس کا خاطر خواہ جواب دے سکوں — مجھے منع کر دیا گیا تھا کہ ''خطرناک موضوعات،، پر نانبائی سے بات نہ کروں —

شہر میں ایک خاص قسم کی کتاب آئی ہوئی تھی جو ھاتھوں ھاتھ لی جا رہی تھی اور جس کی وجہ سے بڑا ھی ھنگامہ تھا — ھر جگہ لوگ اس کو پڑھ پڑھ کر آپس میں جھگڑ رہے تھے اور بحث کر رہے تھے — میں نے لاوروف سے درخواست کی (وہ جانوروں کا ڈاکٹر تھا) کہ مجھے بھی یہ کتاب لا دے مگر اس نے مایوسی کے ساتھ سر ھلا کر کہا:

''نہیں — نہیں میرے دوست — اس کا سوال ھی نہیں اٹھتا — مگر میں سمجھتا ھوں کہ چند دنوں بعد ایک جگہ پر جس سے میں واقف ھوں، وہ پڑھی جائے گی — شائد میں تمہیں وھاں لے جا سکوں —،،

ازمپشن ڈے* کے دن میں آرسکوئے کے میدان میں سے ھوتا ھوا اندھیرے میں، لاوروف کے دھندلے خاکے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا — وہ مجھ سے تقریباً سو میٹر آگے ھوگا — میدان بالکل سنسان تھا، پھر بھی لاوروف کی ھدائت کے مطابق میں چند ''احتیاطوں،، پر عمل کر رہا تھا، بطور حفظ ماتقدم کبھی سیٹی بجاتا، کبھی گاتا اور کبھی کبھی لڑکھڑاتا جیسے شراب پیئے ھوئے مزدور ھو — سر پر چھدرے چھدرے سیاہ بادل آھستہ آھستہ تیرتے چلے جا رہے تھے — چاند سونے کی ایک گیند کی طرح ان بادلوں کے درمیان لڑھکنیاں کھا رہا تھا جس کی وجہ سے زمین پر گہری گہری ترچھی پرچھائیاں پڑ رہی تھیں اور زمین پر جہاں جہاں پانی کے چھلے تھے ان میں چاندی

---

* اس دن عیسائی مذھب کے عقیدے کے مطابق حضرت مریم جنت میں داخل ھوئی تھیں — (مترجم)

rekhta

کی سی چمک پیدا ہو گئی تھی — میری پشت پر سے شہر کی جھنجھلائی ہوئی بھنبھناہٹ مسلسل سنائی دے رہی تھی —

مذہبی اکادمی سے بھی آگے، ایک باغ کی دیوار کے پاس، میرا رہبر سہم گیا — میں نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اس سے جا ملا — دبے پاؤں ہم دونوں دیوار پر چڑھے اور باغ میں بڑھنے لگے جو لاپرواہی کی وجہ سے اجاڑ سا تھا اور اس میں تمام جنگلی گھاس اگ آئی تھی — درختوں کی ڈالیاں نیچے کو جھک آئی تھیں اور جب ہم ان میں سے گذرے تو شبنم کی موٹی موٹی بوندوں نے ہم پر بوچھار کی — ہم لوگ ایک مکان تک پہونچے اور کھڑکی پر ہلکے سے دستک دی جس کے پٹ بالکل بند تھے — کھڑکی دھیرے سے کھلی، ایک داڑھی والا چہرہ جھانکا — اس کے پیچھے بالکل اندھیرا اور مکمل خاموشی تھی — آہستہ سے آواز آئی ''کون ہے؟،،

''یاکوف کے دوست —،،

''چڑھ آؤ —،،

گھپ اندھیرے میں کچھ سوجھتا نہ تھا، پھر بھی مجھے اور لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا — لباس کی سرسراہٹ اور پیروں کی کھسر کھسر سنائی دی، دبی ہوئی ایک کھانسی، پھر پھس پھس باتیں — ماچس کا ایک شعلہ ابھرا، میرے چہرے پر روشنی پڑنے لگی اور میں نے ان تاریک سایوں سے بھرے دیواروں پر نظر دوڑائی —

''سب لوگ آ گئے؟،،

''ہاں —،،

''کھڑکی پر کچھ ٹانگ دو تاکہ روشنی چھن کر باہر نہ نکلے —،،

ایک زوردار آواز نے غصے سے پوچھا:

''یہ کس کے دماغ کی لہر تھی کہ اس اجڑے ویران مکان میں اکٹھا ہوا جائے؟،،

rekhta

''ارے اتنے زور سے نہیں!''

دور کونے میں کسی نے ایک چھوٹا سا لیمپ جلایا — کمرہ بالکل خالی تھا، کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا — دو بکسوں پر تختہ آڑا اٹکا کے پانچ آدمی اس طرح اس تختے پر ایک دوسرے سے لگے بیٹھے تھے جیسے دیوار پر مینائیں — دوسرا بکس الٹا کر کے اس پر لیمپ رکھ دیا گیا تھا — تین اور آدمی دیوار کے پاس فرش پر بیٹھے تھے اور کھڑکی پر ایک نوجوان طوطے کی طرح اکڑوں بیٹھا تھا —— لمبے لمبے بال، نہائت دبلا، پیلی رنگت — اس نوجوان اور داڑھی والے آدمی کے علاوہ میں باقی تمام لوگوں کو جانتا تھا — داڑھی والے آدمی نے بھاری، گمبھری آواز میں اعلان کیا کہ وہ ہم لوگوں کو ایک کتابچہ پڑھ کر سنائے گا جس کا نام ''ہمارے اختلافات'' ہے — یہ کتابچہ گیورگی پلیخانوف کا لکھا ہوا ہے جو پہلے ''نارودنایا وولیا'' * میں تھا —

فرش پر اندھیرے میں کوئی غرایا:

''ارے یہ سب ہم لوگ جانتے ہیں!''

اس پراسرار ماحول کی وجہ سے میرا مسرت بھرا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا جیسے یہ تمام باتیں ایک ولولہ انگیز شعر کی مانند ہوں — مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سچے ایماندار کو اپنے کلیسا میں صبح کی عبادت کرنے کا اتفاق ہو رہا ہو — مجھے عیسائیوں کا شروع کا زمانہ یاد آ رہا ہے — وہ گمبھری، گھڑگھڑاتی آواز لڑھکتی چلی جا رہی تھی، ہر لفظ صاف سنائی دے رہا تھا — اور وہ آواز کمرے بھر پر چھائی ہوئی تھی — پھر کسی نے ایک کونے سے کہا ''انہہ، بے کار!''

---

* ایک خفیہ سوسائٹی جو زارشاہی کے خلاف انقلابی جد و جہد کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی — (ایڈیٹر)

rekhta

اس کونے میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کے سروں پر اس اندھیرے میں تانبے کی بڑی پراسرار سی چمک دکھائی دے رہی تھی — مجھے رومی سپاہیوں کے خود کا خیال آیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد سمجھ میں آیا کہ وہ دراصل تندور کی چمنی تھی —

بڑے زور اور جوش سے بحث اور تقریریں ہونے لگیں اور ان کے درمیان، آہستہ آہستہ مدھم مدھم آوازیں سنائی دینے لگیں جو اس جوش وخروش سے گتھم گتھا تھیں، یہاں تک کہ ایک مقرر اور دوسرے مقرر کی بات میں فرق کرنا ناممکن ہو گیا — پھر میرے سر کے بالکل اوپر کھڑکی پر سے کسی نے زور سے طنزیہ لہجے میں پوچھا :

''ارے ہم لوگوں کو وہ کتابچہ پڑھنا ہے کہ نہیں پڑھنا ہے؟,,

بولنےوالا وہ زردرو لمبے بالوں‌والا لڑکا تھا — تمام آوازیں رک گئیں — اور پھر صرف پڑھنے والے کی بھاری، گھری آواز سنائی دینے لگی — جلتے ہوئے سگریٹوں کے سرے سرخ سرخ چمک رہے تھے، کبھی کبھار کسی دیاسلائی کا شعلہ لپکتا جس سے سوچتے ہوئے چہرے جھلک اٹھتے —— چہرے جن میں آنکھیں غور و فکر سے سکڑ گئی تھیں یا پھیل کر بڑی ہو گئی تھیں اور گھور کر خلا میں تکتی جا رہی تھیں —

کتابچے کی پڑھائی اتنی دیر تک جاری رہی کہ میں سنتے سنتے تھک گیا حالانکہ مجھے اس کے وہ تیز اور فکرانگیز الفاظ اچھے لگ رہے تھے جس کے ذریعہ قائل کر دینے والے معقول خیالات کو آسان اور سادہ زبان میں بیان کیا گیا تھا —

غیر متوقع طور پر پڑھنے والا یکایک رک گیا — ایک دم سے کمرے میں غصے سے بھری ہوئی آوازیں گونجنے لگیں :

''غدار!,,

''صرف بات ہی بات!,,

rekhta

''ہمارے دلیروں اور بہادروں کے خون کی ہتک ہے یہ —''

''قتل کے بعد! گینرالوف، اولیانوف...''

اور اس نوجوان نے کھڑکی پر بیٹھے بیٹھے پھر مطالبہ کیا:

''بھلے آدمیو! اگر ہم لوگ اس وقت گالی اور کوسنے ملتوی کرکے سنجیدہ بحث کریں تو کیسا رہے؟''

مجھے بحث پسند نہیں آتی تھی کیونکہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سے اصل مطلب کیونکر نکالوں — جوشیلے خیالات کی بھکتی ہوئی جست و خیز کا ساتھ دینا میرے بس کی بات نہ تھی — پھر بولنے اور بحث کرنے والوں کی شان اور اکڑ سے مجھے جھنجھلاہٹ اور کوفت ہونے لگتی تھی —

اس نوجوان نے کھڑکی پر بیٹھے بیٹھے آگے کو جھک کر مجھ سے کہا:

''تم پیشکوف ہو نا؟ بیکری والا پیشکوف؟ مجھ کو فیدوسیئف کہتے ہیں — ہم دونوں کو دوستی کرنی چاہئے — دیکھو نا —— اب یہاں تو ہم لوگوں کے لئے کچھ نہیں ہے — اب گھنٹوں تک یہ آوازیں یوں ہی چلتی رہیں گی اور ان سے کچھ فائدہ تھوڑا ہی ہوگا — آؤ، باہر چلیں —— ہم دونوں، کیوں؟''

میں فیدوسیئف کے متعلق سن چکا تھا اور اس حلقے کے متعلق جس کی تنظیم بھی اسی نے کی تھی اور جو نوجوانوں کا ایک نہائت سنجیدہ مزاج حلقہ تھا — مجھے اس کی گہری آنکھیں اور زرد اعصابی، گھبرایا ہوا چہرہ بہت اچھا لگا —

جب ہم دونوں ساتھ ساتھ میدان سے ہوکر گذر رہے تھے تو وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ کیا مزدوروں میں بھی میرے واقف‌کار تھے، میں نے کون کون سی کتابیں پڑھی تھیں، میرے پاس کتنا فالتو وقت تھا — اور باتوں کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا:

''میں نے تمہاری اس بیکری کے متعلق بہت کچھ سنا ہے —

rekhta

حیرت ہے کہ تم بھی اس حماقت میں مبتلا ہو — اس سے تمہیں کیا ملیگا؟"،

پچھلے چند دنوں سے مجھے خود بھی خیال ہونے لگا تھا کہ یہ سب بےکار ہے چنانچہ میں نے اس سے بھی اس خیال کا اظہار کیا — وہ بہت خوش ہوا — جدا ہوتے وقت اس نے بڑے خلوص سے مجھہ سے ہاتھہ ملایا اور اس کے چہرے پر ایک روشن مسکراہٹ جھلک اٹھی — وہ ایک یا دو دن بعد تین ہفتے کے لئے شہر سے باہر جا رہا تھا — اور اس نے مجھہ سے کہا کہ واپس آنے کے بعد وہ مجھے اطلاع دےگا کہ ہم لوگ کہاں اور کیسے مل سکتے ہیں —

بیکری میں معاملات بہت اچھے چل رہے تھے لیکن میری زندگی دن بدن بدتر ہوتی جا رہی تھی — ہم لوگ نئے مکان میں منتقل ہو گئے تھے اور میری پھیریاں اور بھی زیادہ ہو گئی تھیں — بیکری میں میرا جو کام تھا، اس کے علاوہ مجھے لوگوں کے گھروں میں بھی نان اور کلچے پہنچانے ہوتے تھے اور اکادمی اور کالج میں شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے ہاتھہ بھی بیچنے ہوتے تھے — میری ٹوکری سے کلچے وغیرہ نکال کر یہ نوجوان صاحبزادیاں محبت‌نامے اس میں گھسیڑ دیا کرتیں اور اکثر میں یہ دیکھہ کر حیران رہ جاتا کہ نفیس خط کے کاغذ پر بچکانہ‌خط میں نہائت بےحیائی کی باتیں گھسیٹی ہوئی ہوتی تھیں — جب ان نوخیز چمکیلی آنکھوں‌والی لڑکیوں کا جھنڈ میری ٹوکری کے پاس اکٹھا ہوتا تو مجھے بڑا عجیب لگتا —— یہ لوگ ایک دوسرے کا منھہ چڑاتیں، طرح طرح کی صورتیں بناتیں اور کلچے اور نان اپنی گلابی ہتھیلیوں میں الٹتی پلٹتی جاتیں — میں انہیں غور سے دیکھتے ہوئے یہ سوچتا رہتا کہ ان میں سے کس نے وہ بےباک خطوط لکھے ہوں گے جن میں اتنے گندے اور ممنوع الفاظ تھے کہ ان کے صحیح معنی بھی شائد لکھنےوالی نہ جانتی ہوگی — اور پھر میں گندے قحبہ‌خانوں کو یاد کرکے اپنے آپ سے پوچھتا:

rekhta

”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دھاگا جو دکھائی نہیں دیتا، ان کوٹھریوں اور گندے کمروں سے یہاں تک بھی پہنچتا ہو؟“

ان صاحبزادیوں میں سے ایک نے مجھے ایک دن ہال میں روکا — اس کی چھاتیاں خوب ابھری ہوئی تھیں اور پیٹھ پر خوب موٹی کالی چوٹی لہرا رہی تھی — مجھ سے آہستہ سے بولی :

”اگر میرا یہ خط پہونچا دوگے تو تم کو دس کوپک دوں گی —“

اس کی نرم سیاہ آنکھوں میں آنسو ابل آئے — ضبط کرنے کے لئے اس نے اپنا ہونٹ کاٹا اور اس کا چہرہ اور کان بالکل لال ہو گئے — میں نے نہائت مشفقانہ دلیری کے ساتھ پیسے لینے سے انکار کر دیا لیکن خط لے کر منزل مقصود پر پہنچا دیا —— ایک لمبے سے طالب‌علم کو جس کے چہرے پر تپ‌دق کی سرخی تھی اور جو عدالت کے ایک جج کا لڑکا تھا — اس نے مجھے پچاس کوپک دینے چاہے، ان کو خاموشی سے گنا —— سب تانبے کے کوپک ہی کوپک تھے لیکن جب میں نے کہا کہ مجھے پیسے نہیں چاہئیں اور وہ ان کو جیب میں واپس رکھنے لگا تو اس کا ہاتھ اتنا کانپ رہا تھا کہ سکے کھنکھناتے ہوئے فرش پر گر پڑے — اور وہ خلا میں گھورتا، خاموش کھڑا ان کو فرش پر لڑھکتا دیکھتا رہا — پھر اپنے دونوں ہاتھ اس زور سے آپس میں ملے کہ انگلیاں چٹخ گئیں اور گہری ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگا :

”اب کیا کیا جائے؟ اچھا خدا حافظ، مجھے سوچنا پڑے گا...“

اس کی سوچ کا کیا نتیجہ نکلا یہ مجھے نہیں معلوم، لیکن اس دوشیزہ کے لئے میرا دل بہت غمگین ہوا — اس واقعے کے فوراً ہی بعد وہ کالج سے غائب ہو گئی — اور جب پندرہ سال بعد میری اس کی ملاقات پھر ہوئی تو وہ کریمیا میں ایک اسکول میں پڑھا رہی تھی اسے تپ دق تھی اور وہ دنیا کی ہرچیز کے متعلق ایک ایسے شدت کے بغض

rekhta

کے ساتھه بات کرتی تھی جو صرف ایسے انسان میں پایا جاسکتا ہے جسے زندگی نے سخت زخم لگائے ہوں —

میں ہر جگه نان اور کلچے بانٹنے کے بعد تھوڑی دیر سو جاتا تھا، پھر رات کو بیکری میں کام کرتا تاکه آدھی رات تک تمام میٹھی چیزیں تیار ہو جائیں، کیونکه ہماری یه جگه شہر کے تھیٹر کے پاس تھی اور کھیل ختم ہونے کے بعد لوگ گرم گرم تازے کلچے کھانے دوکان پر آتے تھے — اس کام کو ختم کرکے میں آٹا گوندھتا تھا اور خمیر تیار کرتا تھا اور بیس تیس پنسیری میده ہاتھه سے گوندھنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا — پھر دو تین گھنٹے سوتا اور اس کے بعد دو باره نان اور کلچے تقسیم کرنے نکل جاتا — اور اس طرح یه کاروبار جاری رہتا —— ایک کے بعد ایک دن گذرتے جاتے —

اس تمام مصروفیت کے دوران مجھه پر ایک شدید جذبه طاری رہتا تھا جو کسی طرح نہیں دبایا جا سکتا تھا —— که میں جن باتوں کو حقیقی، سچی اور آفاقی سمجھتا ہوں ان کے بیج بوؤں — میں فطرتاً ملنسار تھا اور خوش بیان — اور پھر میرے تخیل کو ذاتی تجربات اور کتابوں کے مطالعے نے اور بھی زیاده اکسا دیا تھا — معمولی سے معمولی اور چھوٹی سے چھوٹی بات سے میں دلچسپ قصے گڑھه لیا کرتا تھا اور ’’اس دھاگے کے متعلق جو دکھائی نہیں دیتا،، میں بڑی پیچ وخم اور رموز واسرار والی چیزیں پیدا کر لیا کرتا تھا — کرستوفنیکوف اور الافوزوف کی فیکٹریوں کے مزدوروں سے بھی اب میری جان پہچان بڑھه گئی تھی اور خاص طور پر ایک بوڑھا بنکر نکیتا روبتسوف مجھے بہت اچھا لگتا تھا — وه ایک تیز، ذہین اور بےچین سیمابی طبیعت والا آدمی تھا جس نے روس کی تقریباً ہر سوتی مل میں کسی نه کسی وقت کام کیا تھا —

’’میں اس دنیا میں، اس زمین پر سات اوپر پچاس برس سے چل پھر رہا ہوں، میرے الکسئی میکسیمچ، میرا جوان بسولا، میری

rekhta

نئی نویلی رکھانی!،، وہ اپنی چھلی ہوئی آواز میں کہتا، کالی عینک کے پیچھے سے بھوری آنکھوں میں جو ہمیشہ دکھتی رہتی تھیں، ایک مسکراہٹ دکھائی دیتی — یہ عینک ہمیشہ تانبے کے تاروں سے اٹکی رہتی تھی اور ان تاروں کی وجہ سے اس کے ناک کے بانسے اور کانوں کے پیچھے ہمیشہ زنگ کے سبز نشان نظر آتے رہتے تھے — اپنے ساتھی بنکروں میں روبتسوف ''جرمن،، کہلاتا تھا کیونکہ وہ خط بناتا تھا، مونچھیں منڈاتا تھا اور صرف نچلے لب کے نیچے سفید بالوں کا ایک سخت گچھا اور ایک چھوٹی سی سخت مونچھ چھوڑ دیتا تھا — اس کا قد درمیانہ تھا، سینہ چوڑا چکلا اور اس پر ایک عجیب اداس خوش دلی چھائی رہتی تھی —

اپنی چندیا صاف، گڑبڑ کھوپڑی کو اتنا ٹیڑھا کرتا کہ وہ اس کے بائیں کندھے پر ٹک جاتی اور پھر کہتا ''مجھے سرکس پسند ہے — یہ لوگ کس طرح گھوڑوں کو سدھاتے ہیں — کیوں؟ آخر تو جانور ہی ٹھہرے نا وہ — بڑی تسلی ہوتی ہے — نرے جانور اور انسان کو ان کا احترام کرنا پڑتا ہے — تو پھر میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ ضرور انسانوں کو بھی سدھانے کا کوئی طریقہ ہوگا کہ اپنا دماغ استعمال کریں — ان جانوروں کو تو سرکس والے بتاشے کھلا کھلا کر، شکر کا مزہ چکھا کر قابو میں کرتے ہیں — لیکن ہم لوگ بنئے کے یہاں سے اپنی شکر خود ہی جو خرید سکتے ہیں — اصل میں ہم لوگوں کو ایک اور ہی قسم کی شکر کی ضرورت ہے جو روح کے لئے ہو — اور اس شکر کا نام ہے مہرومحبت! اس لئے میں کہتا ہوں کہ بیٹا، معاملات کو سدھارنے کا طریقہ یہ ہے کہ مہربانی کرو، پیار سے کام لو، ڈنڈے سے نہیں جیسا کہ ہماری اس دنیا کا دستور ہے — ٹھیک ہے نا؟،،

لیکن وہ خود معاملات میں مہربانی سے کام نہیں لیتا تھا — اس کا لوگوں سے بات کرنے کا طریقہ طنزیہ اور حقارت آمیز تھا اور اگر

rekhta

کوئی بحث چھڑ جاتی تو وہ مختصر فقرے برابر الٹ الٹ کر کہے جاتا اور ہر فقرہ ہتک کرنے کے لئے ہوتا تھا — جب میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی تو شراب‌خانے میں کچھہ لوگ مشتعل ہو کر اسے پیٹنے پر آمادہ تھے — ایک دو دھول تو پڑ بھی چکے تھے — میں بیچ بچاؤ کر کے کسی طرح اسے باہر نکال لایا — جب ہم لوگ اندھیرے میں وہاں سے چلے تو خزاں کی ہلکی ہلکی پھوار گرنے لگی تھی — میں نے اس سے پوچھا:

''کیا ان لوگوں نے آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں پہنچائی؟،،

''کہیں اس طرح چوٹ پہنچاتے ہیں؟ یہ لوگ چوٹ پہنچانا کیا جانیں؟،، اس نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا — ''سنو تم مجھہ سے آپ جناب کیوں کرتے ہو؟،،

اس طرح ہماری جان‌پہچان شروع ہوئی — شروع میں تو اس نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے میرا مذاق اڑایا لیکن جب میں نے اس کو بتایا کہ دنیا میں ایک ایسا دھاگا ہے، جو دکھائی نہیں دیتا اور جس کا اہم اثر ہم سب کی زندگیوں پر پڑتا ہے تو اس نے کچھہ سوچ کر کہا:

''ارے تم تو بیوقوف نہیں ہو، نہیں نہیں! جس طرح تم اس بات کو بیان کر رہے ہو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم بے وقوف نہیں ہو!،، پھر اس کا رویہ پدرانہ شفقت کا ہو گیا یہاں تک کہ وہ مجھے میرے اپنے نام اور والد کے نام سے پکارنے لگا —

''تمہارے خیالات صحیح خیالات ہیں، میرے الکسئی میکسیمچ، میرے لمبے تڑنگے سوئے —— وہ صحیح خیالات ہیں! بس یہی ہے کہ کوئی تمہارا یقین کرے گا نہیں — کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں...،،

''مگر آپ تو میرا یقین کرتے ہیں نا؟،،

''میں —— میں تو ایک آوارہ کتا ہوں، بے گھر، بے در! اور

rekhta

پھر میری دم بھی کٹی ہوئی ہے — لیکن زیادہ‌تر لوگ گھریلو کتے ہیں اور ان کی دموں میں تمام کلنیاں بھری ہوئی ہیں : بیویاں، بچے، اکڑم بکڑم! اور ان میں ہر مردود کتا اپنے کونے کی محبت میں مرمٹتا ہے — وہ کیوں تم پر یقین کرنے لگے! ایک مرتبہ ہم لوگوں نے بھی ایک کاروبار شروع کیا تھا —— مروزوف کی مل میں — جو بھی سر اٹھاتا بس اس کے سر پر پڑتی — اور بھئی، سر تو سر ٹھہرا، چوتڑ تو ہے نہیں — چوٹ جلدی بھولنے والی چیز بھی نہیں —،،

لیکن جب اس کی ملاقات یاکوف شاپوشنیکوف سے ہوئی جو کرستوفنیکوف کی فیکٹری میں مستری تھا تب رویتسوف ذرا مختلف طریقے سے باتیں کرنے لگا — یاکوف تپ‌دق کا مریض تھا، چھتارا خوب بجاتا تھا اور بائبل کے مطالعے کا ماہر تھا — لیکن خدا کے وجود سے اس شدت سے منکر تھا کہ رویتسوف حیران رہ گیا — پھیپھڑوں کے جمے ہوئے خون کے لوتھڑے تھوکتے ہوئے وہ بڑے جوش‌وخروش سے بحث کرتا :

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں خدا کی صورت اور سیرت پر تخلیق نہیں کیا گیا ہوں —— میں کچھہ نہیں جانتا، کچھہ کر ہی نہیں سکتا، میں نیک دل بھی نہیں، نہیں، بالکل نیک‌دل نہیں! دوسری بات یہ ہے کہ یا تو خدا کو اس کا علم ہی نہیں ہے کہ زندگی مجھہ سے کیسا برا برتاؤ کر رہی ہے یا اگر اس کو علم ہے تو وہ کچھہ کر نہیں سکتا یا کر سکتا ہے تو کرنا نہیں چاہتا — تیسری بات یہ کہ خدا نہ تو عقل‌کل ہے، نہ قادرمطلق، نہ ہی رحمن‌الرحیم! وہ ہے ہی نہیں سرے سے! یہ سب من گھڑت باتیں ہیں، ہماری پوری زندگی من گھڑت ہے، لیکن مجھہ کو لوگ بے وقوف نہیں بنا سکتے!،،

شروع میں تو ایسی باتیں سن کر حیرت کے مارے رویتسوف کی بولتی بند ہو گئی — پھر غصے سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور وہ بے تحاشہ

rekhta

گالیاں بکنے لگا – لیکن یاکوف نے بائبل سے حوالے دینے شروع کردئیے، اس کے پرشکوہ الفاظ کے سامنے رویتسوف کو ہتیار ڈالنا ہی پڑا اور وہ ایک گہری سوچ میں پڑکر خاموش ہو گیا –

ان طوفانی بحثوں کے وقت یاکوف نہائت ہی خوفناک ہستی ہو جاتا تھا – اس کے تیکھے نقوش تانبے کے رنگ کے تھے، بال خانہ‌بدوشوں کی طرح بالکل سیاہ اور گھنگھریالے، نیلے نیلے ہونٹ چمکتے ہوئے بھیڑیوں کے سے دانتوں پر الٹے پڑتے تھے – وہ اپنے مخالف کی طرف گھور کر دیکھتا تھا تو اس کی سیاہ آنکھیں تیر کی طرح تیزی سے چھوتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں جیسے اپنی زبردست چبھن سے سب کچھ ڈھا دیں گی – اس کی گھورتی ہوئی نظروں کو دیکھ کر مجھے وہ مجنون یاد آجاتا تھا جسے اپنے معزز ہونے کا سودا تھا!

یاکوف کے یہاں سے لوٹتے وقت رویتسوف نے بڑی اداسی سے کہا:

''اس سے پہلے کبھی کسی نے خدا کی مخالفت میں مجھ سے باتیں نہیں کہیں – ایسی باتیں تو میں نے کبھی سنی ہی نہیں – ویسے میں نے بہت سی باتیں سنی ہیں —— قسم قسم کی – مگر ایسی بات کبھی نہیں سنی – کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسا شخص اور زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا – دیکھو نا کس قدر جوش میں بھر گیا تھا کہ گرم ہوکر بالکل سفید پڑگیا... مگر یہ کس قدر دلچسپ بات ہے – ہاں ہے تو بڑی دلچسپ بات –،،

رویتسوف کو بہت جلد یاکوف سے انس ہو گیا – دق کے مارے ہوئے اس مستری کی باتوں سے رویتسوف میں ایک نیا جوش پیدا ہوا جیسے اس کے وجود میں، اندر ہی اندر، کسی چیز نے ابال کھانا شروع کردیا ہو – باربار وہ ہاتھوں سے اپنی دکھتی ہوئی، سوجی ہوئی آنکھوں کو برابر ملتا رہتا –

''تو پروردگار آؤٹ ہو گیا! ڈبہ گول ہوگیا اس کا؟ ہونہہ! اور اگر تو زار کی کہے نا، میری چمکیلی تتلی، تو بھئی میں تو یہ کہتا

rekhta

ہوں کہ زار کی مجھے کچھہ ایسی فکر نہیں — زار میں کوئی حرج نہیں — وہاں سے تھوڑا ہی مصیبت شروع ہوتی ہے — آفت تو ہیں یہ مالک لوگ — میں جس زار کے بھی ساتھہ، کہو، کام چلا سکتا ہوں — چاہے وہ ایوان خوفناک ہی کیوں نہ ہو — اور مجھے ذرا بھی فکر نہ ہوگی — ٹھیک ہے، بھئی، زار صاحب، آپ تخت پر بیٹھئے اور حکومت کیجئے اگر آپ اسی میں خوش ہیں — بس مجھے اتنی اجازت دے دیجئے کہ ان مالکوں کا جیسے میرا جی چاہے دماغ سیدھا کروں — اگر اس بات کی آپ مجھے اجازت دے دیں تو آپ کو سونے کی زنجیروں سے تخت میں باندھہ کر آپ کی پرستش کروں...،،

کتاب ’’شاہ بھوک،، پڑھنے کے بعد وہ بولا:

’’ہاں، ایسا تو ہے ہی، یہ تو بالکل ٹھیک ہے!،،

جب اس نے پہلی مرتبہ ایک لیتھوگراف پر چھپا ہوا کتابچہ پڑھا تو پوچھنے لگا:

’’یہ تم کو کس نے لکھہ کر دیا ہے؟ کتنا صاف ہے سب کچھہ! اس کے چھاپنے والوں سے میرا سلام کہنا، میرا شکریہ کہنا!،،

روبتسوف کو معلومات حاصل کرنے کی ایسی پیاس تھی جو کبھی نہیں بجھتی تھی — وہ یاکوف کی لڑکھڑاتی، کانپتی، جوشیلی بحث کی ڈور کو برابر پکڑے رہتا اور ذہن پر زور دے کر اس پر مسلسل توجہ قائم رکھتا — میں اگر کتابوں کی بات کرتا تو وہ گھنٹوں میری گفتگو سنتا رہتا — خوش ہو ہوکر، سر کو پیچھے جھٹک کر ہنستا اور کہتا:

’’انسان کا دماغ بھی کیا ہی تیز چیز ہے، کیا ہی زور دار، کیا ہی زبردست چیز ہے!،،

دکھتی آنکھوں کی وجہ سے اس کے لئے پڑھنا تو مشکل ہوتا تھا لیکن وہ بہت سی باتیں جانتا تھا اور اکثر وہ ایسی ایسی معلومات بہم پہونچاتا کہ مجھہ کو حیرت ہوتی — ایک دن کہنے لگا:

rekhta

''جرمن قوم میں ایک بڑھئی ہے، اس کا دماغ نہائت غیرمعمولی ہے۔ بادشاہ تک اس کو بلا کر اس سے مشورے طلب کرتا ہے۔،،

کچھ سوالات کرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ اس کی مراد بیبل سے تھی۔

''آپ کو اس شخص کے متعلق کس نے بتایا، کیسے پتہ چلا تمہیں؟،،

''بس مجھے معلوم ہے،، اس نے اپنا گڑمڑ سر کھجاتے ہوئے نہائت گھرے اختصار سے جواب دیا۔

یاکوف زندگی کی محنت بھری گہما گہمی میں اور گڑبڑ میں کوئی حصہ نہیں لیتا تھا۔ وہ تو بس ہمہ تن، پروردگار کی ذات کا قلع قمع کرنے پر تیار تھا، تلا ہوا تھا اور اسی میں غرق رہتا تھا۔ اس کے علاوہ پادریوں سے بھی اس کی ٹھنی تھی اور ان کو معزول کرنے کی کوشش بھی اس کا مقصدحیات تھی۔ سب سے زیادہ وہ راہبوں سے نفرت کرتا تھا۔

ایک دن روبتسوف نے اس سے بڑی نرمی سے پوچھا:

''یاکوف، یہ کیا بات ہے کہ تم ہر وقت پروردگار کے ہی خلاف چنگھاڑا کرتے ہو اور کسی چیز کے خلاف نہیں؟،،

اس بات پر یاکوف ہمیشہ سے بھی زیادہ تلخی کے ساتھ چیخا:

''اچھا، تو اور کیا چیز ہے جو میرے راستے میں روک بنی کھڑی ہے؟ کیا چیز ہے سوائے اس کے؟ بیس سال میں نے اس پر ایمان رکھا، اس سے خوف کھایا، صبر کیا، کیونکہ شک کرنا، سوال کرنا منع ہے! جبکہ ہر بات کا وقوع اوپر آسمان کی مصلحت سے ہوتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی زنجیروں میں بندھ کر بسر کی۔ پھر میں نے انجیل پڑھی اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ سب من گھڑت ہے۔ سب من گھڑت ہے، نکیتا!،،

پھر یاکوف نے اپنا بازو ہوا میں گھمایا جیسے اس دھاگے کو

rekhta

توڑ دینا چاہتا ہو جو دکھائی نہیں دیتا — پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنی بات جاری رکھی:

''اور اب میں اپنے وقت سے پہلے مر رہا ہوں ـــــ اسی معبود کے کارن!''

ان لوگوں کے علاوہ میرے اور بھی کئی دوست اور جان پہچان کے لوگ تھے اور سب ہی دلچسپ تھے — اکثر میں سیمیونوف کی بیکری میں اپنے پرانے دوستوں سے ملنے بھی جایا کرتا تھا — وہ لوگ ہمیشہ مجھے دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور جو باتیں میں کرتا، اس کو دلچسپی سے سنتے — لیکن روبتسوف جہازیوں کے محلے میں رہتا تھا اور یاکوف تاتاری محلے میں جو دریائے قابان سے بھی بہت دور آگے تھا — کوئی چار میل کا پھیر پڑتا تھا ـــــ اس لئے ان لوگوں سے ملاقات کم ہی ہوتی تھی — یہ سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ مجھ سے ملنے آئیں — اول تو میرے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا، ان کو بٹھاتا کہاں — پھر جو نیا بیکر مقرر ہوا تھا اس کی پولیس والوں سے دوستی تھی کیونکہ وہ پرانا سپاہی تھا — ہمارے احاطے کی حد پولیس کے ہیڈکوارٹر کے پچھواڑے سے ملی ہوئی تھی اور بھاری بھاری ''نیلے کوٹ''، دیوار پر سے بھدا بھد کودا کرتے ـــــ کرنل گنگاردت کے لئے میدے کی سفید روٹی اور اپنے لئے آٹے کی بھوری روٹی خریدنے — اس کے علاوہ مجھے ہدائت بھی یہی دی گئی تھی کہ زیادہ اپنے آپ کو ''ظاہر''، نہ کروں، ''روشنی''، میں نہ آؤں تاکہ ہماری بیکری پر زیادہ توجہ نہ ہونے لگے —

مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ میرا کام بےمقصد ہوتا چلا جا رہا تھا — لوگ روپئے کی دراز میں سے برابر روپیہ لیتے رہتے اور ذرا نہ سوچتے کہ پھر ہوگا کیا — بعض اوقات تو اس آزادی اور فراخ دلی سے روپیہ نکالا جاتا کہ میدہ کے دام ادا کرنے کو پھوٹی کوڑی نہ بچتی — دیرینکوف بیچارہ مرجھائی، کھسیائی مسکراہٹ سے داڑھی کھینچتے ہوئے کہتا:

rekhta

’’ہم لوگوں کا دیوالہ نکلنے والا ہے۔،،

دیرینکوف کے لئے زندگی بہت مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ ناستیا، جس کے سرخ شعلے کے سے بال تھے، پورے دنوں پیٹ سے تھی اور دیرینکوف کو دیکھه کر غراتی اور بھناتی ہوئی بلی کی طرح فوں فوں کرنے لگتی تھی، اس کی سبز آنکھیں اس طرح سب کو دیکھتی تھیں جیسے ساری دنیا اس کی مجرم ہو۔ وہ اس طرح اندرئی دیرینکوف پر چڑھتی چلی جاتی جیسے اسے دیکھه ہی نہ رہی ہو۔ اور وہ مجرمانہ انداز میں کھیسیں نکالتا ہوا پہلے تو اس کے راستے سے ہٹ جاتا پھر جب وہ گذر جاتی تو اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہتا اور ٹھنڈی سانس بھرتا۔ کبھی کبھار وہ مجھه سے شکائت کے لہجے میں کہتا:

’’یہ تمام معاملہ اس قدر طفلانہ ہے، اس قدر بچکانہ ہے کہ کیا کہوں! جس کے ہاتھه جو آتا ہے اٹھا لے جاتا ہے۔ آخر اس کا کیا تک ہے۔ میں نے اپنے لئے کچھه موزے خریدے، کوئی آدھی درجن ہوں گے، اور وہ اسی دن غائب ہو گئے!،،

موزوں کی یہ کہانی بھی عجب مضحکہ‌خیز تھی۔ لیکن میں ہنسا نہیں۔ میں برابر دیکھتا تھا کہ یہ بےغرض اور خاکسار انسان اپنے مفید کام کو چالو رکھنے کے لئے کتنی جدوجہد کر رہا ہے۔ اور میں یہ بھی دیکھتا تھا کہ اس کے اردگرد کے لوگ اس کے کام کے ساتھه کتنی بے پروائی کا سلوک کرتے تھے اور کتنی بے نیازی سے وہ اس کے کام کو درہم برہم کر رہے تھے۔ دیرینکوف جن لوگوں کی خدمت کرتا تھا ان سے وہ کسی صلہ کی توقع نہیں رکھتا لیکن کم‌ازکم اس کو یہ حق تو تھا کہ جیسا برتاؤ اس کے ساتھه کیا جارہا تھا اس سے زیادہ دوستانہ برتاؤ کیا جائے، اس کا آخر کچھه تو خیال کیا جائے۔ لیکن اس سے دوستانہ برتاؤ نہ کیا جاتا۔ اس کا خاندان بڑی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا: اس کے باپ کو مذہبی خبط سے چپ لگ گئی تھی۔ چھوٹے بھائی کو شراب اور رنڈی‌بازی

rekhta

کی لت تھی — بہن بالکل غیروں کی طرح بےنیاز رہتی تھی — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ریتیلے رنگ کے بالوں والے طالب‌علم کے ساتھہ اس کا ناخوشگوار معاشقہ چل رہا تھا — اکثر مجھے نظر آتا تھا کہ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوج گئی ہیں اور میں اس طالب علم سے نفرت کرنے لگا تھا —

اس وقت میرا خیال تھا کہ مجھے ماریا دیرینکووا سے محبت ہے — مجھے نادیژدا شچیرباتووا سے بھی محبت تھی جو ہماری دوکان میں مدد وغیرہ کیا کرتی تھی —— کدبدی، سرخ گالوں‌والی لڑکی، بھرے بھرے ہونٹ، جو ہمیشہ ایک شفیق مسکراہٹ کی وجہ سے بل کھائے رہتے تھے — بات دراصل یہ تھی کہ میں فی الجملہ محبت کرنے کے موڈ میں مبتلا تھا — میری عمر، میرا کردار اور پھر میری الجھی ہوئی زندگی اس بات کا تقاضہ کرتی تھی کہ مجھے عورتوں کی محبت ملے — یہ ایک ضروری چیز تھی، ایسی ضرورت تھی جو وقت سے پہلے نہیں بلکہ کافی تاخیر سے پیدا ہوئی تھی — مجھے عورت کے پیار کی نرمی کی ضرورت تھی یا کم‌ازکم کوئی عورت مجھہ میں دوستانہ دلچسپی ہی لینے لگتی — کسی ایسی ہستی کی ضرورت تھی جس سے میں بےجھجھک اپنے متعلق بات کر سکوں، جو مجھے اس سلسلے میں مدد دے سکے کہ میں اپنے بکھرے ہوئے خیالات کو، تاثرات کے بےپناہ انتشار کو جو میرے دل دماغ پر چھائے تھے، منظم کر سکوں —

میرے قریبی دوست نہیں تھے — میں ان لوگوں کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا جو مجھے ''کچا مال،، سمجھتے تھے جس کی تربیت اور تہذیب کی جائے — ان سے کھلے دل سے بات چیت کرنے کو جی نہ چاہتا — اگر کبھی میں ان سے ان کی دلچسپی کے مخصوص موضوعات کے علاوہ کسی بات کے متعلق کچھہ کہنا چاہتا تو وہ مجھے مختصر مشورہ دے دیتے :

''چھوڑو اس بات کو!،،

rekhta

گوری پلیتنیوف گرفتار ہو گیا اور پیٹرس برگ کے ''کریستی'' نامی قیدخانے میں پہونچا دیا گیا — نیکیفورچ نے مجھے یہ خبر سنائی جب علی الصباح گلی میں اس سے مڈبھیڑ ہوئی — فٹ پاتھہ پر چلتا ہوا، اپنے تمام تمغے لگائے، وہ آہستہ آہستہ میری طرف آ رہا تھا جیسے ابھی پریڈ سے واپس آرہا ہو — لیکن اس کے چہرے پر فکرمندی کی چھاپ تھی — جیسے ہی ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل آئے، اس نے اپنی ٹوپی کی طرف ھاتھہ اٹھایا اور ایک دم میرے پاس سے گذر گیا — پھر یکایک رک گیا اور خفگی بھری آواز میں بولا :

''کل رات گوری گرفتار ہو گیا...''

اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر بڑی مایوسی سے ھاتھہ ہلا کر مدھم آواز میں کہنے لگا :

''بیچارہ لڑکا! اب سمجھو تباہ ہو گیا، برباد ہوا اب!''

مجھے ایسا لگا کہ اس کی چالاک آنکھوں کے کونے میں آنسو جیسی کوئی چیز چمک رہی تھی — پلیتنیوف کو گرفتاری کا خطرہ اور انتظار پہلے سے تھا — اس نے مجھے اس بات سے خبردار کر دیا تھا، مجھے مشورہ دیا تھا کہ اس سے الگ الگ رہوں اور یہ بھی کہا تھا کہ روبتسوف کو بھی ہوشیار کر دینا کیونکہ روبتسوف سے بھی وہ اتنی ہی محبت اور انس رکھتا تھا جتنا مجھ سے —

نیکیفورچ نے اپنی نظریں زمین پر گاڑے گاڑے بڑی بے دلی سے پوچھا :

''تم اب آتے کیوں نہیں؟''

اس شام میں اس کے پاس گیا — وہ اپنے پلنگ پر بیٹھا تھا اور بس جاگ ہی رہا تھا اور وہیں بیٹھے بیٹھے کواس پی رہا تھا — اس کی بیوی کھڑکی پر آلتی پالتی مارے بیٹھی، اس کی پتلون کی مرمت کر رہی تھی — اس نے سوچ میں ڈوبی نظروں سے مجھے دیکھا — پھر وہ سینے کے گھنے، روئیں جیسے بالوں کو کھجاتا ہوا بولا ''تو ھاں،

rekhta

ایسے ہوئی یہ بات کہ وہ لوگ اس کو گرفتار کرکے لے گئے — ان کو ایک ساس‌پان مل گیا جس میں وہ روشنائی بنایا کرتا تھا، زار کے خلاف پرچیاں چھاپنے کے لئے —،،

پھر اس نے فرش پر تھوکا، اپنی بیوی پر غرایا:

''لاؤ، دو پتلون!،،

اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا ''ابھی ایک منٹ میں —،،

بڑے میاں نے اس کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرکے مجھے سمجھایا ''اسے اس کا بہت غم ہے — سارے دن روتی رہی! غم تو مجھے بھی ہے لیکن تم ہی سوچو کہ ایک طالب علم آخر زار کی طاقت کے خلاف کیا کر سکتا ہے؟،،

پھر اس نے کپڑے پہنے اور کہا:

''میں ابھی آتا ہوں اور تم... تم ذرا سماور گرم کرو —،،

اس کی بیوی خاموش، بے حس و حرکت بیٹھی کھڑکی سے باہر خلا میں گھورے جا رہی تھی، لیکن جب دروازہ بند ہو گیا تو اس نے جلدی گھوم کر اسے گھونسہ دکھایا اور دانت پیس کر بڑی جلن اور بغض کے ساتھہ کہنے لگی:

''کھوسٹ بڈھا شیطان کہیں کا! تھڑی ہے اس کی ذات پر!،،

اس کا چہرہ روتے روتے سوج گیا تھا، بائیں آنکھہ پر سیاہ رنگ کا نیل پڑا ہوا تھا جس سے آنکھہ تقریباً بند ہو گئی تھی — اٹھہ کر وہ تندور کے پاس گئی اور سماور پر جھک کر غصے سے بھنبھناتی ہوئی فوں فوں کرنے لگی:

''دیکھنا اس کو کیسی دغا دیتی ہوں — ہاں — ایسی دغا دوں گی کہ چیختا پھرے گا جیسے بھیڑیئے رات میں چیختے پھرتے ہیں — تم اس کی بات کا ہرگز اعتبار نہ کرنا — ایک لفظ کا بھروسہ نہ کرنا — یہ تمہیں بھی پھانسنے کی فکر میں ہے — وہ جھوٹ بکتا ہے — وہ کسی پر ترس نہیں کھاتا — تمہارے بارے میں اس کو

rekhta

سب کچھ معلوم ہے — اسی پر یہ زندہ رہتا ہے! انسان کا شکاری کمبخت!“

وہ میرے قریب آ گئی اور اس طرح مجھ سے مخاطب ہوئی جیسے کوئی بھکاری بھیک مانگے: ”کیا تم مجھے گلے نہیں لگا سکتے؟ کیوں؟“

یہ عورت مجھے بری لگتی تھی لیکن جس ایک آنکھ سے اس نے میری طرف دیکھا اس میں کچھ ایسا درد، ایسا دکھ جھلک رہا تھا کہ میں نے اسے گلے لگا لیا اور اس کے الجھے بالوں کو سہلانے لگا — اس کے بال موٹے اور کھردرے تھے اور چکنائی ان میں تھپی ہوئی —

”اب یہ کس کو تاکے ہوئے ہے؟“ میں نے پوچھا —

”ریبنوریادسکایا کے بورڈنگ ہاؤس میں کچھ لوگ رہتے ہیں — ان پر نگاہ ہے اس کی —“

”کیا نام ہیں ان کے؟“

اس نے مسکرا کر جواب دیا:

”اور جو بات تم مجھ سے پوچھ رہے ہو یہ اگر میں اس کو بتا دوں تو... دیکھو دیکھو، آ ہی گیا — اسی کمبخت نے بیچارے گوری کو شکار کیا...“

اور وہ سٹ سے میرے پہلو سے نکل کر تندور کے پاس پہنچ گئی —

نیکیفورچ روٹی، جام اور وادکا لایا — ہم لوگ چائے پینے بیٹھے — مارینا نے میرے پاس بیٹھ کر مجھے خاص دوستانہ عنائت کے ساتھ چیزیں پیش کیں اور اپنی ایک اچھی والی آنکھ سے، بڑی محبت سے مجھے جھانکتی جاتی، اس کا شوہر مجھے خیرخواہی سے نصیحت کرتا جاتا:

”وہ لوگوں کے دلوں کے اندر سمایا ہوا ہے، ہڈیوں تک میں پیوست ہے —— وہ دھاگا جو دکھائی نہیں دیتا — بھلا اسے کھینچ

rekhta

نکالنے کی، جڑ سے توڑنے کی کوشش تو کر کے دیکھو— زار لوگوں کے لئے وهی اهمیت رکھتا هے جو خدا رکھتا هے —،،

یکایک اس نے پوچھا :

''اب تم کتابوں کے متعلق اتنا جانتے هو— انجیل میں جو کچھه لکھا هے تمهارے خیال میں وہ سب ٹھیک هے، ایں؟،،

''پته نہیں —،،

''میرا تو خیال هے که اس میں بےضرورت چیزیں بھی لکھی هیں — اور وہ بھی کافی تعداد میں! مبارک هیں غریب! بھلا غریبی میں مبارک هونے کی کیا بات هے؟ یه بات ذرا پٹری سے اتری هوئی معلوم هوتی هے اور غریبوں کا جو معامله دیکھو تو بہت سی باتیں ایسی هیں جو دماغ میں واضح اور صاف هی نہیں هیں — ان میں بھی فرق هوتا هے —— مثلاً کچھه غریب ایسے هیں جو هیں هی غریب یا پھر ایسے هیں جو غریب کر دئے گئے هیں — اگر کوئی غریب هے تو وہ آخر کس کام آ سکتا هے — لیکن جو غریب هو گیا هے تو هو سکتا هے، وقتی بدنصیبی هو اس کی — تو اگر اس طرح سوچا جائے تو زیادہ ٹھیک هے —،،

''کیوں؟،،

وہ ذرا دیر کے لئے خاموش هو گیا، متجسس نگاهوں سے مجھے تکنے لگا اور پھر بات شروع کی —— بہت هی صاف اور کھلے ڈھنگ سے —— اور ظاهر تھا یه باتیں بہت هی سوچی ساچی هوئی تھیں —

''انجیل میں رحم حد سے زیادہ هے اور ترس کھانا نہائت خطرناک بات هے — کم از کم میں تو ایسا هی سمجھتا هوں — ترس کھانے کے یه معنی هیں که روپئے کی بہت بڑی مقدار کو بےکار لوگوں پر صرف کیا جائے جو خطرناک بھی هو سکتے هیں — خیرات خانے، قید خانے، پاگل خانے! هونا یه چاهئے که صرف مضبوط اور تندرست

rekhta

لوگوں کی مدد کی جائے تاکہ ان کی قوت بے کار نہ جائے — لیکن نہیں —— ہم لوگ تو کمزوروں، مرگھلوں کی مدد کرتے ہیں گویا کمزور کو بھی طاقتور بنایا جا سکتا ہے — اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مضبوط لوگ اپنی طاقت کھو بیٹھتے ہیں اور کمزور انسان ان کی گردن پر سوار ہو جاتے ہیں — یہ ہے مسلہ مشکل! ہم لوگوں کو یہ اچھی طرح اپنی کھوپڑی میں ٹھونس لینا چاہئے کہ دنیا نے اب انجیل سے الگ ایک رخ اختیار کیا ہے — مدت ہوئے وہ ان چیزوں سے الگ ہو چکی ہے اور اپنی راہ پر چل رہی ہے — اب اس پلیتنیوف کو ہی لو، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کیوں گرفتار ہوا؟ صرف ترس کھانے کی وجہ سے — ہم لوگ فقیروں کو بھیک دیتے ہیں لیکن طالب‌علموں کی کوئی مدد نہیں کرتے، ان کو یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں — اس میں آخر کیا منطق ہے ؟،،

میں اس طرح کے خیالات سے پہلے بھی دو چار ہو چکا تھا لیکن اتنی شدت سے نہیں — عام طور پر لوگ جتنا سمجھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یہ خیالات پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی جڑیں لوگوں کے ذہنوں میں گہری ہیں — اس کے تقریباً سات سال بعد جب مجھے نیتشے کی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تب مجھے قازان کے اس پولیس‌والے کا فلسفہ بالکل یاد آگیا — اور چلتے چلتے یہ بھی کہدوں کہ میں نے شاذ ہی کبھی کتابوں میں ایسے خیالات پائے ہیں جن سے میں حقیقی اور روزانہ کی زندگی میں دوچار نہ ہوا ہوں —

''انسان کا شکاری،، یہ بڈھا باتیں کرتا رہا، کرتا رہا — وہ باتوں کے ساتھ ساتھ چائے کی کشتی پر انگلیوں سے تال دیتا جا رہا تھا — اس کے دبلے پتلے چہرے پر سخت سخت بل تھے لیکن چہرہ میری طرف نہیں مڑا ہوا تھا بلکہ پیتل کے منجھے ہوئے چمکدار سماور کے آئینے کو برابر گھورے جا رہا تھا —

اس کی بیوی نے اسے دو مرتبہ یاد دلایا ''ارے تمہیں جانا

rekhta

ہے نا، تمہارے جانے کا وقت ہو گیا ہے نا —،، لیکن اس بات پر کوئی دھیان دئے بغیر وہ اپنے خیالات کے دھاگے میں ایک کے بعد ایک الفاظ پروتا رہا — اس کی گفتگو اسی طرح ایک ہی انداز میں چل رہی تھی اور کہیں سے تبدیل ہوتی نہیں نظر آتی تھی کہ یکایک اس میں ایک نئی شاخ پھوٹی :

''تم بے وقوف اور بدھو لڑکے تو نہیں ہو، نا؟ پڑھے لکھے بھی ہو — کیا بیکری کا یہ کام تمہارے لئے موزوں ہے ؟ مناسب ہے؟ اتنا ہی پیسہ یا اس سے زیادہ بھی تم پیدا کر سکتے اگر تم زار کی حکومت کے لئے کوئی اور کام کرتے...،،

میں اس کی بات سن رہا تھا لیکن میرا دھیان اس مسئلہ کی طرف لگا تھا کہ ان لوگوں کو جو ربنوریادسکایا کے بورڈنگ ھاؤس میں رہتے تھے، کس طرح ہوشیار کروں — میں ان لوگوں کو جانتا بھی نہیں تھا اور نیکیفورچ ان کے پیچھے لگا ہوا تھا — اس بورڈنگ ھاؤس میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام سرگئی سوموف تھا — وہ ابھی حال ہی میں یالوتوروفسک میں جلا وطنی کے دن کاٹ کر لوٹا تھا — میں نے اس کے متعلق بہت سی باتیں سنی تھیں — دلچسپ باتیں !

''ذہین لوگوں کو چاہئے کہ جتھہ بندی کرکے رہیں جیسے شہد کی مکھیاں چھتے میں یا بھڑیں! زار کی سلطنت...،،

اس کی بیوی بولی ''گھڑی تو دیکھو — نو تو بج بھی گئے ھیں —،،

''لعنت ہے !،، کہہ کے نیکیفورچ اچھلا اور جلدی جلدی اپنی وردی کے بٹن بند کرنے لگا — ''اچھا، اچھا خیر — گھوڑا گاڑی کر لوں گا — خدا حافظ بھائی میرے، آیا کرو، شرمانے کی ضرورت نہیں...،،

آج جب میں اس کے کمرے سے نکلا تو اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر چکا تھا کہ اب نیکیفورچ کے یہاں کبھی نہیں آؤں گا —

rekhta

یہ بڈھا تھا تو دلچسپ مگر نہائت قابل نفرت، اس نے جو باتیں کی تھیں کہ رحم دلی کے بدولت کیا کیا نقصانات ھوتے ھیں ان سے میرا ذھن کافی الجھ گیا تھا اور پریشانی سی ھو رھی تھی، اس کے الفاظ جیسے ذھن میں چپک کر رہ گئے تھے کہ کسی طرح بھولتے ھی نہ تھے — مجھے ان میں تھوڑی سی حقیقت ضرور نظر آئی لیکن مجھے افسوس اس کا تھا کہ اس حقیقت کے رخ سے پردہ ھٹانے والا ایک پولیس کا آدمی تھا —

اس موضوع پر اکثر بحثیں بھی ھوا کرتی تھیں اور اس طرح کے ایک مباحثے نے تو خاص طور پر میرے دل دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا —

بات یہ ھوئی کہ شہر میں ایک ''تالستائی وادی،، وارد ھوا —— پہلا ''تالستائی وادی،، جس سے میری مڈبھیڑ ھوئی — اس کا قد لمبا تھا، ھڈیاں چوڑی اور ٹیڑھی میڑھی، پکا رنگ، بکرے کی سی سیاہ داڑھی اور حبشیوں کے سے موٹے ھونٹ — اس کا قد کسی قدر جھکا ھوا تھا چنانچہ ایسا معلوم ھوتا تھا کہ زمین کو گھورے جا رھا ھے — لیکن وہ باربار ایک دم تیزی سے اپنے نیم گنجے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکتا اور اس کی سیاہ نمناک آنکھوں سے پھوٹتی ھوئی جوشلی نگاھوں کی چمک دل کے پار اترتی چلی جاتی — لیکن اس کی ان کھب جانےوالی نظروں میں سے نفرت کی چنگاریاں سی پھوٹ رھی تھیں — یونیورسٹی کے پروفیسروں میں سے ایک کے گھر پر مباحثہ ھوا — بہت سے نوجوان اکٹھے ھوئے —— ان میں ایک دبلا پتلا پادری بھی تھا جو مذھبیات کی اعلی سند حاصل کر چکا تھا — سیاہ ریشمی جبہ پہنے جس سے اس کے تیکھے نقوش پر چھائی ھوئی زردی بہت اچھی طرح کھل رھی تھی — بھوری، سرد آنکھوں میں ایک اداس، ٹھنڈی مسکراھٹ کی روشنی تھی —

تالستائی وادی نے تفصیل کے ساتھ ان حقیقتوں اور سچائیوں

rekhta

کا بیان کیا جو انجیل میں پائی جاتی ھیں اور ان کی دوامی قوت اور اھمیت پر زور دیا — اس کی آواز بےجان تھی، جملے چھوٹے چھوٹے اور کٹے پٹے لیکن الفاظ زور دار طریقے سے گونجتے تھے اور ان الفاظ سے مخلص اعتقاد کی قوت سننےوالوں تک پہونچتی تھی — بار بار اس کا روئیں سے بھرا ھوا بازو گھومتا ھوا اس کے جسم کے اوپر سے نیچے تک آتا تھا جیسے کسی چیز کے ٹکڑے کاٹ رھا ھو —— بالکل اسی طرح ھر بار — دھنا ھاتھ جیب میں تھا —

''جیسے تھیٹر کا ایکٹر،، کسی نے میرے پاس ھی کونے میں سے آھستہ سے کہا —

''ھاں بےحد تھیٹر قسم کا ھے...،،

اس سے کچھ ھی عرصہ پہلے میں نے ایک کتاب پڑھی تھی —— جہاں تک میرا خیال ھے غالباً ڈریپر کی —— جس میں سائنس کے خلاف کیتھولک مذھب کی جد و جہد بیان کی گئی تھی — اور تالستائی وادی بھی مجھے ان ھی لوگوں کی قسم کا ایک آدمی لگتا تھا جو محبت کی طاقت کے ذریعہ دنیا کو نجات دلانے میں بڑی شدت سے یقین رکھتے ھیں لیکن جن کے ایمان کی شدت اتنی بڑھی ھوئی ھے کہ اسی شدت میں وہ اپنے ھم‌جنس انسانوں کو آگ میں بھی جھونک دینے کو تیار ھیں —

وہ سفید قمیص پہنے ھوئے تھا، چوڑی چوڑی آستینیں اور اس کے اوپر سے ایک پرانی، بھورے رنگ کی عبا — اس لباس کی وجہ سے بھی وہ کمرے میں بیٹھے ھوئے باقی لوگوں سے مختلف لگ رھا تھا — اپنا وعظ ختم کرنے کے بعد اس نے باآواز بلند کہا:

''چنانچہ میں پوچھتا ھوں: آپ حضرت عیسے کے پیرو ھیں یا ڈارون کے؟،،

یہ سوال پتھر کی طرح کمرے کے اس کونے میں گرا جہاں نوجوان طبقہ ایک دوسرے سے چپکا ھوا بیٹھا تھا —— وہ کونہ جہاں

rekhta

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں، دونوں کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جوش اور ہراس کے شعلے بیک وقت لپک رہے تھے — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس تالستائی وادی کی تقریر پر سب ششدر رہ گئے ہیں — سوچ میں سر جھکے ہوئے تھے اور کوئی نہیں بول پا رہا تھا — تالستائی وادی نے کمرے بھر پر شعلہ بار نگاہیں دوڑائیں اور زور سے بولا:

’’ان دو اصولوں کا کبھی میل نہیں ہو سکتا اور صرف وہ لوگ ان دو متضاد چیزوں کا ملاپ چاہ سکتے ہیں جو فریسی ہوں — اور ایسا کرنے میں وہ انتہائی شرمناک خود فریبی اور جھوٹ میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ اس کذب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں...،،

چھوٹا پادری اپنی جگہ سے اٹھا، بڑے سلیقے سے اس نے اپنے جبہ کی آستینیں الٹیں، اس طرح مسکرایا جیسے سب پر بڑی مہربانی کر رہا ہے — پھر اس نے روانی کے ساتھ تقریر کرنی شروع کی اور بڑی نرمی کے ساتھ زہریلے الفاظ استعمال کرنے لگا — ’’یہ واضح ہو گیا کہ جناب عالی بھی فریسیوں کے متعلق اس عام رائے پر یقین رکھتے ہیں جو نہ صرف جاہلانہ اور کھردری ہے بلکہ سرے سے غلط بھی ہے...،،

اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ دلیل پر دلیل دیتا گیا کہ فریسیوں کو یہودیوں کی شریعت کا سچا اور وفادار محافظ سمجھنا چاہئے، کہ عوام نے ہمیشہ اپنے دشمنوں کے خلاف فریسیوں کا ساتھ دیا ہے — ’’مثلاً جوزفس فلیوس کی لکھی ہوئی چیزیں پڑھئے...،،

تالستائی وادی اچھل پڑا اور فلیوس کو ہاتھ کے ایک اشارے سے ٹال کر الگ کیا جیسے اسے تلوار سے ایک ہاتھ مار کر قتل کر دیا ہو، اور پھر چیخا:

’’آج بھی عوام اپنے دوستوں کے مقابلے میں اپنے دشمنوں کا ساتھ دینے لگتے ہیں — عوام اپنی مرضی سے کام نہیں کرتے، ان کو ہنکایا

rekhta

جاتا ہے، ان پر زبردستی کی جاتی ہے — تمہارے فلیوس سے مجھ سے کوئی مطلب نہیں — مجھ سے اس سے کیا واسطہ؟،،

اس پادری اور دوسرے بحث کرنے والوں نے بنیادی سوالات کو اس قدر چتھاڑا کہ پرزے پرزے ہو گئے اور اصل موضوع بحث ہی میں غائب ہو گیا —

''محبت —— حقیقت ہے،، تالستائی وادی نے جوش سے کہا اور اس کی آنکھیں نفرت اور حقارت سے چمک اٹھیں —

مجھے ان الفاظ سے نشہ سا چڑھ گیا یہاں تک کہ ان کے معنی بھی اب میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر تلے کی زمین ڈانوا ڈول ہو رہی ہے اور میں الفاظ کے بگولوں میں لپٹا ہوا گردباد کی طرح چکرا رہا ہوں — بار بار مجھے یہ سوچ کر سخت مایوسی ہوتی کہ دنیا میں کوئی ایسا احمق اور غبی نہ ہوگا جیسا کہ میں ہوں!

اس تالستائی وادی نے اپنے سرخ چہرے پر سے پسینہ پونچھا اور زور زور سے چیخنے لگا:

''الگ ہٹاؤ انجیل کو! بھول جاؤ اس کو، تب تم جھوٹ نہیں بولو گے! عیسے کو ایک بار پھر صلیب پر چڑھا دو —— تو زیادہ ایمانداری ہو گی!،،

اندھی دیوار کی طرح ایک سوال میرے سامنے اٹھ کھڑا ہوا —— یہ سب کیا ہے؟ اگر اس دنیا میں مسرت کے لئے مسلسل جدوجہد کا ہی نام زندگی ہے تو کیا رحم‌دلی اور محبت اس جدوجہد کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے؟

میں نے اس تالستائی وادی کا نام دریافت کیا —— کلوپسکی —— اور یہ کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا تھا — دوسرے دن شام کو میں اس سے ملنے گیا — وہ دو نوجوان لڑکیوں کا مہمان تھا جو زمین‌دار تھیں — میں اس سے ملنے گیا تو باغ میں ایک پرانے لائم کے گھنے

rekhta

درخت کے سائے میں میز اور کرسیاں پڑی تھیں اور وہیں وہ ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا تھا — دبلا پتلا، ٹیڑھا بکلا، نوکیں سی ادھر ادھر نکلی ہوئی، سفید لباس پہنے، کھلی ہوئی قمیص کے گلے کے پاس سے پختہ رنگ کا، بالوں سے بھرا ہوا سینہ دکھائی دیتا ہوا —— اس کا حلیہ بالکل ایسا تھا جیسا میرے خیال میں ایک قلندر پادری کا ہونا چاہئے جو حق کی تبلیغ کرتا ہو —

اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں رس‌بھریاں اور دودھ ملا ہوا تھا اور وہ ایک چاندی کا چمچہ اس میں ڈبو ڈبو کر، مزے لے لے کر کھاتا اور اپنے موٹے ہونٹ چاٹتا جا رہا تھا — ہر چمچے کے بعد وہ دودھ کے سفید قطروں کو پھونک مار مار کر اپنی ننھی سی مونچھ پر سے اڑا دیتا — بہنوں میں سے ایک اس کے پاس کھڑی اسے کھلا رہی تھی اور دوسری، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، آنکھیں تپتے ہوئے گرد آلود آسمان پر جمائے، درخت سے ٹکی کھڑی تھی — دونوں لڑکیاں ایک ہی سے باریک، گلابی رنگ کے لباس پہنے تھیں اور دونوں کی صورتیں بھی آپس میں اس قدر ملتی جلتی تھیں کہ فرق کرنا مشکل تھا —

تالستائی وادی بڑی توجہ اور مہربانی سے مجھ سے باتیں کرنے لگا —— محبت کی تخلیقی قوتوں کے متعلق، کہ کس طرح انسان اپنی روح میں ایسے عشق کی توفیق پیدا کر سکتا ہے کیونکہ یہی وہ قوت ہے جو ''کائنات کی روح کے ساتھ انسان کا تعلق،، پیدا کر سکتی ہے — اس عشق سے آدمی کا ناتہ جوڑ سکتی ہے جو زندگی میں محلول ہے —

''صرف ان چیزوں سے انسان تعلق پیدا کر سکتا ہے — بغیر محبت کے زندگی کو سمجھنا نا ممکن ہے — وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ زندگی کا قانون ہے جدوجہد —— ان کے دل اندھے ہیں، ان کی تباہی یقینی ہے — آگ سے آگ نہیں بجھائی جا سکتی اور اسی طرح بدی سے بدی کا علاج نہیں کیا جا سکتا —،،

rekhta

لیکن بعد کو جب وہ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھہ ڈالے، باغ سے ہوتی ہوئی مکان کی طرف چلی گئیں تو اس آدمی نے آنکھیں سکیڑ کر ان کو دور تک دیکھنے کے بعد مجھہ سے پوچھا :

''تم ہو کون؟،،

جب میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو میز پر انگلیوں سے طبلہ بجاتے ہوئے بات کرنے لگا کہ انسان ہر جگہ ہر حال میں انسان ہے اور کس طرح آدمی کو اپنی دنیاوی حیثیت بدلنے کے بجائے اپنی روح کی تربیت کرنی چاہئے کہ وہ بنی‌نوع انسان سے محبت کر سکے —

''انسان جتنا ہی دنیاوی حیثیت سے نیچا ہوتا ہے اتنا ہی وہ زندگی کی حقیقی صداقتوں اور اس کے مقدس علم و دانش سے قریب ہوتا ہے...،،

اگرچہ مجھے اس بات میں شک تھا کہ ''علم‌ودانش،، سے خود اس کو کتنی واقفیت تھی لیکن میں کچھہ بولا نہیں — مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اکتایا ہوا تھا — اس کی نگاہوں نے مجھے روک دیا — پھر اس نے ایک جماہی لی، دونوں ہاتھہ باندھہ کر سر کے پیچھے جمائے اور ہونٹوں کو تھکن سے جھکاتے ہوئے اس طرح بدبدایا جیسے نیند میں ہو:

''عشق کے آگے سپر ڈال دو... یہی زندگی کا قانون ہے...،،

پھر یکایک اچھلا، ہاتھہ پھیلا دئے، ہوا میں جیسے کسی چیز کو پکڑا، پھر چوکنا ہوکر میری طرف دیکھا :

''یہ کیا ہے؟ معاف کرنا مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں!،،

اور آنکھیں بند کرکے دانتوں کو باہر نکال کر زور سے بھینچا جیسے کسی درد کو ضبط کر رہا ہو — نچلا ہونٹ لٹک گیا اور اوپر والا کھنچ کر نیلی مائل چھوٹی سی مونچھہ سے مل گیا، مونچھہ کے بال کھڑے ہو گئے —

میں واپس ہوا تو ذہن میں اس کی طرف سے ایک غصے کا احساس تھا اور اس کی سچائی اور خلوص پر مبہم مبہم سا شک ہو گیا تھا۔

چند دن بعد میں یونیورسٹی کے ایک جانے پہچانے معلم کے یہاں علی الصباح کلچے پہنچانے گیا — یہ معلم کنوارا تھا اور شرابی۔ تو وہاں کلوپسکی سے میری دوسری بار مڈبھیڑ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات بھر سویا نہیں ہے، چہرہ بھر بھرایا ہوا تھا، پپوٹے سرخ اور سوجے ہوئے تھے۔ مجھے شک ہوا کہ وہ بھی شراب کے نشے میں دھت ہے۔ یونیورسٹی کا موٹا معلم، ناک تک پیٹے ہوئے، صرف جانگیہ پہنے، گٹار ہاتھ میں لئے، فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں طرف تمام فرنیچر بکھرا پڑا تھا۔ کپڑے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے اور بیئر کی خالی بوتلیں لڑھک رہی تھیں۔ وہ جھوم جھوم کر، ہل ہل کر کہتا جا رہا تھا:

''ر... رحم کھاؤ...''

کلوپسکی غصے میں زور زور سے چیخ رہا تھا:

''رحم‌دلی کہاں ہے؟ ترس کہاں ہے؟ ہم لوگ یا تو عشق میں کھو جائیں گے یا عشق کے لئے جدوجہد کرتے کرتے مرجائیں گے — دونوں طرح سے ہماری موت ہے...''

اس نے میرے کندھے پکڑ لئے اور مجھے اس یونیورسٹی کے معلم کے پاس کھینچ لے گیا۔

''یہ لو — اس سے پوچھو یہ کیا چاہتا ہے، پوچھو اس سے — یہ بنی نوع انسان سے محبت کرنا چاہتا ہے کہ نہیں؟''

اس معلم نے آنسو بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور ہنسنے لگا:

''ارے یہ... یہ تو وہ ہے — وہ بیکری والا... اس کے پیسے نکلتے ہیں مجھ پر۔''

لڑکھڑاتے اور جھومتے ہوئے اس نے جیب میں ایک ہاتھ ڈالا اور کنجی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

rekhta

''لو، جو کچھ میرے پاس ہو سب لے لو!،،

لیکن اس تالستائی وادی نے جھٹ سے کنجی جھپٹ لی اور مجھے ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ کیا —

''چلو، چلو، تمہارے پیسے پھر مل جائیں گے —،،

میرے لائے ہوئے کلچے اس نے کونے میں رکھے ہوئے صوفے پر پھینک دئے —

اس نے مجھے پہچانا نہیں اور مجھے اس بات سے خوشی ہوئی — میرے ذہن پر اس کی بات چپکی رہ گئی کہ محبت ہی سے ہماری کمبختی آ جائے گی — اور میرے دل میں اس کے لئے انتہائی کراہیت کا جذبہ ابھر آیا تھا —

اس کے فوراً ہی بعد میں نے سنا کہ اس نے ان لڑکیوں میں سے ایک سے اظہارعشق کیا جن کے گھر وہ ٹھہرا ہوا تھا اور اسی دن دوسری بہن سے بھی اسی طرح کا اظہار کیا — دونوں بہنوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات کہہ دی اور ان کی خوشی نفرت میں بدل گئی — اس شخص کے خلاف ان کے دل میں سخت تلخی اور غصے کا جذبہ پیدا ہوا — انہوں نے دربان کو بھیجا کہ عشق کے اس تبلیغ کرنے والے سے تشریف لے جانے کی درخواست کرے — چنانچہ وہ حضرت شہر سے اڑنچھو ہو گئے —

عشق اور رحم‌دلی اور یہ کہ زندگی میں ان چیزوں کا کیا مقام ہے —— یہ ایک مشکل اور الجھا دینے والا سوال ہے اور شروع ہی سے میرے سامنے درپیش رہا ہے — پہلے تو یہ معاملہ بطون وارواح کی بےچینی کے ایک گہرے احساس کی صورت میں سامنے آتا رہا لیکن یہ بھی اس کی ایک مبہم تعریف ہے — بعد کو پھر ایک صاف اور واضح سوال میرے سامنے آیا کہ محبت آخر کیا ہے؟

میں نے جتنا مطالعہ کیا اس سب میں عیسائی مذہب کے اصول وخیالات اور انسان دوستی کی اشک‌بھری درخواستیں تھیں کہ

rekhta

بنی‌نوع انسان سے رحم‌دلی اور نیکی سے پیش آیا جائے — اس دوران میں میں جتنے بہترین مردوں اور عورتوں سے ملا، ان کی زبانوں نے بھی جوشیلے زور بیان کے ساتھہ ان ہی خیالات کا اظہار کیا تھا — لیکن میں روزانہ کی زندگی میں جو کچھہ دیکھتا تھا اس کی تمام تفصیلیں، نیکی اور رحم‌دلی کے ان خیالات سے بالکل متضاد تھیں! زندگی نے میرے سامنے دشمنیوں اور بےرحمیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پیش کیا تھا جس میں مختلف طرح کی حقیر چیزوں کی ملکیت حاصل کرنے کے لئے نہائت ہی گھٹیا قسم کی چھیناجھپٹی بےروک ٹوک چلتی رہتی تھی — جہاں تک میرا سوال تھا مجھے صرف کتابوں کی خواہش تھی — باقی چیزیں میرے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتی تھیں —

اگر مجھے صرف ایک گھنٹہ بھی گھر سے باہر پھاٹک پر بیٹھنے کو مل جاتا تو یہ صاف نظر آ جاتا تھا کہ یہ تمام لوگ —— کوچوان، مزدور، دربان، افسران، سوداگر، دوکاندار —— اپنی زندگیاں مجھہ سے بالکل مختلف طریقے پر بسر کرتے تھے —— صرف مجھہ ہی سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے بھی مختلف طریقے پر جن کو میں پسند کرتا تھا — یہ لوگ کچھہ اور ہی آرزوؤں کے سہارے چلتے تھے، ان کے مقاصد بالکل الگ تھے — اور وہ لوگ جن کا میں احترام کرتا تھا، جن پر مجھے اعتماد تھا وہ عجیب‌وغریب طریقے سے لوگوں کے لئے بالکل اجنبی تھے، بالکل تنہا تھے — انسانوں کے کثیر جم‌غفیر میں ان کی حالت پردیسی غریب‌الوطنوں کی سی تھی کہ جنھیں کوئی اپنا نہ سمجھتا تھا — محنت کرنےوالے انسانوں کے درمیان پھنسے ہوئے جو کسی نہ کسی طرح گھٹیا قسم کی چوریاں اور چالاکیاں کرکے اس چیونٹیوں کے بل کو قائم رکھنا چاہتے تھے جسے وہ زندگی کہتے تھے — میرے نزدیک یہ گھٹیا زندگی حماقت ہی حماقت تھی کیونکہ اس سے جان لیوا زہر پھوٹتا تھا اور اکثر مجھے یہ نظر آتا تھا کہ جو لوگ محبت اور رحم‌دلی کی بات کرتے تھے وہ لفظی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھتے تھے —

rekhta

جہاں عمل کا سوال آتا تھا وہ بھی لاشعوری طور پر زندگی کے عام دھارے کے بہاؤ کے آگے ہتیار ڈال دیتے تھے —

یہ سارا معاملہ بڑا مشکل، بہت ھی دشوار تھا!

ایک دن لاوروف نے ھانپتے ہوئے کہا:

''ظلم یہاں تک بڑھنا چاہئے کہ لوگ ھر جگہ اس سے عاجز آجائیں، یہاں تک کہ دنیا میں ھر متنفس اس سے نفرت کرنے لگے جیسے اس مکروہ خزاں کے موسم سے لوگ نفرت کرتے ھیں —،، لاوروف جانوروں کا ڈاکٹر تھا اور اسے جلندر کی بیماری تھی جس کی وجہ سے وہ سوج کر پیلا پڑ گیا تھا —

اس سال خزاں جلد آ گئی تھی —— بارش ھو رھی تھی اور سردی بڑی شدید تھی — نتیجہ یہ تھا کہ بیماریاں خوب پھیل رھی تھیں — خود کشیاں عام ھو گئی تھیں — لاوروف نے بھی آخر خود کشی ھی کی — اس نے پوٹاشیم سنائیڈ کھا لیا اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ جلندر کی بیماری اس کا گلا گھونٹ ڈالے —

''مویشیوں کا ڈاکٹر! جانوروں کا تو علاج کرتا ھے اور اپنے آپ جانوروں کی طرح مر گیا،، میدنیکوف درزی نے کہا — لاوروف اسی کے یہاں رہتا اور کھاتا تھا — میدنیکوف ویسے بڑا مذہبی اور متقی آدمی تھا جو معبود کی ماں کے متعلق ھر گیت میں شامل ھو سکتا تھا کیونکہ اسے ساری مناجاتیں یاد تھیں — وہ اپنے بچوں کو باقاعدگی سے روز پیٹتا تھا —— ایک سات برس کی لڑکی اور ایک گیارہ برس کا لڑکا — اس کام کے لئے وہ چمڑے کی ایک تہری چابک استعمال کرتا تھا — اپنی بیوی کی پنڈلیوں پر وہ بانس کی لاٹھی سے مارتا تھا — اکثر شکائت کرتا:

'' مجسٹریٹ صاحب نے مجھ کو ڈانٹا پھٹکارا — کہنے لگے میں نے یہ طریقہ چینیوں سے سیکھا اور میں نے اپنی زندگی میں کسی چینی کو دیکھا تک نہیں ھے — ھاں تصویروں میں ضرور دیکھے ھیں اور دوکانوں کے تختوں پر بھی —،،

سیدنیکوف کی دوکان میں ایک اور درزی کام کرتا تھا ـــــ روکھا سا، ٹیڑھی ٹانگیں ــ سب اس کو ''دونکا کا میاں،، کہتے تھے ــ وہ اپنے مالک کے متعلق کہتا :

''یہ نیک اور مسکین لوگ! اور اوپر سے مذہبی! ان ہی سے تو ڈرنا چاہئے ــ بھڑبھڑئے یا ہنگامہ کرنےوالوں کو تو انسان فوراً سمجھ جائے کہ کیا ہیں اور چھپ جانے کی مہلت بھی مل جاتی ہے لیکن یہ مسکین لوگ ـــــ ایسے دبے پاؤں رینگتے ہوئے آتے ہیں، چالاکی سے، چپکے چپکے، جیسے گھاس میں چھپا ہوا سانپ اور قبل اس کے کہ آپ کو پتہ چلے بس آپ کو ڈس لیا جاتا ہے، ٹھیک اسی جگہ سے جہاں آپ کا دل سب سے زیادہ کھلا ہوا ہوگا ــ میں تو بھئی اس طرح کے لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں ـــــ مسکینوں سے، پرہیز گاروں سے...،،

ویسے ''دونکا کا میاں،، خود بھی بہت مسکین اور چالاک قسم کا تھا اور ہر وقت میدنیکوف سے ادھر ادھر کی جڑا کرتا تھا ــ اسی لئے وہ میدنیکوف کو عزیز بھی تھا لیکن جو بات اس نے کہی وہ بالکل صحیح تھی ــ

بعض وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسکین لوگ زندگی کے سخت، چٹانی دل پر یوں اگ آتے تھے جیسے پتھر پر کائی لگ جاتی ہے ــ وہ اس پتھر کے رنگ کو ہلکا کر دیتے ہیں، اسے زیادہ نرم اور زرخیز کر دیتے ہیں، پھر بھی اکثر جب میں اس چیز کی زیادتی دیکھتا، یہ دیکھتا کہ کس طرح وہ کمینےپن پر اتر آتے ہیں اور جب ان کی پھسلواں طبیعت، روح کی لچک اور ڈھلمل پن کو دیکھتا اور ان کی کمزور پتلی، رونی، تن تن تن سنتا ـــــ تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میں ایک گھوڑا ہوں جسے بہت سی مکھیوں کے نرغے میں جکڑ کر باندھ دیا گیا ہے ــ

جب میں اس پولیس‌والے کے کمرے سے اپنے گھر کی طرف لوٹا تو یہ سب خیالات میرے دماغ میں بھرے ہوئے تھے ــ ہوا آہس

rekhta

بھر بھر کر چل رہی تھی جس سے سڑک کے چراغوں کی لو بھڑک بھڑک اٹھتی تھی اور اس کی وجہ سے ایسا لگتا تھا جیسے تاریک سرمئی آسمان کانپ کانپ اٹھتا ہو اور ہر کپکپی کے ساتھہ اکتوبر کی مہین ریت کی سی بارش چھن کر گر پڑتی تھی — ایک بھیگی ہوئی رنڈی سڑک پر چلی آرہی تھی، ایک آدمی کو کھینچتی، گھسیٹتی، جھٹکے دیتی — وہ آدمی ٹھن ٹھن کرتا جا رہا تھا اور نہ جانے کیا بدبدا رہا تھا — عورت تھکی ہوئی بے جان آواز میں کہہ رہی تھی:

”ارے یہ تو قسمت ہے، تقدیر ہے...“

اور میں نے سوچا ”یہ بات ہے! یہی تو معاملہ میرے ساتھہ بھی ہے — مجھے بھی تو گھسیٹا جا رہا ہے — دھکے دے دے کر مجھے بھی ایسے مکروہ کونوں میں دھکیلا جا رہا ہے جہاں گندگی ہے، دکھہ ہے اور اس طرح کے مرد عورتیں ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں — اور میں بالکل تھک گیا ہوں —“

الفاظ بالکل یہی تو شائد نہ رہتے ہوں لیکن خیالات بنیادی طور پر ایسے ہی تھے جو اس اداس شام کو میرے ذہن میں چکر کاٹ رہے تھے — اس وقت پہلی مرتبہ مجھے اپنی روح کی تھکن کا احساس ہوا، اس تیزابی پھپھوندی کا احساس ہوا جو میرے دل کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی اور اس وقت سے میری ذہنی کیفیت بدتر ہونے لگی — میں اپنے آپ کو اجنبی نظروں سے دیکھنے لگا، غیرنگاہوں سے اپنا جائزہ لینے لگا —— سرد آنکھوں سے، اجنبی آنکھوں سے، دشمن کی نظروں سے!

تقریباً ہر انسانی روح کے اندر مجھے تضادات کی ایک خاردار اور منتشر بستی نظر آنے لگی — تضاد جو نہ صرف الفاظ اور عمل سے متعلق تھے بلکہ جذبات سے بھی — اور ان جذبات کا رہ رہ کر مظاہرہ مجھے خاص کر پریشان کیا کرتا — اپنی روح میں بھی مجھے یہ کھیل نظر آتا تھا اور یہ سب سے بڑھہ کر مصیبت تھی — ہر چہار طرف میری

rekhta

طبیعت کھنچتی تھی: عورتوں اور کتابوں کی طرف، محنت کش مزدوروں اور کھلنڈرے ہنستے کھیلتے طالب علموں کی طرف لیکن وقت نہیں ملتا تھا کہ ان رجحانات میں سے کسی ایک کو بھی مطمئن کر سکوں۔ ایک چیز سے دوسری کی طرف میں اس طرح چکر کھاتا ہوا لڑھکتا پھرتا تھا جیسے کوئی ناچتا ہوا لٹو۔ کوئی انجانا ہاتھ جو نظر نہیں آتا تھا مگر نہائت قوی تھا جیسے مجھے ایک ان‌دیکھی چابک مارتا ہوا آگے کو ہنکا رہا تھا۔

مجھے معلوم ہوا تھا کہ یاکوف شاپوشنیکوف کو ہسپتال لے جایا گیا تھا، اس لئے میں اس سے ملنے وہاں گیا۔ لیکن ایک موٹی سی عورت منھہ بسورے، عینک چڑھائے، سر پر سفید رومال مرجھائے ہوئے سرخ بھڑکتے کانوں کے پیچھے باندھے آئی اور مجھ سے بڑی بے نیازی سے بولی:

’’وہ مر گیا!،،

جب میں یہ جواب سن کر نہیں ہٹا بلکہ وہیں اس کا راستہ روکے کھڑا رہا تو اس کو غصہ آ گیا۔ چڑ چڑا کر پوچھنے لگی:

’’کیوں؟ اور کیا چاہئے؟،،

پھر مجھے بھی غصہ آگیا:

’’تم گدھی ہو — احمق!،،

’’نکولائی، آنا — ذرا اس کو نکال باہر کرنا!،،

نکولائی کچھ تانبے کی سلاخوں کو ایک چیتھڑے سے چمکا رہا تھا، غراکے اس نے میری پیٹھ پر ایک سیخ رسید کردی۔ اس پر میں نے اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور دروازے کے باہر لے جاکر ہسپتال کی سیڑھیوں کے پاس کیچڑ کے ایک چھلے میں بٹھا دیا۔ ایک دو منٹ تو وہ اسی جگہ بیٹھا مجھے حیران نظروں سے تکتا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

’’اخ، کتے کا پلا!،،

rekhta

میں وہاں سے نکل کر درژاوین پارک میں گیا اور وہاں شاعر کے بت کے نیچے لگے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا — میرے دل میں ایک آگ سی لگی تھی کہ کوئی مکروہ حرکت کروں، کوئی ذلیل بات کروں تاکہ لوگوں کے جتھے کے جتھے مجھ پر ٹوٹ پڑیں اور اس ٹوٹ پڑنے کی بدولت مجھے یہ حق حاصل ہو جائے کہ میں جواباً ان کو پیٹوں — لیکن چھٹی کا دن ہونے کے باوجود پارک میں اور آس پاس کی گلیوں میں کوئی متنفس تک نظر نہ آتا تھا — صرف ہوا جھکورے لے لے کر، سوکھی ہوئی پتیوں کو اڑاتی ہوئی چل رہی تھی — قریب کے ایک لیمپ پوسٹ پر چپکے ہوئے کسی اشتہار کا ایک کونہ جو گوند سے چھٹ گیا تھا، ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا —

جھٹپٹے کا وقت تھا، ہوا میں خنکی آتی جا رہی تھی اور آسمان پر گہری نیلی سیاہی بڑھتی آرہی تھی — میرے سامنے شاعر کا مجسمہ ایک تانبے کے بت کی طرح لگتا تھا — میں اس کی طرف غور سے دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ ایک انسان اس دنیا میں رہتا تھا —— یاکوف —— جس کی روح اکیلی اور تنہا تھی اور وہ اس روح کی پوری قوت کے ساتھ معبود سے بر سرپیکار تھا — لیکن وہ انسان بس یوں مر گیا —— بالکل معمولی طریقے سے! یہ کس قدر ہتک‌آمیز بات تھی، کس قدر ناقابل برداشت!

اور وہ نکولائی کس قدر الو اور بدھو تھا — اس کو چاہئے تھا کہ مجھ سے لڑتا یا پولیس کو بلوا کر مجھے حوالات میں بھیج دیتا —

میں روبتسوف سے ملنے گیا اور دیکھا کہ وہ اپنی کوٹھری میں میز کے پاس جھکا بیٹھا ہے — میز پر ایک ننھا سا چراغ جل رہا تھا اور وہ اس کی روشنی میں اپنی صدری کی مرمت کر رہا تھا —

''یاکوف مر گیا،، میں نے آہستہ سے کہا —

بڈھے آدمی نے اپنا ہاتھ اٹھایا جس میں وہ ابھی تک سوئی پکڑے ہوئے تھا — ظاہر ہے کہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنانے کے

rekhta

لئے اس نے یوں ایک دم سے ھاتھہ اٹھایا تھا — لیکن پھر رک گیا — دھاگا کسی چیز میں الجھہ گیا اور بہت آھستہ سے اس نے ماں کی گالی دی —

کچھہ دیر بعد بڑبڑایا :

''ویسے تو ھم سب کو ھی ایک نہ ایک دن مرنا ھی ھے — لوگوں کی بھی کیا ھی بری عادت ھے! ھاں یہ تو ھوتا ھی رھتا ھے — یا کوف —— تو وہ مر گیا — اچھا — اور یہاں گلی کے نکڑ پر ایک ٹھٹھیرا رھتا تھا وہ بھی تو چلا گیا — پچھلے اتوار کو — پولیس اس کو لے گئی تھی — کوری نے مجھے اس سے ملایا تھا — میں اس کو جانتا تھا، اس ٹھٹھیرے کو — ھوشیار آدمی تھا اور طالب‌علموں کا دوست — یہ طالب علم کچھہ گڑبڑ اٹھائے ھوئے ھیں، تم نے کچھہ سنا؟ لو ذرا یہ جیکٹ سی دو — مجھے تو کچھہ سوجھہ ھی نہیں رھا ھے —،،

اس نے اپنے چتھیڑے اور سوئی دھاگہ میرے حوالے کر دیا اور خود کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا ھاتھہ پیچھے باندھے ھوئے، کھانس کھانس کے بدبداتا ھوا :

''کبھی یہاں، کبھی وھاں ایک شعلہ لپک اٹھتا ھے اور پھر شیطان اسے پھونک مارکر بجھا دیتا ھے اور پھر وھی روزانہ کی بھاگ دوڑ شروع ھو جاتی ھے — یہ کمبخت شہر بڑا منحوس ھے — دریا جمنے اور کشتیاں رکنے سے پہلے بھیا میں تو یہاں سے چلا جاؤں گا —،،

پھر وہ رک گیا اور اپنی گنجی کھوپڑی کھجاتے ھوئے جیسے مجھہ سے پوچھنے لگا :

''مگر کہاں جاؤں گا؟ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں نہ گیا ھوں — ھاں میں نے بہت سفر کیا ھے اور اپنے آپ کو تھکا لیا ھے —،،

پھر تھوک کر بولا :

''زندگی! لعنت ھے اس پر! زندہ رھو، کام کرو، محنت کرو اور پھر کچھہ حاصل نہیں —— نہ جسم کو، نہ روح کو...،،

rekhta

کونے میں چپ چاپ کھڑا ہو کر وہ اس طرح کان لگائے رہا جیسے کچھ سن رہا ہے — پھر تیزی سے کمرے کو پار کرکے میز پر میرے پاس بیٹھ گیا —

"میں یہ کہتا ہوں، الکسئی میرے — کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ یاکوف نے اپنا اتنا بڑا اور فراخ دل خدا کی ذات کے جھگڑے میں ختم کردیا — خدا کیا کسی کی حالت سدھار سکتا ہے، نہ زار سدھار سکتا ہے اور نہ ان دونوں کے وجود سے انکار کرنے سے ہماری حالت سدھر سکتی ہے — اصلی بات یہ ہے کہ عوام کو خود اپنے کو برا بھلا کہنا چاہئے، اپنی حالت سے غیر مطمئن ہونا چاہئے — وہ جو یہ سڑی ہوئی بدحال زندگی بسر کر رہے ہیں اس زندگی سے یک‌قلم انکار کر دینا چاہئے — یہ بات ہے! میں تو بوڑھا آدمی ہوں — کچھ کر بھی نہیں پایا — بہت دن نہیں گذریں گے کہ نپٹ اندھا ہو جاؤں گا — یہ بہت ہی بری بات ہے بھیا — بڑی گڑبڑ ہے — جیکٹ ختم کر لی؟ شکریہ... آؤ چلو شراب خانے میں چلیں — چائے ہی لی جائے تھوڑی سی..."

شراب‌خانے کو جاتے وقت میرے کندھے کا سہارا لئے ٹھوکریں کھاتا چل رہا تھا — اس کی بات جاری تھی:

"میری بات گرہ سے باندھ رکھو — عوام کا یہ صبر، یہ برداشت کسی نہ کسی دن ختم ہوگی، ضرور ختم ہو جائے گی، ان کو غصہ آئے گا اور وہ ہر چیز کو چکناچور کرکے دھر دیں گے، اپنی ان تمام گلی سڑی چیزوں کو پرزہ پرزہ، ریزہ ریزہ کر دیں گے — لوگوں کی یہ برداشت ضرور ختم ہوگی، یقیناً ختم ہوگی..."

شراب‌خانے پہنچنا ہم دونوں کو نصیب نہ ہوا — ہماری مڈبھیڑ دریائی ملاحوں کے ایک جتھے سے ہوئی جو ایک قحبہ‌خانے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے — الافوزوف مل کے مزدور اس قحبہ‌خانے کا بچاؤ کر رہے تھے — روبتسوف نے اپنی عینک اتاری اور بڑے مزے میں کہا

rekhta

''یہاں ہر چھٹی کے دن جھگڑا ہوتا ہے!،، بچاؤ کرنےوالوں میں اسے اپنے کئی دوست نظر آئے اور وہ اپنے ساتھیوں کا دل بڑھانے والے نعرے لگاتا ہوا جنگ میں شریک ہو گیا: ''ہاں، مقابلہ کئے جاؤ بنکرو! پیس دو ان مینڈکوں کو! بھیجا نکال لو ان پدیوں کا! اخ! اخ!،،

اس کا جوش دیکھ کر حیرت ہوتی تھی — یہ ماہرفن انسان! کس خوبی سے ملاحوں کے درمیان لڑتا ہوا اپنے لئے راستہ نکالتا جا رہا تھا —— مکے مارتا، مخالفوں کو کندھے کے دھکوں سے گراتا — مجمع بڑے جوش اور بڑی دلچسپی سے لڑرہا تھا جیسے اسے غصہ یا بغض بالکل نہ ہو بلکہ صرف لطف لینے کے لئے لڑ رہا ہو گویا فالتو قوت جمع ہو گئی تھی اور وہ نکسی کا رستہ تلاش کر رہی تھی! ملاحوں کے ایک گھنے اندھیرے مجمع نے مل مزدوروں کو یہاں تک دھکیلا کہ چوبی پھاٹک چوں سے بولا، خوشی کی چیخیں بلند ہوئیں:

''لینا اس گنجے سپاہی کو!،،

لڑنےوالوں میں سے دو مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور ایک جوشیلا راگ شروع کیا:

ہم چور نہیں، ڈاکو
بھی نہیں، رہزن بھی نہیں —
ہم ہیں جہاز پر کام کرنےوالے مچھیرے —
ہاں ہاں ہم مچھیرے ہیں!

پولیس کی سیٹی سنائی دی — اندھیرے میں وردیوں کے پیتل کے بٹن چمکنے لگے — پیروں کی چاپ کے نیچے سے کیچڑ کی بھچر بھچر سنائی دینے لگی — چھت سے گیت لہراتا رہا:

ہم ڈالیں جال، نکالیں جال،
ہم سوکھے ساحل پر پھیلائیں جال،

rekhta

موٹے سوداگروں کے تہہ خانوں میں اپنے جال بچھاتے ہیں...

’’بس بس! مرتے کو نہ مارو!،،
’’دادا، وہ دیکھو!،،

آخر کار میں اور روبتسوف اور پانچ چھ دوست دشمن ملا کر تھانے کی طرف کھینچے جانے لگے — خزاں کی رات کی نئی نویلی خاموشی میں گیت ہم کو دور تک سنائی دیا:

لو ہم نے چالیس مچھلیاں پکڑ لیں،
لو ہم نے بھر لئے اپنے جال

روبتسوف نے خون تھوک کر اور اپنی زخمی ناک چھنک کر بڑی شان سے کہا ’’یہ والگا کے پاس کے لوگ — کتنے اچھے لوگ ہیں!،، پھر میرے کان میں پھس سے بولا ’’تم نکل بھاگو — اس گڑبڑ میں ذرا موقع دیکھتے رہو اور کھسک جاؤ — آخر تم کو حوالات جاکے کیا لینا ہے؟،،

پہلو میں ایک پتلی سی گلی پڑی، میں سٹ سے اس میں غوطہ مار گیا — ایک لمبے سے ملاح نے بھی میری ہی طرح کیا — پھر ہم لوگ ایک دیوار کودے اور پھر دوسری — اور یہ میری اور میرے محبوب دوست نکیتا روبتسوف کی آخری ملاقات تھی!

میری زندگی میں دن بدن خلا بڑھتا جارہا تھا — طالب علموں کا ہنگامہ شروع ہوگیا تھا لیکن نہ وہ ہنگامہ میری سمجھ میں آتا تھا نہ اس کے اسباب اور اس کے مقاصد سمجھ میں آتے تھے — مجھے وہ بانکے طالب علم شور مچاتے نظر آتے تھے لیکن اس کے پیچھے جو بنیادی جدوجہد تھی وہ نہیں دکھائی دیتی تھی اور میں یہ سوچتا تھا کہ یونیورسٹی میں پڑھنے کی خاطر انسان ہر طرح کی اذیت بھی برداشت کر سکتا تھا — اگر مجھ سے کوئی کہتا کہ ’’تم یونیورسٹی میں پڑھو

rekhta

لیکن اس کے عوض میں تم کو نکولائیفسکی چوک میں کھڑا کرکے ڈنڈے مارے جائیں گے،، —— تو غالباً میں راضی ہو جاتا —

سیمیونوف کی بیکری میں جھانکا تو مجھے پتہ چلا کہ وہاں کے نانبائی اور اور مستری سب یونیورسٹی جاکر طالب‌علموں کو پیٹنے کا پلان بنا رہے ہیں —

''ہم لوگ کچھہ لوہے کے باٹ لے چلیں گے،، وہ لوگ ہنس ہنس کر غصے میں کہہ رہے تھے —

میں نے ان لوگوں سے بحث کرنی چاہی — لیکن یکایک یہ محسوس کرکے ششدر رہ گیا کہ میرا بھی ان طالب‌علموں کی طرف داری میں کچھہ کہنے کو جی نہیں چاہتا تھا — اور جب میں وہاں سے چلا تو لڑکھڑا رہا تھا — دل میں ایک ایسا دکھہ تھا جو بے انتہا تھا اور جس کو دبایا نہیں جا سکتا تھا — رات گئے تک میں قابان کے کنارے بیٹھا اس کے سیاہ پانی میں کنکر پھینکتا رہا اور وہی ایک خیال تین الفاظ کے روپ میں باربار میرے ذہن میں چکر کاٹتا تھا:

''میں کیا کروں؟،،

اس خلا کو کسی طرح بھرنے کے لئے میں نے وائلن سیکھنا شروع کیا — رات کے وقت میں دوکان میں بجایا کرتا تھا جس سے دربان اور چوہوں کو بہت پریشانی ہوتی تھی! مجھے موسیقی سے عشق تھا اور اس نئی دلچسپی اور شوق کے بہاؤ میں بہہ گیا — لیکن ایک رات میں سبق سیکھتے سیکھتے ایک منٹ کو باہر گیا تو میرے ماسٹر نے جو تھیٹر آرکسٹرا میں وائلن بجاتا تھا روپئے کی دراز کھول لی جسے میں تالا لگانا بھول گیا تھا — اب جو میں واپس آتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جلدی جلدی اپنی جیبوں میں روپئے بھر رہا ہے — جب اس نے مجھے دروازے پر کھڑا دیکھا تو اپنا پھیکا شیو کیا ہوا چہرہ میری طرف بڑھایا جیسے تھپڑ مارنے کو کہہ رہا ہو اور آہستگی سے بولا:

''لو —— مارو!،،

rekhta

اس کے بے رنگ ہونٹ کانپ رہے تھے، بڑی بڑی آنکھوں سے غیرمعمولی طور پر آنسو کے بڑے بڑے قطرے ٹپک رہے تھے — بے اختیار میرا دل چاہا کہ اسے ماروں! لیکن اپنے آپ کو اس سے باز رکھنے کے لئے میں زمین پر بیٹھ گیا اور دونوں مٹھیوں کو اپنے نیچے دبا کر اسے حکم دیا کہ روپیہ دراز میں واپس رکھ دو — اس نے جیبیں خالی کیں اور جانے کے لئے دروازے کی طرف چلا، پھر رک گیا اور اونچی مگر احمقانہ اور خوفزدہ آواز میں بولا :

''مجھے دس روبل دے دو!،،

میں نے اسے دس روبل دے دئے لیکن وائلن سیکھنا بند کر دیا —

دسمبر میں میں نے فیصلہ کیا کہ خود کشی کر لوں — بعد میں میں نے اسی واقعے کو اپنی ایک کہانی ''ماکار کی زندگی کا ایک حادثہ،، میں لکھا — اس کہانی کا پس منظر میری یہی خود کشی ہے لیکن میں اس کہانی میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں کیونکہ وہ ناگوار اور اوبڑ کھابڑ ہے اور باطنی سچائی سے خالی — ویسے میرا خیال ہے کہ باطنی سچائی کا یہ فقدان ہی اس کہانی کی خوبی ہے — اس میں واقعات صاف صاف بیان کئے گئے ہیں لیکن ان کی تفسیر میری کی ہوئی نہیں معلوم ہوتی اور پوری کہانی کا مجھ سے کوئی واسطہ نظر نہیں آتا — ادبی حیثیت سے قطع نظر اس کہانی میں، کم از کم میرے لئے، کوئی شے ایسی ضرور ہے جو گوارا ہے —— جو اپنے نفس پر فتح کو ظاہر کرتی ہے —

میں نے بازار سے ایک سیکنڈ ہینڈ طمنچہ خریدا جس میں چار گولیاں بھریں — میں نے ایک گولی اپنے سینے میں مار لی — کوشش تو میں نے یہ کی تھی کہ وہ دل میں لگے لیکن وہ صرف پھیپھڑے کو چھید کر رہ گئی — اور ایک ماہ بعد میں اپنے کو نہائت ہی احمق سمجھتا ہوا اور بے حد شرمندہ بیکری میں کام پر واپس آ گیا —

rekhta

مجھے کام کرتے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ایک شام مارچ کے آخر میں بیکری سے لوٹتے ہوئے میں نے دیکھا کہ دوکان کے پیچھے والے کمرے کی کھڑکی پر خوخول بیٹھے ہیں — وہ ایک موٹا سا سگرٹ پی رہے تھے اور کسی فکر میں کھوئے، چاروں طرف منڈلاتے ہوئے دھوئیں کو گھورتے جا رہے تھے — سلام دعا کئے بغیر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا :

’’تمہارے پاس کچھ فاضل وقت ہے؟،،

’’بیس منٹ —،،

’’بیٹھ جاؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے —،،

ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی وہ موٹے کھاروے کا کوٹ پہنے ہوئے تھے جس کے سب بٹن بند تھے، سنہری داڑھی چوڑے سینے پر پھیلی ہوئی تھی اور چھوٹے ترشے ہوئے بال برش کی طرح ان کی ضدی پیشانی پر ابھرے تھے، پاؤں میں بھاری دیہاتی جوتے تھے جن سے تارکول کی تیز بو آ رہی تھی —

’’تو اب بات یہ ہے،، انہوں نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا ’’کیوں چلتے ہو تم میرے یہاں رہنے کے لئے؟ میں کراسنوویدووا گاؤں میں رہتا ہوں جو والگا کے کنارے اتار کی طرف تقریباً تیس میل دور ہے — وہاں میری ایک دوکان ہے، تم دوکان میں میری مدد کرنا — اس میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لگے گا — میرے پاس ایک اچھی لائبریری ہے — تمہیں پڑھنے لکھنے میں بھی مدد دے سکتا ہوں — راضی ہو؟،،

’’ہاں —،،

’’تو کرباتوف کے گھاٹ پر جمعہ کی صبح کو چھ بجے پہنچ جانا اور کراسنوویدووا کی کشتی دریافت کر لینا — مالک کا نام واسیلی پانکوف ہے — ویسے دراصل تمہیں پوچھنے پاچھنے کی بھی ضرورت

نہیں پڑے گی کیونکہ میں خود وہاں تم سے پہلے پہنچ جاؤں گا — خدا حافظ — ،،

جانے کو اٹھتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک چوڑا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھایا اور دوسرے ہاتھ سے اندر کی جیب سے ایک بھاری سی چاندی کی گھڑی نکالی اور بولے :

،،ہم دونوں کی بات چیت میں چھ منٹ لگے! اور ہاں —— میرا نام روماس ہے، میخائل روماس، سمجھے — ،،

وہ روانہ ہو گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں — بس لمبے لمبے جمے ہوئے قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہے — بھاری جسم بڑے مزے میں ادھر ادھر جھومتا جھامتا!

دو دن بعد میں کراسنوویدووا کو روانہ ہو گیا —

والگا نے حال ہی میں اپنی زنجیریں تڑائی ہیں — چٹخی ہوئی نیلی مائل برف کے بڑے بڑے ٹکڑے پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کی طرف بہہ رہے ہیں اور گدلے بھنوروں میں ڈولتے جا رہے ہیں — ہماری کشتی بار بار ان کو جا لیتی ہے اور وہ کشتی کے پہلوؤں اور کناروں سے ٹکرا ٹکرا کر چٹختے جا رہے ہیں — بعض کشتی سے ٹکر کھاتے ہی چکنا چور ہو جاتے ہیں اور شیشے کی نوکدار تیز کرچیں سی اڑنے لگتی ہیں — ہوا خوب تیز چل رہی ہے اور پانی کو دھکیل کر ساحل کی طرف لے جا رہی ہے — سورج کی چکا چوند کرنےوالی کرنوں کا عکس برفیلے تودوں کے نیلگوں پہلوؤں سے پھوٹتی ہوئی سفید روشنی میں نظر آ رہا ہے — کشتی میں خوب بوجھ بھرا ہوا ہے —— پیٹیاں، ٹنکیاں، بوریاں —— اور کشتی بادبان اٹھا کے چل رہی ہے — پانکوف کے ہاتھ میں پکھوا ہے — وہ نوجوان کسان ہے — ذرا بانکے اور رنگیلے انداز سے کپڑے پہنے ہوئے ہے — بھیڑ کے رنگے ہوئے چمڑے کی جیکٹ سینے پر موٹے، رنگ برنگ دھاگوں سے کڑھی ہوئی ہے — اس کا چہرہ پرسکون

ہے، آنکھیں سرد ہیں اور وہ نہائت باوقار اور اپنے کو لئے دئے لگتا ہے — کسان بالکل نہیں معلوم ہوتا — کشتی کے اگلے حصے پر ہاتھ میں انکسی لئے کوکوشکن ہے جسے پانکوف نے مزدوری پر رکھ چھوڑا ہے —— میلا سا، چھوٹا سا آدمی، پھٹا ہوا کوٹ، کمر میں رسی کی پیٹی بندھی ہوئی اور مڑی تڑی ہیٹ جو کبھی کسی پادری کی رہی ہوگی — اس کے چہرے پر چوٹ کے نشان ہیں — وہ برف کے تودوں پر باربار لمبی انکسی پھینکتا ہے اور حقارت سے غراتا ہے :

’’دور ہو... کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟ یہ چلے کدھر؟،،

بادبان کے نیچے جو پیٹیوں کا ڈھیر ہے اس پر میں اور روماس بیٹھے ہیں — وہ آہستہ آہستہ کہتے ہیں :

’’کسان لوگ مجھے پسند نہیں کرتے، خاص کر خوشحال کسان! اور تمہیں بھی اس سلسلے میں اپنے حصے کی نفرت بھگتنی پڑے گی —،،

کوکوشکن اپنی انکسی کشتی پر آڑا رکھ دیتا ہے اور اپنا گھساپٹا چہرہ ہماری طرف موڑ کر بڑے مزے میں ٹکڑا لگاتا ہے :

’’میخائل، دراصل پادری صاحب آپ سے سب سے زیادہ نفرت کرتے ہیں...،،

’’وہ تو ہے ہی،، پانکوف اتفاق کرتا ہے —

’’آپ تو اس کے حلق کی ہڈی ہیں — کتے کی دم!،،

’’لیکن میرے دوست بھی ہیں اور وہ تمہارے بھی دوست ہوں گے،، خوخول بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں —

ہوا میں خوب ٹھنڈک ہے — مارچ کا چمکتا ہوا سورج بھی زیادہ گرمی نہیں پہونچا پا رہا ہے — دریا کے ساحل پر سیاہ ننگی ننگی شاخوں والے درخت جھوم جھوم کر جھکورے لے رہے ہیں — یہاں وہاں ساحل کی سایہ دار دراڑوں میں یا کنارے کے قریب پھیلی ہوئی جھاڑیوں کی چھائیوں میں مخملی برف کے ٹکڑے ابھی تک جمے

rekhta

ہوئے ہیں — بھٹکتے ہوئے برف کے ٹکڑوں سے دریا بند کی دار ہو رہا ہے جیسے چراگاہ میں چرتا ہوا بھیڑوں کا بکھرا ہوا گلہ — مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھہ رہا ہوں —

کوکوشکن اپنی پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے فلسفہ بگھارنے لگتا ہے:

''یہ تو سچ ہے کہ آپ پادری صاحب کی کوئی بیوی تو ہیں نہیں مگر یہ تو ان کا فرض منصبی ہے —— ہے نا، کہ تمام مخلوق سے محبت کریں جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے —،،

روماس کھس سے ہنس پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ''مگر یہ تم کس سے جلے بھنے بیٹھے ہو؟،،

''کسی سے خاص تو نہیں — وہ کچھہ بے ہودہ قسم کے لوگ ہیں — سمجھہ ہی میں نہیں آتے — اگر کبھی یہ پتہ چلے کہ چوری کرتے ہیں تو مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا،، کوکوشکن حقارت سے جواب دیتا ہے — پھر بڑے فخر سے کہتا ہے ''ایک مرتبہ کچھہ فوجیوں نے مجھے پیٹا! توپ خانے کے لوگ تھے —— وہ البتہ تھا زوردار معاملہ — معلوم نہیں میں زندہ کیسے بچ گیا —،،

''لیکن انہوں نے ایسا کیوں کیا؟،،

''کب؟ کل؟ یا ان فوجیوں نے؟،،

''ہوں —— کل —،،

''گویا انسان کبھی یہ بتا بھی سکتا ہے کہ یہ لوگ کیوں کسی پر ٹوٹ پڑتے ہیں — یہ ہمارے عوام بس ہٹ دھرم ہیں، بکرے ہیں بکرے! ذرا سی بات ہوئی اور مکوں پر اتر آئے — گویا ان کا تو منصب ہی یہی ہے —— مکے استعمال کرنا!،،

روماس کہتے ہیں ''میرا تو خیال ہے کہ وہ لوگ تمہاری زبان کی وجہ سے تمہاری دھنائی کرتے ہیں — تمہیں کچھہ ہوش بھی رہتا ہے کہ کیا کہتے ہو، بس بے حد بے پرواہی سے زبان چلتی رہتی ہے تمہاری!،،

’’ہاں ہو سکتا ہے! مجھے ویسے ذرا کرید تو لگی رہتی ہے! عادت ہی ایسی بری پڑ گئی ہے کہ لوگوں سے سوالات کئے جاتا ہوں — بات یہ ہے کہ کوئی نئی بات سن کر مجھے خوشی بہت ہوتی ہے —‘‘

کشتی کی ناک زور سے برف کے ایک بڑے سے تودے سے ٹکراتی ہے — دوسرا تودہ کشتی کے پہلو میں ہی چل رہا ہے جیسے کوئی دشمنی میں پیچھا کر رہا ہو — کوکوشکن ذرا لڑکھڑاتا ہے، پھر اپنی انکسی اٹھا لیتا ہے — پانکوف اس کو ملامت کرتا ہے ’’استیپان، اپنے کام کا دھیان رکھہ نا!‘‘

’’پھر مجھے باتوں میں نہ لگاؤ‘‘ کوکوشکن برف کو دھکیلتے اور ہٹاتے ہوئے کہتا ہے — ’’میں تم سے گپاشٹک کروں گا تو اپنا کام کیسے کروں گا —‘‘

پھر دونوں بڑے مزے میں ایک دوسرے سے الجھنے لگتے ہیں اور روماس مجھہ سے مخاطب ہوتے ہیں:

’’یہاں کی زمین ہماری طرف کی زمین سے خراب ہے — میرا مطلب ہے یوکرین کے طرف کی — لیکن لوگ یہاں کے بہت خوب ہیں — بڑے محنتی اور جوہر والے —‘‘

میں بڑے اعتماد سے روماس کی بات دل لگا کر سنتا ہوں — مجھے ان کے طور طریقوں کا پرسکون ٹھہراؤ، بات کرنے کا ٹھہرا ہوا انداز اچھا لگتا ہے — سیدھا سادہ مگر زوردار اور پراثر! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ آدمی ہے کہ جو واقعی وسیع معلومات رکھتا ہے اور پھر ایسا آدمی جس نے اپنے ہم جنس انسانوں کے متعلق اپنا ایک خاص نظریہ اور معیار تائم کر لیا ہے — یہ بھی ایک بڑی خوش گوار بات ہے کہ وہ مجھہ سے یہ پوچھتے تک نہیں کہ میں نے خود کشی کی کوشش کیوں کی تھی — اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ نہ جانے کب کا یہ سوال پوچھہ چکا ہوتا — اور میں

اس سوال سے اس قدر عاجز آ گیا ہوں کہ کیا کہوں — اس کا جواب دینا بھی آسان بات نہیں — شیطان ہی جانے کہ میں نے کیوں اپنی جان دینے کی کوشش کی تھی — اگر خوخول مجھ سے پوچھیں تو میں انہیں غالباً ایک طویل اور احمقانہ جواب دوں گا — اور بہر حال اب تو میں اس بات کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتا —— والگا کسی قدر حسین ہے، کس قدر روشن، کس قدر وسیع!

ہم اپنی کشتی کو اونچے ساحل کے سائے سائے لے جا رہے ہیں — ہمارے بائیں کو دریا کا وسیع پھیلاؤ ہے جو اس طرف کے نچلے ساحل پر حملہ آور ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے — دریا ریت سے بھی آگے بڑھ کر جھاڑیوں کو بھگونے اور اچھالنے کے لئے اوپر کی طرف اٹھتا ہوا نظر آ سکتا ہے اور موسم بہار کے اچھلتے کودتے چشمے زمین کے ہر گڈھے، ہر دراڑ کو بھرتے ہوئے، دریا کے پانی سے آ ملنے کے لئے بےقراری سے دوڑتے ہیں — سورج نیچے جھانک جھانک کر مسکرا رہا ہے اور اس کی کرنوں کے نور میں زرد چونچوں والی مینائیں شور مچاتی، ایک دوسرے سے لڑتی بھڑتی، اپنے گھونسلے بنانے میں مصروف ہیں — ان کے سرمئی جسم سورج کی شعاعوں میں صیقل کئے ہوئے فولاد کی طرح دمک رہے ہیں — کھلے ہوئے میدانوں میں ننھی ننھی چمکیلی سبز گھاس بےباکی سے سر اٹھا کر آفتاب سے نظریں ملا رہی ہے — جسم کو ٹھنڈک لگ رہی ہے اور دل میں ایک پرسکون مسرت ہے، ساتھ ہی دل میں روشن امیدوں کی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں — آہ! موسم بہار میں دنیا کس قدر پر لطف جگہ ہوتی ہے!

ہم لوگ دوپہر کو کراسنوویدووا پہنچ گئے — اونچے ٹیلے پر ایک گرجا بنا ہوا تھا جس کے مینارے نیلے تھے — گرجا سے لگا کر ٹیلے کے کنارے کنارے کسانوں کے مضبوط اور اچھے گھروں کی قطار تھی — سورج کی روشنی پڑنے سے پھوس کی زردی دمک کر تاش کی طرح جھلملاتی تھی اور سادی ہوتے ہوئے بھی آنکھوں کو بھلی لگتی تھی —

rekhta

والگا پر اسٹیمروں میں گذرتے ہوئے، میں نے اکثر اس گاؤں کو دیکھا تھا اور دل میں اس کی تعریف کی تھی!

کوکوشکن نے اور میں نے مل کر کشتی سے سامان اتارنا شروع کیا — رومنس کشتی کے کنارے سے مجھے بوریاں تھماتے جاتے اور کہتے جاتے:

''تم یقیناً بہت مضبوط ہو، بہت طاقتور ہو!،،

پھر انہوں نے ہاتھہ میں پکڑی ہوئی بوری پر نظر جمائے جمائے کہا:

''تمہارے سینے میں درد تو نہیں ہوتا؟،،

''نہیں، بالکل نہیں — ،،

جس ہوشیاری سے انہوں نے یہ سوال مجھہ سے پوچھا اس سے میں بےحد متاثر ہوا — اگر ان کسانوں کو یہ پتہ چل جاتا کہ میں نے خود کشی کی کوشش کی تھی تو یقیناً مجھے ان سے بہت جھینپ اور جھجھک محسوس ہوتی —

کوکوشکن نے باتونی انداز سے کہا ''ہاں ہاں — ہو تو بہت مضبوط — کام سے بھی زیادہ مضبوط جس کو کہنا چاہئے — کس علاقے سے آئے ہو میاں لڑکے؟ نیژنی‌نووگورود؟ تو پانی کی مچھریا ہو گویا تم؟ تم لوگوں کے متعلق عام خیال تو یہی ہے — لوگ یہی کہتے ہیں! اور یہ بھی تو کہا جاتا ہے ''کہو، کہو، سارس کدھر کو اڑے‌گا؟ ہے نا؟،،

ڈھلوان پر سے ایک لمبا دبلا پتلا کسان جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا آیا —— سوتی قمیص اور پتلون، گھنگھریالی داڑھی، سر پر سرخ گھنے بال — اس کے ننگے پاؤں چکنی مٹی پر پھسلتے ہوئے رستے میں پڑنے والے چھوٹے چھچھلے چشموں کو منتشر کر رہے تھے —

کنارے پر آکر وہ صاف آواز میں بڑی محبت سے بولا:

''خوش آمدید!،،

پھر ایک نظر ہمارے کام پر ڈالی، جھک کر دو موٹے موٹے ڈنڈے اٹھائے اور انہیں ساحل سے لگاکر کشتی کے کناروں پر ٹکا دیا۔ پھر وہ آسانی سے پھلانگ کر کشتی میں آ گیا اور حکم دیا:

''چلو، ٹنکیاں اتارنے کی تیاری کرو۔ اے میاں لڑکے، تم ادھر ذرا ھاتھہ لگاؤ۔،،

وہ ایک خاص طرح سے خوبصورت تھا اور ظاھر ھو رہا تھا کہ بہت مضبوط ہے، ھلکی نیلی آنکھیں شدت سے چمک رہی تھیں، سرخ گال تھے، سیدھی ستواں بڑی سی ناک تھی۔

''ایزوت، تمہیں سردی لگ جائے گی،، روماس نے کہا۔

''کس کو؟ مجھے؟ کبھی ھرگز بھی نہیں۔،،

ہم لوگوں نے مٹی کے تیل کا ایک پیپا لڑھکا کر کنارے پر پہنچایا۔ ایزوت نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا:

''کیا دوکان میں مدد دینے آئے ھو؟،،

کوکوشکن نے کہا ''ذرا اس سے کشتی لڑنے کی کوشش کر دیکھنا۔،،

''معلوم ھوتا ہے تمہاری ھنڈیا پھر کسی نے چٹخا دی۔،،

''ارے تو پھر ایسوں کا علاج ھی کیا ہے؟،،

''کیسوں کا؟،،

''ایسوں کا ھی جو خواہ مخواہ لوگوں کی ھنڈیاں چٹخاتے ھیں...،،

''ھوں،، ایزوت نے چڑکر جواب دیا۔ پھر روماس سے مخاطب ھوکر بولا ''گاڑیاں بس ابھی یہاں پہنچتی ھیں۔ میں نے آپ کو بڑی دور سے دریا پر کشتی میں دیکھہ لیا تھا۔ بڑی جلدی پہنچ گئے آپ۔ اب آپ گھر جائیے میخائل، سامان کی ذمہ داری میری!،،

روماس کی طرف اس کا دوستانہ اور محبت کا رویہ صاف ظاھر ھو رہا تھا بلکہ یہ رویہ محافظت کا بھی تھا حالانکہ روماس اس سے عمر میں تقریباً دس سال بڑے تھے۔

rekhta

آدھہ گھنٹے بعد میں گاؤں کے ایک مکان میں داخل ہوا جو نیا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا کیونکہ دیواروں سے ابھی تک نئے مسالے کی خوشبو آ رہی تھی — رہنے کا کمرہ صاف اور آرام‌دہ تھا — تیز نظروں والی ایک عورت پھرتی سے کھانے کی میز لگاتی ہوئی ادھر ادھر گھوم رہی تھی — خوخول ایک کھلے ہوئے سوٹ کیس میں سے کتابیں نکال کر ان کو تندور کے پاس والی الماری میں جما رہے تھے — مجھ سے بولے:

"تمہارا کمرہ اوپر دوچھتی میں ہے —"

میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے گاؤں کا ایک حصہ دیکھ سکتا تھا — ہمارے مکان کے سامنے ایک نالہ تھا جس پر تمام جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں — یہاں وہاں حماموں کی چھتیں نکلی ہوئی نظر آتی تھیں — نالے سے پرے باغ اور میدان تھے جو سیاہ سیاہ لگتے تھے اور جیسے ان کی تہیں کھلتی ہوئی جاکر افق کے پاس جنگلوں کی نیلی لکیروں سے مل گئی تھیں — ایک حمام کی چھت کے کنارے پر ایک کسان نیلے کپڑے پہنے کلہاڑی لئے گھوڑے کی طرح سوار تھا — آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے وہ والگا کی طرف تکے جا رہا تھا — گاڑیوں کے پہیوں کی چوں چر سنائی دے رہی تھی — ایک گائے زور سے ڈکار رہی تھی — سر سے پاؤں تک کالے کپڑے پہنے ایک بڑھیا ایک پھاٹک سے نکلی اور زور سے چلائی:

"پھٹکار ہو تم پر!"

اس کی آواز سن کر دو چھوٹے چھوٹے لڑکے جو بڑے جوش اور محنت سے ایک چھوٹی سی جوئبار پر مٹی اور پتھروں سے پل بنا رہے تھے، اچھل پڑے اور جتنی تیزی سے بھاگ سکتے تھے بھاگ نکلے — عورت نے لکڑی کا ایک ٹکڑا اٹھایا، اس پر تھوکا اور اسے جوئبار میں ڈال دیا — پھر اس نے اپنا پاؤں اٹھایا جس میں مردانہ جوتا چڑھا ہوا تھا اور زور سے بچوں کے بنائے ہوئے پل کو کچل دیا اور ڈھلان سے اترتی ہوئی والگا کی طرف چلی گئی —

rekhta

یہاں میری زندگی کیسی گذرے گی؟

مجھے کھانا کھانے کے لئے بلایا گیا — نیچے اترا تو ایزوت میز کے پاس اپنی لمبی ٹانگیں آگے کو پھیلائے بیٹھا تھا — اس کے ننگے پاؤں نیلے مائل سرخ تھے — وہ روماس سے باتیں کر رہا تھا لیکن مجھے دیکھ کر چپ ہو گیا —

روماس نے بجھے ہوئے انداز میں کہا ”ہاں ہاں، تو پھر کیا ہوا؟ کہے جاؤ — “

”بس اتنی ہی بات ہے — تو فیصلہ یہ ہوا ہے کہ اب ہم لوگ خود ہی بندوبست کریں گے — آپ اپنے ساتھ یا تو طمنچہ رکھیں یا موٹی لکڑی وکڑی لے کر باہر نکلا کریں — اور بارینوف کی موجودگی میں زیادہ بات نہ کیجئے گا — کوکوشکن کی اور اس کی دونوں کی زبانیں بالکل قابو سے باہر ہیں — عورتوں کی طرح — اور تم میاں لڑکے؟ مچھلی پکڑنے سے دلچسپی ہے؟“

”نہیں — “

روماس نے باتیں کرنی شروع کیں کہ معمولی اور غریب باغ والوں اور پھل پیدا کرنے والوں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کو امیر کباڑیوں کے پنجے سے چھڑایا جا سکے — ایزوت غور سے سنتا رہا، آخرکار بولا:

”اس طرح تو یہ بڑے بڑے توند والے آپ کو مطلق چین نہیں لینے دیں گے — “

”دیکھا جائے گا — “

”آپ میری بات یاد رکھئے گا!“

ایزوت کو دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کارونن اور زلاتووراتسکی نے اپنی کہانیوں میں ایسے ہی کسانوں کی عکاسی کی ہے — کیا یہ ممکن ہے کہ یہاں میرا تعلق واقعی کسی ایسی چیز سے ہو جائے جس میں سچ مچ سنجیدگی اور خلوص ہے، کہ

rekhta

اب مجھے ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے جو سچ مچ کچھ کر رہے تھے —

کھانا ختم کرکے ایزوت نے کہا:

''دیکھئے میخائل، جلدی نہ کیجئے گا — کوئی اچھا اور صحیح کام جلدی میں نہیں ہوتا — ذرا آہستہ چلے گا —،،

جب وہ چلا گیا تو روماس سوچتے ہوئے بولے:

''یہ آدمی ذہین اور ایمان‌دار ہے — بدقسمتی سے جاہل ہے — بمشکل پڑھ سکتا ہے لیکن یہ پڑھنے کی کوشش بہت کر رہا ہے — تم اس میں اس کی مدد کر سکتے ہو!،،

شام تک روماس مجھے دوکان کی چیزوں کی قیمتیں وغیرہ بتاتے رہے — انہوں نے مجھ سے کہا:

''یہاں جو دو اور دوکانیں ہیں ان سے میں سستا بیچتا ہوں — ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے اور ہر ممکن چال مجھ سے چلتے ہیں — اب وہ لوگ مجھ کو پیٹنے کی سوچ رہے ہیں — میں کوئی سوداگری کے شوق میں یا نفع کمانے کے لئے یہاں نہیں رہتا ہوں — یہاں رہنے کی اور وجہیں ہیں — یہ دوکان بھی تمہاری اس بیکری کی ہی قسم کی چیز ہے...،،

میں نے ان سے کہا کہ اتنا تو میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا —

''ہاں اور کیا، آخر لوگوں کو کسی نہ کسی طرح تو سمجھانا ہی ٹھہرا — ہے نا؟،،

دوکان کی کھڑکیاں چڑھا دی گئیں، تالا ڈال دیا گیا — ہم لوگ چراغ لئے دوکان کے چکر لگا رہے تھے اور بالکل ہمارے ساتھ ساتھ ہی باہر بھی کوئی چلتا جاتا — ہمیں آہٹ سنائی دیتی کہ کوئی بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہا ہے، کبھی کیچڑ سے بھچ بھچ کی آواز آتی ہے اور کبھی بھاری قدم برامدے تک آجاتے —

rekhta

''دیکھا؟ سنی اس کی آہٹ؟ یہ میگون ہے، تنہا آدمی جس کا اپنا پرایا کوئی نہیں — بڑا کمینہ آدمی ہے اور برائی تو اس طرح کرتا ہے جیسے کوئی بانکی چھبیلی لڑکی معاشقے کرتی پھرے — تم اس سے جو بات بھی کرنا اس میں بہت احتیاط کرنا — ویسے اسی پر کیا موقوف ہے — سب سے بات کرتے وقت محتاط رہنا...''

اس کے بعد وہ پھر رہنے والے کمرے میں آ گئے اور تندور سے اپنی چوڑی پیٹھ ٹکا کے بیٹھ گئے — پائپ جلائی اور داڑھی میں دھوئیں کی چھوٹی چھوٹی پھونکیں بھرتے ہوئے، آنکھیں غوروفکر سے سکیڑے، آہستہ آہستہ الفاظ کو صاف اور سادہ گفتگو کے سانچے میں ڈھالنے لگے — انہوں نے کہا کہ وہ بہت دنوں سے دیکھ رہے تھے کہ میں اپنی جوانی کس طرح برباد کر رہا تھا — ''تم میں بڑی صلاحیتیں ہیں — مستقل مزاج ہو اور ظاہر ہے کہ تمہارے مقاصد قابل تعریف ہیں — تمہیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ تعلیم ہے، لیکن صرف اس طرح کی تعلیم نہیں جس میں کتابیں تمہارے اور تمہارے ماحول کے عوام اور انسانوں کے درمیان دیوار بن جائیں — ایک بڈھا آدمی تھا، نہانت متعصب، لیکن اس نے ایک بڑے کام کی بات کہی تھی ''جو چیز بھی پڑھی یا پڑھائی جاتی ہے وہ سب انسان ہی سے حاصل ہوئی ہے'' — یہ سچ ہے کہ عوام جو کچھ سکھاتے ہیں وہ کتابوں سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے — ان کی تعلیم میں بڑی سختی ہوتی ہے لیکن انسان اس طرح سے جو کچھ سیکھتا ہے اس کی جڑیں بہت زیادہ مضبوط ہوتی ہیں —''

پھر انہوں نے اس عام خیال کا اظہار کیا کہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ کسانوں کے دماغوں کو بیدار کیا جائے — اگرچہ اس خیال کا اظہار میں اور لوگوں سے پہلے بھی سن چکا تھا لیکن اس وقت روماس کی زبان سے ان الفاظ میں ایک گہری اہمیت پیدا ہو گئی تھی —

rekhta

''یه جو تمهارے طالب علم ھیں نا یه عوام سے محبت کی بات تو بہت کرتے ھیں — لیکن میں ان سے کہتا ھوں که یه ھو نہیں سکتا، تم عوام سے محبت کر ھی نہیں سکتے — اس طرح کی محبت بس بات ھی بات ھے اور کچھه نہیں —''

میری طرف متجسس نگاھوں سے دیکھتے ھوئے وہ داڑھی ھی داڑھی میں کھس سے ھنسے پھر اٹھه کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگے اور بڑے جوش و خروش سے اپنی بات جاری رکھی:

''محبت جس کے معنی ھوں مہربانی، درگذر، معافی، چشم پوشی —— ایسی محبت اگر عورتوں سے کی جائے تو ٹھیک بھی ھے — لیکن عوام؟ کیا ھم ان کی جہالت سے چشم پوشی اور ان کے بھکنے سے درگذر کر سکتے ھیں؟ ان کے گھٹیاپن کو اپنی خاکساری کی وجه سے قبول کر سکتے ھیں، ان کے مظالم اور کٹرپن کو معاف کر سکتے ھیں؟ ایسا کرنا چاھئے ھمیں؟''

''نہیں —''

''یه بات ھے — شہر میں جو تمہارے دوست ھیں وہ سب کے سب نیکراسوف کو پڑھتے ھیں، اسی کی نظمیں گاتے ھیں — اچھا تو میں کہتا ھوں که نیکراسوف کے سہارے آپ زیادہ آگے نہیں جا سکتے — کسان سے یه کہنا ھی ھوگا که ''دیکھه بھائی، جہاں تک اچھائی کا سوال ھے تو برا آدمی نہیں ھے لیکن جو زندگی تو بسر کر رھا ھے وہ نہائت بری ھے — اور تو کچھه بھی نہیں جانتا که اپنی زندگی کو بہتر اور آسان بنانے کے لئے کیا کرے بلکه ایک جنگلی جانور بھی تجھه سے زیادہ سمجھداری سے اپنی زندگی کی ضروریات کا خیال کرتا ھے اور اپنا بچاؤ تجھه سے بہتر طریقے پر کرتا ھے — اور تم کسان لوگ ھی دنیا کی ھر چیز کی جڑ بنیاد ھو —— شرفا، پادری لوگ، عالم لوگ، زار —— یه سب ماضی میں کسان ھی تو تھے — سمجھے؟ صاف ھوا معامله تمہارے دماغ میں؟ اچھی بات

rekhta

ہے — تو پھر اس طرح زندگی بسر کرنا سیکھو کہ پاؤں تلے روندے نہ جاؤ...،،

وہ اٹھ کر باورچی‌خانے میں گئے اور باورچن سے سماور گرم کرنے کو کہا — واپس آکر انہوں نے مجھے اپنی کتابیں دکھانی شروع کیں — زیادہ تر کتابیں تو کسی نہ کسی سائنس سے متعلق تھیں مثلاً بکل، لائل، لیکی، لبک، ٹیلر، مل، اسپنسر، ڈارون وغیرہ — روسی مصنفین بھی تھے مثلاً پیساریف، دوبرولیوبوف، چرنی‌شیفسکی، پوشکن، گونچاروف کی ''فریگیٹ پلاڈا،، اور نیکراسوف کی کتابیں —

ان کی چوڑی چوڑی ہتیلیاں کتابوں کی جلدوں کو محبت سے سہلاتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی بلی کے بچے کو پیار کر رہی ہوں — جذباتی لہجے میں دھیمے سے بدبدائے:

''کتنی اچھی کتابیں ہیں یہ سب! مثلاً اسے دیکھو —— یہ نایاب ہے — سنسر نے اس کے جلائے جانے کا حکم دیا تھا — اگر تمہیں یہ معلوم کرنا ہو کہ ریاست دراصل کیا شے ہے تو اس کو پڑھو!،،

انہوں نے مجھے ہابس کی ''لیویاتھن،، دی —

''یہ کتاب بھی ریاست کے متعلق ہے لیکن یہ ذرا ہلکی اور مزےدار ہے، رنگین سی —،،

یہ رنگین سی کتاب میکیاولی کی ''ریاست کا حکمراں،، نکلی —

چائے پیتے وقت انہوں نے مجھے اپنے متعلق مختصراً بتایا — وہ چرنیگوف کے رہنے والے ایک لوہار کے بیٹے تھے — کیئف کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی کے پہیئوں میں تیل دینے کا کام کرتے تھے — وہیں ان کی ملاقات انقلابیوں سے ہوئی اور انہوں نے ایک تعلیمی گروہ بنایا — پھر گرفتار ہو گئے اور تقریباً دو سال قید میں گذار کر دس سال کے لئے یاقوتسک علاقے میں جلاوطن کر دئے گئے —

''جب اس یاقوت بستی میں مجھ کو رہنا پڑا تو شروع میں

rekhta

تو میں سمجھا کہ بس اب خاتمہ ھوا — وھاں کی سردی! توبہ! لعنت ھے! ایسی کہ انسان کی کھوپڑی میں بھیجا جم جائے! ویسے بھی وھاں بھیجا ایک بے ضرورت چیز ھی سمجھا جاتا تھا — لیکن کچھ عرصے بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ کہیں کہیں تھوڑے بہت روسی لوگ ضرور آس پاس تھے — ان کی تعداد کم تھی — دور دور بھی رکھے جاتے تھے لیکن تھے تو سہی — اس لئے ھم لوگوں کو تنہائی نہیں محسوس ھوتی تھی — پھر حکومت اور زیادہ روسیوں کو بھیجتی ھی چلی جا رھی تھی —— یہ اس کی بڑی مہربانی تھی! یہ روسی لوگ بڑے اچھے تھے — خاص طور پر ایک طالب علم تھا جس کا نام ولادیمیر کورولینکو تھا — اس کی میعاد بھی میری میعاد کے فوراً ھی بعد ختم ھوئی — شروع میں وہ اور میں کافی قریبی دوست تھے لیکن پھر ایک دوسرے سے الگ ھٹتے گئے — ھم دونوں کی کافی باتیں ملتی جلتی تھیں لیکن ملتی جلتی چیزوں پر دوستی زیادہ دن نہیں چلتی — لیکن وہ طالب علم بڑا جوشیلا اور مستقل مزاج تھا — ھر طرح کا کام وہ بڑی ھوشیاری سے کر لیا کرتا تھا، یہاں تک کہ صلیبی تصویریں پینٹ کرنے کی بھی اس نے کوشش کی — مجھے یہ بات پسند نہیں آئی — اب وہ ادبی رسالوں کے لئے لکھتا ھے اور لوگ کہتے ھیں کہ اچھا خاصا لکھ لیتا ھے —،،

اس شام روماس بڑی دیر تک باتیں کرتے رھے —— آدھی رات تک — ظاھر ھے کہ وہ مجھے اچھی طرح سمجھا دینا چاھتے تھے کہ میری جگہ ان کے ساتھ ھے — رفاقت کی ایسی سنجیدہ مسرت مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ھوئی تھی — خود کشی کی کوشش کے بعد سے میں اپنی نظروں میں خود بہت گر گیا تھا اور اپنے آپ کو ایک بےکار اور بےمقصد مخلوق سمجھنے لگا تھا — ایک احساس جرم میرے ذھن پر چھایا ھوا تھا — زندہ رھتے شرم آتی تھی — روماس نے یقیناً اس بات کو بھانپ لیا ھوگا — بڑی سادگی مگر ھوشیاری سے

rekhta

انهوں نے اپنی زندگی کو میرے سامنے کھول کر رکھه دیا اور اس طرح پھر میری زندگی میں توازن پیدا کر دیا — وہ دن مجھے کبھی نہیں بھولےگا!

اتوار کے دن گرجا ختم هونے کے بعد هم لوگوں نے کاروبار کے لئے دوکان کھولی اور فوراً لوگ هم لوگوں کے برامدے میں جمع هونے لگے — سب سے پہلے متوئی بارینوف آیا — میلا، اجڑا پجڑا، بندروں کے سے لمبے لمبے هاتھه لٹکتے هوئے، آنکھوں میں نسوانیت اور کھوئی کھوئی سی کیفیت — روماس سے سلام دعا کے بعد پوچھنے لگا ''کہئے، شہر کی کوئی نئی بات؟،، اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر، سامنے سے آتے هوئے کوکوشکن سے مخاطب هو گیا:

''استیپان! تمہاری بلیوں نے ایک اور مرغا صاف کر دیا!،،

پھر دوسرے هی لمحے هم لوگوں کو مطلع کرنے لگا کہ گورنر صاحب تو قازان سے سینٹ پیٹرس برگ گئے هیں، زار سے ملنے اور اس کو اس بات پر راضی کرنے کہ تمام تاتاریوں کو قفقاز اور ترکستان میں اکٹھا کر دیا جائے — اس نے گورنر کی تعریفیں کرنی شروع کیں:

''بڑا هوشیار آدمی هے! اپنے کام کی بات خوب سمجھتا هے...،،

روماس نے بڑے اطمینان سے کہا ''یہ سب تم نے گھڑا هے، اپنے دل سے —،،

''میں نے؟ وہ کب؟،،

''اب یہ مجھے کیا معلوم...،،

''میخائل، آپ تو کسی کی بات مانتے هی نہیں هیں،، بارینوف نے افسردگی سے سر هلا کر کہا — ''میں تو تاتاریوں پر خود هی افسوس کر رها هوں — قفقاز میں بڑی مشکل سے دل لگتا هے —،،

ایک دبلا پتلا سا آدمی پرانا کوٹ پہنے آ پهونچا — صاف معلوم پڑتا تھا کہ یہ کوٹ پہلے کسی ڈیل ڈول والے کا رها

rekhta

ہوگا – ہلتا ہوا وہ پاس آکے کھڑا ہوگیا – اس کے پھیکے نقوش پر ایک گھبراہٹ سی طاری تھی – سیاہ لب ایک بیمار سی مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے – بائیں آنکھ بار بار مارتا تھا اور ہر بار آنکھوں کے اوپر چھدری سفید بھویں کانپ کانپ اٹھتی تھیں –

بارینوف نے مذاقیہ لہجے میں کہا ''میگون کا جامِ صحت پیو بھائیو! کہو کل رات تم نے کیا چرایا؟،،

''تمہاری دولت،، میگون نے الٹ کر جواب دیا اور اپنی ٹوپی کی نوک کو ہاتھ لگا کر روماس کو سلام کیا –

ہمارا مالک مکان اور پڑوسی پانکوف باہر نکلا – شہر کی بنی ہوئی جیکٹ، گلے میں سرخ رومال بندھا، جوتوں پر ربڑ کے کالوشی* چڑھے ہوئے اور لگاموں کے برابر لمبی چاندی کی زنجیر سینے پر آڑی سجی ہوئی – اس نے سختی سے میگون کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا:

''اب کبھی میری سبزی کی کیاری کے نزدیک پھٹک کر دیکھ تو ذرا کیسے ڈنڈے رسید کرتا ہوں، بڈھا کھوسٹ، شیطان!،،

میگون نے نہائت اطمینان سے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ''پھر وہی بات —— اگر کسی کا سر نہ توڑا جائے تو زندگی نہائت پھیکی ہو جاتی ہے –،،

پانکوف اس پر زور زور سے بگڑنے لگا لیکن میگون اپنی ہی بات کہتا رہا:

''اور کون کہتا ہے کہ میں بڈھا ہوں – چھیالیس برس —— بڈھا ہوا؟،،

---

* بارش اور کیچڑ وغیرہ سے بچنے کے لئے جوتوں پر ربڑ کے جوتے چڑھا لئے جاتے ہیں – (مترجم)

rekhta

''پچھلے کرسمس پر تو تمہاری عمر ترپن سال تھی،، بارینوف چیخا — ''تم نے خود ہی کہا تھا کہ ترپن برس کا ہوں — جھوٹ کیوں بولتے ہو؟،،

اتنے میں سوسلوف بھی آپہونچا — (مجھے ان کسانوں کے خاندانی نام اب اچھی طرح یاد نہیں ہیں — ہو سکتا ہے بگڑ گئے ہوں یا آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہوں —) بوڑھا داڑھی‌والا باوقار آدمی — پھر ایزوت مچھیرا اور پھر اور لوگ — سب ملا کر کوئی دس ہوں گے — خوخول دوکان کے دروازے کے سامنے برامدے میں بیٹھے پائپ پی رہے تھے اور خاموشی سے ان کسانوں کی گفتگو سن رہے تھے جو برامدے کی سیڑھیوں پر یا دونوں طرف لگی ہوئی بنچوں پر بیٹھے تھے —

اس دن بڑی ابر آلود سردی تھی — بادل تیزی سے نیلے آسمان پر دوڑتے چلے جا رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ جاڑوں کے جماؤ کے بعد اب تک پگھلے نہیں ہیں — روشنی اور اندھیرے کے ٹکڑے چھلوں اور جوئباروں میں جابجا ابھرتے اور ڈوبتے دکھائی دیتے تھے — لڑکیاں تہوار کے چمکیلے کپڑے پہنے گلیوں سے نکلتی ہوئی والگا کی طرف جا رہی تھیں — چھلوں کو پار کرتے وقت وہ اپنے سایوں کو اوپر اٹھا لیتیں اور بھاری چمڑے کے سخت جوتے نظر آنے لگتے! ننھے ننھے لڑکے لمبی انکسیاں کندھوں پر ڈالے مچھلی کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے — کسان آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہماری دوکان کے پاس اکٹھے مجمع کو کنکھیوں سے دیکھتے اور خاموشی سے اپنی ٹوپیاں یا موٹی نمدے کی ہیٹوں کو انگلی سے چھوتے ہوئے نکل جاتے —

میگون اور کوکوشکن اسی سوال پر بڑے مزے میں بحث کر رہے تھے جو کسی طرح طے ہی نہیں ہو چکتا تھا: کون زیادہ زور سے پیٹتا ہے —— سوداگر لوگ کہ زمیندار؟ کوکوشکن سوداگروں کی طرف سے بول رہا تھا اور میگون زمینداروں کی طرف سے اور اس کی

rekhta

کونج دار آواز کو کوشکن کی منمناتی ہوئی آواز کو دبائے ہوئے تھی —

’’مسٹر فنگروف کے جو باپ تھے نا انھوں نے نپولین بوناپارٹ کی مونچھ پکڑ کر اسے کھینچ لیا تھا اور مسٹر فنگروف —— وہ دو آدمیوں کو کوٹ کے کالر پکڑ کر، دونوں کو دو طرف الگ الگ جھلاتے ہیں اور پھر ان کا سر آپس میں ٹکرا دیتے ہیں — بس دونوں کا قصہ پاک!،،

’’ہاں یہ بات تم کو تو جھکورے دینے کو کافی ہے ہی،، کوکوشکن نے کہا — پھر بولا ’’خیر کچھ بھی ہو — سوداگر لوگ کھاتے زمینداروں سے زیادہ ہیں —،،

سب سے اوپر والی سیڑھی پر وہ خوبصورت بوڑھا سوسلوف بیٹھا بڑبڑا رہا تھا:

’’میخائل، ان کسانوں کے پیروں تلے سے زمین نکلی جا رہی ہے — زمیندار تھے تو کم‌ازکم بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کی تو مہلت نہیں ملتی تھی — ہر ایک کے پاس اپنا اپنا کام تھا...،،

’’تو آپ ایک درخواست دے دیجئے کہ کمیروں کا نظام پھر سے رائج کر دیا جائے،، ایزوت نے بگڑ کر جواب دیا — روماس نے خاموشی سے اسے گھورا اور برامدے کے کناروں پر اپنی پائپ ٹھونکتے ہوئے تمباکو گرا کر اسے صاف کرنے لگے —

میں انتظار کرتا رہا کہ اب وہ کچھ بولیں گے اور کسانوں کی الجھی ہوئی، بےربط گفتگو کو غور سے سن کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ اب خوخول کیا کہیں گے — اب بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ بات چیت میں حصہ لینے کے کئی موقعوں کو انہوں نے ہاتھ سے نکل جانے دیا —— لیکن وہ تھے کہ بس ایک باوقار خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے — بت کی طرح خاموش وہ بیٹھے غور سے دیکھ رہے تھے کہ ہوا کے بہاؤ سے چھلوں میں لہریں پیدا ہو رہی ہیں اور ہوا بادلوں کو ایک بڑے سے سرمئی

rekhta

پہاڑ کی طرح اڑائے لئے جا رہی ہے — دریا کی طرف سے ایک اسٹیمر کی سیٹی کی آواز آ رہی تھی — ایک اکارڈین کے ساز پر گاتی ہوئی لڑکیوں کی سریلی آوازیں، ڈھلان پر سے ابھر ابھر کر اوپر کی طرف آ رہی تھیں — شراب کے نشے میں دھت ایک آدمی ہچکیاں لیتا، چیخیں مارتا گلی میں جا رہا تھا — اس کے بازو وحشیانہ انداز میں جھول جھول کر گھوم رہے تھے — پاؤں جسم کے وزن سے کچھ عجب طرح سے ٹیڑھے ہوئے جا رہے تھے — باربار اس کے پاؤں کیچڑ میں جا پڑتے — کسان لوگ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے — ان کے الفاظ میں ایک پھیکی اداسی تھی، مجھ پر بھی اداسی کی مبہم سی کیفیت طاری ہو گئی تھی کیونکہ سرد آسمان اب بارش کی دھمکی دے رہا تھا اور میرا ذہن شہر کی مسلسل گہما گہمی کو یاد کر رہا تھا — مختلف آوازوں کا میل، گلی میں لوگوں کا تیزی سے آنا جانا، جلدی جلدی بات کرنا اور فکر انگیز الفاظ کی کثرت —

چائے پر میں نے خوخول سے پوچھا کہ وہ کسانوں سے بات چیت کس وقت کرتے ہیں —

"بات چیت؟ کس بات کے متعلق؟"

جب میں نے سمجھایا اور میرے سمجھانے کو وہ سنجیدہ توجہ کے ساتھ سن چکے تو بولے "اوہ، اچھا — دیکھو بات یہ ہے کہ اگر میں ان لوگوں سے ان چیزوں کے متعلق بات کروں اور وہ بھی باہر گلی میں تو پھر میں یاقوتوں کے ساتھ رہنے کے لئے بھیجدیا جاؤں..."

انھوں نے اپنی پائپ بھری اور اس کو سلگاکے اتنے کش کھینچے کہ ان کے چاروں طرف دھوئیں کے بادل لپٹ گئے — پھر وہ آہستہ آہستہ بولنے لگے، کچھ اس طریقے سے جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا — انھوں نے کہا کہ کسان فطرتاً نہائت شکی مزاج ہوتا ہے — وہ

rekhta

اپنے آپ پر شک کرتا ہے، اپنے پڑوسی پر شک کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اجنبیوں پر تو اور بھی زیادہ شک کرتا ہے — ابھی تیس سال نہیں ہوئے ہیں کہ اسے آزادی ملی ہے — ہر کسان جس کی عمر چالیس سال ہے وہ سمجھو غلام پیدا ہوا تھا — مگر آزادی کے کیا معنی ہیں یہ بھی سمجھنا مشکل ہے — اگر تم اس کو سادہ طریقے سے دیکھو تو آزادی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں جیسے چاہوں ویسے رہوں لیکن جدھر بھی مڑو ٹکر کسی نہ کسی افسر سے ہو جاتی ہے، حاکموں سے ہو جاتی ہے اور یہ سب کے سب 'جیسے چاہیں ویسے رہیں، کے اصول میں رکاوٹ ڈالتے ہیں — زار نے کسانوں کو زمینداروں سے چھڑوایا، اس سے غالباً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زار اب کسانوں کا واحد مالک ہے — لیکن پھر اس آزادی کے معنی کیا ہیں — ہو سکتا ہے کہ ایک دن —— بالکل غیرمتوقع طور پر —— زار اس بات کی وضاحت کر دے کہ اس کے معنی کیا ہیں — زار پر کسانوں کو بہت اعتماد ہے اور وہ اسے تمام زمین اور دولت کا واحد مالک سمجھتے ہیں — زار نے ہی کسان کو زمین دار سے چھڑایا، تو ہو سکتا ہے وہ سوداگروں سے جہاز اور دوکانیں بھی لے لے — چنانچہ ان سب خیالات کے تحت کسان زار کی طرف ہے — وہ سمجھتا ہے کہ کئی مالک ہوں گے تو زیادہ کمبختی ہوگی، ایک ہی مالک رہے بلا سے! اور وہ اس دن کا انتظار کر رہا ہے جب زار اسے آزادی کی اصلی اہمیت سمجھائے گا — اور پھر ہر شخص جو چاہے گا لوٹ سکے گا — ہر شخص اس دن کے انتظار میں بیٹھا ہے — اور پھر بھی ہر شخص اس دن سے ڈرتا بھی ہے کیونکہ ہر ایک خفیہ طور سے دل ہی دل میں کانپ رہا ہے کہ دولت کی تقسیم کا وہ دن اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے — اور کسی کو اپنی صلاحیت پر بھروسہ نہیں —— بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے، حاصل کرنے کو ہے بھی بہت کچھ لیکن وہ کیسے اسے حاصل کرے — ہر شخص کو اسی چیز

کی خواہش ہے جس کی خواہش دوسرے کو ہے — پھر جدھر مڑو افسروں اور حاکموں کی کوئی انتہا نہیں جو ہمیشہ کسان کے بھی دشمن بنے رہتے ہیں اور زار کے بھی — کام بغیر افسروں کے چل نہیں سکتا — وہ نہ ہوں تو عوام ایک دوسرے کا گلا کاٹ ڈالیں —

ہوا غصے میں بھری ہوئی بہار کی بارش کو کھڑکیوں کے شیشے پر پٹک رہی تھی — باہر تمام سرمئی دھند چھائی ہوئی تھی — میرے دل میں بھی ایک غبار آلودہ دھند کی سی کیفیت تھی — روماس کی باوقار مدھم آواز فکرانگیز انداز میں کہتی جا رہی تھی:

”کسان کو یہ سمجھانا ہے کہ تھوڑا تھوڑا کرکے اسے زار کی طاقت اپنے ہاتھوں میں لینی ہے — یہ سمجھانا ہے کہ عوام کو اپنے ہی درمیان سے اپنے افسر اور کارکن انتخاب کرنے کا حق ہونا چاہئے —— اپنے کوتوال، اپنے گورنر اور اپنا زار بھی —“

”لیکن اس میں تو سو برس لگیں گے!“

”تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اگلے اتوار تک یہ کام پورا ہوا جاتا ہے؟“ خوخول نے سنجیدگی سے پوچھا —

شام کو وہ کہیں باہر گئے — گیارہ بجے کے قریب میں نے گلی میں اپنے مکان کے بالکل پاس گولی چلنے کی آواز سنی — اندھیرے اور بارش میں میں تیر کی طرح باہر بھاگا — دیکھا تو روماس پھاٹک پر پہنچ چکے تھے — ان کا بھاری سیاہ ہیولا بڑے اطمینان سے کیچڑ سے پاؤں بچاتا آہستہ چلا آ رہا تھا —

”تم کیوں باہر نکلے؟ گولی تو میں نے چلائی...“

”کس پر؟“

”بھئی وہ پتہ نہیں کس طرح کے کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے تھے — یہیں گلی میں — ڈنڈے بھی ان کے پاس تھے — میں نے ان سے کہا کہ ڈنڈے رکھ دیں ورنہ میں گولی چلاؤں گا —

اس کہنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تو مجبوراً میں نے ہوا میں گولی چلائی — ہوا کا کیا بگڑتا ہے گولی سے...،،

وہ گلیارے میں داخل ہوکر اپنا بھیگا ہوا کوٹ اتارنے لگے — داڑھی سے پانی نچوڑا، سر ہلاتے جاتے، گھوڑے کی طرح فوں فوں کرتے جاتے ’’یہ میرے جوتے کمبخت! معلوم ہوتا ہے ان میں چھید ہو گئے ہیں — بدلوانے پڑیں گے — تم کو ریوالور صاف کرنا آتا ہے؟ ذرا مہربانی کرکے اسے صاف کر دو ورنہ زنگ لگ جائے گا — مٹی کا تیل مل دینا —،،

میں ان کی اس سنجیدگی اور اس خود اعتمادی پر دل ہی دل میں عش عش کرنے لگا — ان بھوری آنکھوں میں کس قدر پامردی اور کس درجہ استقلال تھا —

ہم دونوں اندر گئے — آئینے کے سامنے داڑھی میں کنگھی کرتے ہوئے وہ بولے:

’’جب گھر سے باہر جاؤ تو ذرا احتیاط سے کام لینا — خاص کر تہواروں کے دن اور رات کے وقت — میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں بھی پیٹنے کی فکر میں ہوں گے — صرف یہ کرنا کہ لکڑی لے کر نہ نکلنا — اس طرح کی بات سے گنڈوں کو اور اشتعال ہوتا ہے اور ان کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ تم کو ڈر لگ رہا ہے — ویسے دراصل ڈرنے کی کوئی بات ہے بھی نہیں — یہ سب کے سب بزدل ہیں —،،

اب میرے لئے ایک خوشی کی زندگی کا دور شروع ہو گیا تھا — ہر دن اپنے ساتھ کوئی نئی اور اہم بات لاتا تھا — میں نے نیچرل سائنسوں کے متعلق جوش و خروش سے کتابیں پڑھنی شروع کر دیں — روماس کا مشورہ تھا کہ ’’تم کو سب سے پہلے اور بہت زیادہ اچھی طرح اور غور سے یہی چیزیں پڑھنی چاہئیں — انسان کی بہترین منطقی قوت ان ہی سائنسوں کے اندر کھپی ہے —،،

ہفتے میں تین رات میں ایزوت کو پڑھنے لکھنے میں مدد دیا

rekhta

کرتا تھا— شروع میں تو اس نے مجھے ذرا شبہ کی نظر سے دیکھا اور میری هدایات کی طرف ذرا طنزیہ رویہ رکھا — لیکن چند سبقوں کے بعد مزے میں آکر کہنے لگا:

''واہ میاں لڑکے! تم تو واقعی خوب پڑھاتے ہو— تمہیں تو استاد بننا چاہئے تھا —— استاد!،،

اور پھر یکایک اس نے تجویز پیش کر دی:

''دیکھو تم مضبوط تو خاصے لگتے ہو— آؤ ایک کھینچاتانی ہو جائے —،،

هم دونوں نے باورچی خانے سے ایک مضبوط سی لکڑی لی اور فرش پر بیٹھه گئے، پاؤں جوڑے اور دونوں نے لکڑی کو دونوں هاتھوں سے پکڑا — کچھه دیر هم دونوں خوب کوشش کرتے رہے کہ دیکھیں کون کس کو زمین پر سے اٹھاتا ہے — خوخول هنس کے هم دونوں کو خوب اکسا رہے تھے:

''شاباش، شاباش! لینا، اٹھا لو اسے، اٹھا لو!،،

آخرکار ایزوت جیت گیا — اس نے مجھے اٹھالیا اور پھر وہ اور بھی زیادہ مجھه پر مہربان ہو گیا — کہنے لگا ''کوئی بات نہیں — ویسے تم مضبوط کافی ہو— افسوس ہے کہ تمہیں مچھلی پکڑنے سے دلچسپی نہیں ورنہ میں تمہیں اپنے ساتھه والگا کے کنارے لے چلتا — والگا پر رات کے وقت تو بس جنت ہوتی ہے، جنت!،،

وہ بڑی محنت سے پڑھتا تھا اور اچھی طرح ترقی کر رہا تھا — اپنے پڑھنے پر وہ خود هی حیران رہ جاتا اور پھر حیرانی کے اس جذبے کو بڑے هی دلکش طریقے سے بیان کرتا — کبھی کبھی وہ سبق کے درمیان سے اٹھتا اور ایک دم سے اچھل کر الماری سے یوں هی کوئی کتاب نکال لیتا — اس کی بھویں تن جاتیں، آواز میں کوشش کا تناؤ آجاتا، دو تین سطریں پڑھتا اور پھر اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو جاتا — میری طرف مڑ کر بڑے بھولے پن سے کہتا:

rekhta

''ارے میں تو پڑھ لیتا ہوں — ایسی عجیب بات کبھی تم نے سنی ہے؟''

آنکھیں بند کرکے سطروں کو دوہراتا:

گھاٹی پر پرندہ یوں بیٹھا ہوا ہے
جیسے بیٹے کی قبر پر ماں

کئی مرتبہ اس نے بڑی احتیاط سے مدھم لہجے میں آہستہ سے پوچھا:

''کیا تم مجھے یہ نہیں سمجھا سکتے بھیا کہ یہ معاملہ ہو کیسے جاتا ہے — انسان ان ٹیڑھی میڑھی، گول گول ننھی ننھی لکیروں کو دیکھتا ہے اور وہ لفظ بن جاتی ہیں — اور میں ان لفظوں کو پڑھ بھی سکتا ہوں —— کمال ہے! یہ ہمارے اپنے ہی تو الفاظ ہیں جن کو ہم لوگ ہر وقت بولتے رہتے ہیں — لیکن وہ آخر مجھے معلوم کیسے ہوئے؟ کسی نے میرے کان میں تو پھونکے نہیں — اگر تصویریں ہوتیں تو پھر بھی سمجھہ میں بات آسکتی تھی لیکن اس طرح تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں کسی کے دل کی بات دیکھہ رہا ہوں جو یہاں اس صفحے پر چھپی ہوئی ہے — یہ سب کیسے ہو جاتا ہے؟''

اب میں اس کو کیا جواب دیتا؟ ''مجھہ کو نہیں معلوم'' جب میں نے یہ کہا تو اسے سخت مایوسی ہوئی — چھپا ہوا صفحہ روشنی کے بالکل قریب لاکر غور سے دیکھہ کر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا ''تو پھر جادو ہوگا —''

اس شخص میں ایک خوشگوار اور دلکش بھولاپن تھا ایسا ستھرا اور شفاف جیسے بچوں کی معصومیت! اسے دیکھہ کر میرے ذہن میں کتابوں کے تخیلی کسان کا تصور اور زیادہ ابھرتا جاتا تھا — اس کا مزاج شاعرانہ تھا جیسا عموماً مچھیروں کا ہوتا ہے اور اسے والگا،

rekhta

رات کی پروقار خاموشی سے، تنہائی اور سناٹے سے اور غور و فکر کی زندگی سے عشق تھا۔

ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر وہ مجھ سے سوال کرتا:

''خوخول کہتے ھیں کہ ممکن ھے وھاں بھی کچھ جاندار رھتے ھوں جیسے یہاں ھیں۔ تمہارا کیا خیال ھے؟ ایسا ھے؟ اگر کوئی ان کو اشارہ کر سکے، ان سے پوچھ سکے کہ تمہاری کیسی گذرتی ھے۔ غالباً ھم لوگوں سے تو اچھی ھی گذرتی ھوگی —— زیادہ خوشی سے۔''

بنیادی طور پر وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھا۔ وہ یتیم تھا۔ شادی بیاہ ھوا نہیں تھا۔ بالکل آزاد، اپنے پیشے مچھلی پکڑنے میں مگن تھا۔ لیکن اسے اپنے ساتھی دیہاتیوں سے نفرت تھی اور مجھے ان سے خبردار کیا کرتا تھا:

''تم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا۔ لومڑیوں کی سی طبیعت ھے ان لوگوں کی۔ دھوکہ باز، چرکہ دینے والے۔ آج تمہیں ایک رخ دکھائیں گے تو کل بالکل بدل کر دوسرا۔ ان میں سے ھر ایک کو بس اپنی پڑی رھتی ھے۔ کوئی کسی کا نہیں۔ نہ عام بھلائی کی یہ لوگ کوشش کرتے ھیں۔''

دیہات کے امیروں کے متعلق وہ اتنی نفرت سے بات کرتا تھا جو اس کی نرم طبیعت کو دیکھتے بڑی عجیب لگتی تھی۔

''آخر یہ دوسروں سے زیادہ امیر ھوئے کیسے؟ کیونکہ چالاک جو زیادہ ھیں۔ اچھی بات ھے۔ چالاک ھیں تو جائیں جہنم میں! اور ایک بات اور یاد رکھیں کہ دیہات والوں کی بھلائی اسی میں ھے کہ ایک گلے میں رھیں اور ایک دوسرے سے لڑیں نہیں۔ تب تو مضبوطی رہ سکتی ھے۔ لیکن اس کے بجائے وہ گاؤں بھر میں پھوٹ ڈالتے پھرتے ھیں۔ آگ میں ایندھن جھونکتے ھیں۔ یہ حرکت ھے ان کی۔ خود اپنے دشمن ھیں، بے ایمان کہیں کے۔ اب دیکھو

بیچارے خوخول کو کس قدر پریشان کر رہے ہیں!،،

وہ خوبصورت اور طاقتور تھا اس لئے عورتیں اس پر بہت مرتی تھیں اور اسے چین نہیں لینے دیتی تھیں — بڑے مزے میں وہ اس بات کو تسلیم کرتا:

''ہاں، ہاں — عورتیں میرا بےحد لاڈ کرکے میرا دماغ خراب کرتی ہیں اور ان کے شوہروں کو یہ اچھا نہیں لگتا — اگر میں ان شوہروں کی جگہ ہوتا تو مجھے بھی برا لگتا — مگر مشکل یہ ہے کہ اب عورتوں سے کیسے نہ اچھی طرح پیش آیا جائے — عورت تو گویا مرد کی دوسری روح ہوتی ہے — اور پھر یہ لوگ یعنی عورتیں جو زندگی بسر کرتی ہیں —— نہ کوئی تفریح، نہ کبھی مہربانی محبت! صبح سے شام تک خچروں کی طرح کام کرنا — شوہروں کو وقت نہیں ملتا کہ ان سے پیار کریں — لیکن میں کھلی ہوئی ہوا کی طرح آزاد ٹھہرا! بہت سی تو ایسی ہوتی ہیں کہ شادی کو سال بھر بھی نہیں ہوا کہ میاں نے گھونسوں کا مزہ چکھا دیا — ہاں میں ان کے ساتھ ذرا حماقتیں کر لیتا ہوں اور بس — لیکن میں ان سے ایک بات یہ ضرور کہتا ہوں کہ بھئی ایک دوسرے سے خفا نہ ہو — میں تم سب کا خیال کر سکتا ہوں — آپس میں جلنا کیا معنی — میرے لئے تم سب برابر ہو کیونکہ مجھے تو سب سے ہمدردی ہے، سبھی کے لئے افسوس کرتا ہوں —،،

پھر ذرا جھینپ کر اس نے اپنی بات جاری رکھی:

''میں نے ایک بار ایک بیگم صاحبہ کے ساتھ ناجائز تعلق تقریباً قائم ھی کر لیا تھا — وہ شہر کی بیگم تھی اور یہاں اس نے گرمیوں میں مکان لیا تھا — بہت خوبصورت تھی — جلد جیسے دودھ، بال جیسے سونا اور آنکھیں نیلی، ایسی نیلی کہ کیا بتاؤں، اور ان آنکھوں میں شفقت اور پیار جھلکتا تھا — میں اس کے یہاں مچھلی بیچنے جایا کرتا تھا اور ہر بار ہی اس کی صورت سے نظریں نہیں ہٹا سکتا تھا —

rekhta

وہ کہتی ،،یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟،، میں کہتا ''آپ تو خود ہی جانتی ہیں — ،، پھر اس نے کہا ''اچھا، یہی سہی — میں آج کی رات تمہارے پاس آؤں گی — انتظار کرنا — ،، اور وہ بالکل آ بھی گئی لیکن بس یہ ہوا کہ مچھروں نے اس کو پریشان کرنا شروع کر دیا — تو بھئی ہم لوگوں سے کچھ ہو ہی نہیں سکا — وہ کہتی ''یہ مچھر کس بری طرح کاٹتے ہیں — ہائے میں برداشت نہیں کر سکتی — ،، اور وہ تقریباً رونے لگی — دوسرے دن اس کا شوہر آ گیا — کوئی جج تھا وہ — ہاں ان لیڈیوں کی یہی تو بات ہے — ،، ایزوت نے افسردہ ملامت کے ساتھ کہا ''مچھر تک ان کی زندگی کو تباہ کر سکتے ہیں — ،،

کوکوشکن کا ذکر وہ بڑی تعریفوں کے ساتھ کرتا تھا:

''تم دیکھ لینا! یہ شخص ہے شریف اور سچ مچ ایک دل والا آدمی — لوگ اس کو پسند نہیں کرتے لیکن لوگ غلطی کرتے ہیں — ویسے کجی ضرور ہے مگر پھر آخر بے عیب کون ہے؟،،

کوکوشکن کے پاس اپنی زمین نہیں تھی — پانکوف کی زمین پر مزدوری کرتا تھا — اس کی بیوی بھی کھیت مزدور تھی —— شرابی عورت، چھوٹا سا قد، لیکن بڑی مضبوط، پھرتیلی اور مزاج کی خوب تیز — ان لوگوں نے اپنا مکان ایک لوہار کو کرائے پر دے رکھا تھا اور خود اپنے مکان کے حمام میں رہتے تھے — کوکوشکن کو نئی نئی خبریں سننے اور ہر بات کی ٹوہ لینے کا جنون تھا — اگر کوئی نئی خبر نہ ملتی تو وہ خود خبریں گڑھتا جو عام طور پر ایک ہی قسم کی ہوتی تھیں —

''آپ نے کچھ سنا میخائل، یہ جو تینکوف کا کوتوال تھا نا اس نے اب قسم کھا لی ہے کہ راہب بن جائے گا اور اپنی نوکری چھوڑ دے گا — کہتا ہے بھئی میں اب کسانوں کو زیادہ نہیں ستا سکتا — بس بہت ستا چکا!،،

rekhta

خوخول مکمل سنجیدگی سے جواب دیتے :

''اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو پھر تو بہت جلد سارے افسر اڑنچھو ہو جائیں گے —''

کوکوشکن اپنے الجھے بالوں میں سے گھاس، تنکے اور مرغیوں کے پر وغیرہ نکالتے ہوئے اس تجویز پر غور کرتا :

''نہیں — یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ سب — مگر ہاں جن کے تھوڑا بہت ضمیر ہے ان کے لئے تو اپنی یہ چاکریاں کرنی بڑی مشکل ہیں — آپ ضمیر کو تو مانتے ہیں نا —— وہ تو مجھے نظر ہی آ رہا ہے کہ آپ نہیں مانتے — لیکن پھر بھی انسان ضمیر کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہے — میں تو ایسے آدمی کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا چاہے وہ کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو — اب یہی لیجئے ایک خاتون تھیں . . .''

اور پھر اس نے ایک داستان شروع کر دی جو کسی بہت ہی ''زبردست قسم کی سمجھدار'' زمین‌دار عورت سے متعلق تھی —

''وہ اتنی بدمعاش، اتنی ظالم تھی کہ گورنر تک اس سے ملنے آیا — وہ اتنا بڑا آدمی ہے اور اتنی اس کی پوزیشن ہے پھر بھی آیا — اور وہ کہتا ہے ''مادام آپ ذرا احتیاط برتیں، کیونکہ'' وہ کہتا ہے ''کیونکہ آپ کے کرتوتوں کی افواہیں یہاں سے لے کر سینٹ پیٹرس‌برگ تک پھیل گئی ہیں —'' تو بس ظاہر ہے کہ اس نے گورنر کے لئے خوب شراب لنڈھائی مگر کہا بس اتنا ہی کہ آپ ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جائیے، میں اپنی فطرت نہیں بدل سکتی — تین سال اور ایک مہینہ گذر گیا پھر یکایک اس نے اپنے سب کسانوں کو بلایا اور بولی ''لو، میری یہ سب زمین لے لو — اور خدا حافظ، اور مجھے معاف کرو، میں جا رہی ہوں —''

''نن بننے کے لئے نا؟'' خوخول نے بیچ میں ٹکڑا لگایا —

کوکوشکن نے غور سے ان کو دیکھا اور حامی بھرتے ہوئے سر ہلایا :

rekhta

''جی ہاں — ٹھیک ہے — وہ جا کر بڑی نن بن گئی — تو آپ نے بھی اس کے متعلق سنا ہے؟،،

''نہیں — میں نے تو اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں سنی —،،

''تو پھر آپ کیسے جانتے ہیں؟،،

''میں تم کو جو جانتا ہوں —،،

بیچارہ خیالی پلاؤ پکانے والا تاسف سے اپنا سر ہلانے لگا:

''آپ تو کبھی کسی کی بات مانتے ہی نہیں ہیں —،،

اس طرح برابر ہوا کرتا — اس کی داستانوں میں ہمیشہ جو ظالم اور برے لوگ ہوا کرتے تھے وہ آخرکار برائی کرتے کرتے تھک جایا کرتے تھے اور غائب ہو جایا کرتے تھے — یا اکثر وہ ان کو کسی خانقاہ وغیرہ میں ٹرخا دیا کرتا تھا جیسے کوڑے کو اٹھا کر گھورے پر پھینک دیا جائے — اس کے دماغ میں عجیب عجیب اور غیرمعمولی خیالات آیا کرتے تھے — پیشانی پر بل ڈال کر اچانک اعلان کرتا:

''ہم نے بیکار تاتاریوں کو فتح لیا — تاتاری ہم سے زیادہ اچھے انسان ہیں —،، اور یہ بات اس وقت کہی جاتی جب تاتاری کا کہیں ذکر نہ ہوتا بلکہ اس وقت پھل پیدا کرنے والوں کی تنظیمی انجمن بنانے کی گفتگو ہوتی رہتی — یا جب روماس سائبیریا کا یا وہاں کے رہنےوالے، کھاتے پیتے کسانوں کا ذکر کرتے ہوتے تو کوکوشکن دماغ پر زور ڈال کے اور بہت سوچ کے ایک دم سے کہتا:

''اگر ہیرنگ مچھلی کا شکار دو تین سال نہ کیا جائے تو ان کی تعداد اتنی بڑھ سکتی ہے کہ سمندر سب بھر جائیں اور پھر ایک طوفان نوح آ جائے — حیرت ہے کہ مچھلیاں بھی کس قدر جلدی بڑھتی ہیں!،،

گاؤں میں سب اس کو ایک بےکار اور چھچھورا آدمی سمجھتے تھے — اس کی کہانیاں اور عجیب‌وغریب خیالات سے کسانوں کو

rekhta

چڑ تھی — پھر بھی اگرچہ وہ اس کو چڑاتے، کوستے، لیکن اس کی بات غور اور دلچسپی سے سنتے جیسے اس بات کی امید رکھتے ہوں کہ اس کے خیالی پلاؤ اور ہوائی قلعوں میں کہیں سچائی کا شائبہ نکل آئے گا — شریف لوگ اس کو کہتے ”غبارہ ہے —— بس پھونک بھری ہوئی ہے —“ [

صرف پانکوف کہتا ”استیپان تو پہیلیوں میں بات کرتا ہے —“

کوکوشکن بڑا صلا حیتوں والا مزدور تھا — وہ پہیے بنانے کا بھی کام کرتا تھا، اینٹوں کے تندور بھی بنا لیتا تھا، شہد کی مکھیاں پالنے کے طور طریقے جانتا تھا، عورتوں کو مرغیاں پالنا سکھاتا اور بڑھئی کا کام بڑی خوبی سے کرتا تھا — وہ جو کام ہاتھہ میں اٹھا لیتا تھا اس کا خوبی کے ساتھہ پورا ہو جانا یقینی تھا اگرچہ وہ آہستہ آہستہ اور بے دلی سے کام کرتا تھا — اسے بلیوں کا شوق تھا اور کوئی دس بلیاں تو اس کے یہاں پلی ہوں گی — اچھی خاصی جیسے جنگلی شکاری جانور ہوتے ہیں — وہ ان کو اپنے حمام میں رکھتا تھا اور ان کے کھانے کے لئے کوے اور مینائیں پکڑ کر لایا کرتا تھا — اس طرح اس نے ان کو چڑیاں کھانے کا عادی بنا دیا تھا جس سے گاؤں والے اس سے چڑھتے تھے کیونکہ وہ پاس پڑوس کی مرغیاں اور چوزے پکڑ کے کھا جایا کرتی تھیں — عورتیں استیپان کی ان بلیوں کی تلاش میں رہتی تھیں اور ان کو پکڑ کر بری طرح مار ڈالتی تھیں — اکثر اس کے حمام میں لڑتے ہوئے پڑوسیوں کی چیخم دہاڑ مچی رہتی لیکن اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا:

”بے وقوف سب کے سب! ارے بلیاں تو شکاری جانور ہوتی ہی ہیں — کتوں سے کہیں بہتر — جب میں ان بلیوں کو چڑیوں کا شکار کرنا سکھا دوں گا تو پھر ہم لوگ بلیوں کی نسلیں کی نسلیں پالیں گے —— سینکڑوں —— پھر ان کو بیچیں گے — اور اس کے معنی ہیں جیب میں پیسے — بے وقوف کہیں کے!“

اس نے ایک بار پڑھنا لکھنا سیکھا تھا لیکن اب اسے اس فن کے متعلق کچھہ یاد نہ تھا اور نہ ھی اسے اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کی خواھش تھی — فطری طور پر وہ ذھین اور تیز تھا — اس لئے خوخول کی گفتگو کے اھم نکتوں کو دوسروں سے جلدی سمجھہ جاتا تھا — اپنا منھہ سکوڑتا جیسے کسی نے کڑوی دوا کی ایک خوراک پی لی ھو اور کھتا ''تو ایوان خوفناک بھی چھوٹے آدمیوں کا کوئی دشمن نہیں تھا —،،

کوکوشکن، ایزوت اور پانکوف اکثر شام کو آتے اور کافی رات گئے تک بیٹھتے خوخول کی باتیں سنتے رہتے دنیا کے نظام کے متعلق، باھری ملکوں کی زندگی کے متعلق، عوام کے اٹھائے ھوئے انقلابی ھنگاموں کے متعلق — پانکوف کو انقلاب فرانس بےحد پسند تھا — نہائت معترف ھوکے کھتا:

''ھاں —— یہ ھوئی واقعی زمانے کی کروٹ!،،

تقریباً دو سال پہلے پانکوف نے جائداد میں سے اپنا حصہ اپنے باپ سے طلب کیا تھا — اس کا باپ امیر کسان تھا، بڑی بڑی خوفناک آنکھیں تھیں جو ابلی پڑتی تھیں — اپنا حصہ لے کر پانکوف نے اپنی ایک آزاد زندگی بنا لی تھی، ''محبت کرکے،، ایک یتیم لڑکی سے شادی کر لی تھی جو ایزوت کی بھتیجی لگتی تھی — وہ اپنی بیوی کو بہت دباؤ میں رکھتا تھا لیکن کپڑے وغیرہ اس کو شہر کے سے نئے نئے فیشنوں کے پہناتا تھا — پانکوف کا باپ اس علیحدگی پر اس کو کوستا تھا اور جب اپنے بیٹے کے نئے مکان کے پاس سے گذرتا تو زور سے تھوکتا — گاؤں کے امیر اور کھاتے پیتے لوگ پانکوف سے اس بات پر بہت ناراض تھے کہ اس نے اپنا مکان روماس کو کرائے پر دے دیا تھا اور سامنے اس کی دوکان کے لئے سائبان بھی ڈلوا دیا تھا — وہ اس بات پر پانکوف سے نفرت کرتے تھے لیکن وہ بظاھر ان کی نفرت کی پرواہ نہیں کرتا تھا — وہ ان کا ذکر حقارت سے کرتا تھا — لیکن ان سے

rekhta

باتیں کرتا تو سختی سے مگر ہنس ہنس کر۔ اسے گاؤں کی زندگی سے شدید نفرت تھی۔ اکثر کہا کرتا:

”اگر مجھے کوئی پیشہ، کوئی ہنر آتا تو میں جا کر شہر میں رہتا....“

اس کا جسم بہت متناسب تھا، مضبوط تھا اور وہ کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے پہنتا، بڑے وقار اور سنجیدگی سے رہتا اور اس وقار کو سختی سے قائم رکھتا۔ طبیعت شکی تھی۔ روماس سے پوچھتا ”یہ آپ اس طرح کے کام کیوں کرتے ہیں؟ دل کی وجہ سے کہ دماغ کی؟“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“

”مجھے کیا معلوم؟ آپ بتائیے۔“

”لیکن تمہارے خیال میں کس کی بات ماننا بہتر ہے — دل کی کہ دماغ کی؟“

”مجھے کیا معلوم؟ آپ بتائیے۔ آپ کا کیا خیال ہے کس کی؟“

خوخول بھی ضدی تھے۔ آخر وہ اس کسان سے دل کی بات کہوا کے ہی چھوڑتے۔

”دماغ کی۔ بالکل۔ بہتر طریقہ تو یہی ہے۔ دماغ انسان کو فائدے کے خیال کے بغیر کوئی کام نہیں کرنے دیتا اور اسی سے کچھ حاصل بھی ہوتا ہے۔ کوئی ٹھوس چیز۔ لیکن دل کی بات مانو تو وہ برا مشیر ہے۔ اگر دل کی بات مانوں تو پھر تو ایسی مصیبت میں پڑوں کہ توبہ! یقیناً سب سے پہلے تو پادری صاحب کے گھر میں آگ لگا دوں تاکہ اسے یہ سبق سکھاؤں کہ خواہ‌مخواہ ہر جگہ جہاں اس کی ضرورت نہیں ہے وہاں اپنی ناک نہ گھسیڑتا پھرے۔“

یہ پادری صاحب ایک نہائت کمینہ فطرت آدمی تھے، چھوٹا سا، نکیلا سا منھ — اور انہوں نے پانکوف کو خاص طور پر اپنا مخالف

rekhta

بنا لیا تھا کیونکہ جب پانکوف کی اپنے باپ سے لڑائی ہوئی تھی تو وہ بیچ میں پڑے تھے —

شروع میں تو پانکوف نے میری طرف بھی غیر دوستانہ بلکہ دشمنوں کا سا رویہ رکھا — ایک آدھہ بار قابو سے باہر ہو کر مجھه پر چیخ بھی پڑا — لیکن جلد ہی یہ بات ختم ہو گئی اور پھر کچھه ایسا رویہ ہو گیا جیسے مجھه پر کچھه خفیہ شک کر رہا ہے — اور میں بھی کہوں گا کہ میری طرف سے بھی اس کی اس نفرت کا جواب برابر سے ملتا تھا — ترکی بہ ترکی!

وہ شامیں میری زندگی میں بڑی یادگار ہیں —— اس چوبی دیواروں والے کمرے میں گذاری ہوئی وہ شامیں — کونے میں ایک میز پر لیمپ جلتا رہتا تھا اور لیمپ کے پیچھے اس بھاری بھرکم انسان کی ہستی! اس کی گھنی داڑھی اور اوپر کو اٹھا ہوا، آگے کو نکلا ہوا ماتھا، اور وہ کہتا جاتا:

’’زندگی میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان جانوروں سے آگے، اور آگے، اور آگے بڑھتا جائے...،،

تینوں کسان غور سے اس کی بات سنتے ہوئے، ان کی آنکھیں چمکتی ہوئی، چہرے پر ذہانت برستی ہوئی! ایزوت ہمیشہ بالکل خاموش رہتا جیسے دور سے آتی ہوئی کسی ایسی آواز پر کان لگائے ہوئے ہے جس کو صرف وہی سن رہا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں سن پا رہا ہے — کوکوشکن اس طرح باربار پہلو بدلتا جیسے اسے مچھر کاٹ رہے ہوں — پانکوف اپنی چھوٹی سی مونچھوں پر تاؤ دے دے کر کسی خیال کے تحت آہستہ آہستہ کہتا جاتا:

’’تو آخرکار اس بات کی ضرورت پڑی کہ لوگوں کو طبقوں میں تقسیم کیا جائے —،،

پانکوف کی ایک بات ایسی تھی جس کا میں بہت معترف تھا — وہ اپنے مزدور کوکوشکن سے کبھی بری طرح نہیں پیش آتا تھا

اور اس کے خیالی پلاؤ اور ہوائی قلعوں کی باتوں کو وہ ہمیشہ توجہ سے سن لیا کرتا تھا ۔

شام کی اس گفتگو اور اس بیٹھک کے بعد میں اپنے کوٹھےوالے کمرے میں چلا جاتا اور دیر تک کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر سوتے ہوئے گاؤں اور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھتا رہتا جہاں خاموشی کا راج ہوتا ۔ دمکتے ہوئے ستارے رات کی تاریکی کو چیرتے ہوئے جتنا زیادہ مجھ سے دور ہوتے اتنا ہی زیادہ زمین کے نزدیک لگتے ۔ اس باوقار خاموشی میں میرا دل جیسے بھنچنے اور سکڑنے لگتا، خیالات اڑ کر خلا کی وسعتوں میں گم ہو جاتے جہاں ہزاروں گاؤں پڑے ہیں، ہمارے ہی اس گاؤں کی مانند، زمین کی سپاٹ چھاتی سے لگے ہوئے ۔ چاروں طرف ہر شے بےحس‌وحرکت اور خاموش ۔

یہ تاریک خلا مجھے اپنی گرم آغوش میں بھینچ لیتا اور یہاں تک مجھ سے لپٹتا کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے میری روح میں ہزاروں جونکیں لپٹی ہوئی ہیں، مجھ پر غنودگی کا عالم طاری ہو جاتا، ایک مبہم سی بےچینی دل کو اندر ہی اندر کھاتی جاتی ۔ ہماری اس وسیع دنیا کے دیکھتے میرا اپنا وجود کس قدر کم‌مایہ، کس قدر حقیر تھا...

گاؤں کی زندگی مجھے بےمسرت دکھائی دیتی تھی ۔ میں نے اکثر سنا اور پڑھا تھا کہ گاؤں کی زندگی شہر سے زیادہ صحت مند اور میل ملاپ والی ہوتی ہے لیکن میں یہاں دیکھتا تھا کہ کسان لوگ مسلسل ایسی محنت کرتے رہتے تھے جو ان کو بالکل پیس پیس ڈالتی تھی ۔ بہت سے ان میں سے بیمار اور مریل تھے، بہت سے مسلسل جانفشاں محنت کی وجہ سے عمر بھر کو مفلوج ہو چکے تھے ۔ مشکل سے ان کسانوں مس کوئی ہشاش‌بشاش چہرہ نظر آتا تھا ۔ یہ ٹھیک ہے کہ شہر کے مزدوروں پر بھی محنت ان لوگوں سے کچھ

rekhta

کم نہیں پڑتی تھی — لیکن وہ یقیناً خوش زیادہ رہتے تھے، تفریح زیادہ کرتے تھے اور ان بسورتے ہوئے دیہاتیوں کی طرح ہر وقت تھکے ہوئے انداز میں زندگی کا رونا نہیں روتے رہتے تھے — مجھے صاف ایسا نظر آنے لگا تھا کہ کسان کی زندگی کوئی آسان زندگی نہیں ہے — زمین پر مسلسل اور بےحد توجہ دینی پڑتی تھی اور آپس میں ایک دوسرے سے برتاؤ اور کاروباری بات‌چیت کرنے میں بڑی چالاکی سے کام لینا پڑتا تھا — یہ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس بیلوں جیسے بدھوپن کی زندگی میں صحت مندی کہاں تھی — مجھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گاؤں کے سارے ہی لوگ اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہوئے، گویا ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی چیز سے ڈرا ہوا ہے، سب ایک دوسرے پر شک اور شبہ کر رہے ہیں —— کچھ بھیڑیوں کی سی خاصیتیں ان میں جان پڑتی تھیں —

یہ بھی سمجھنا میرے لئے بڑا مشکل تھا کہ آخر یہ سب خوخول اور پانکوف اور ہمارے ساتھیوں سے کیوں نفرت کرتے تھے — آخر ہم لوگ یہی تو چاہتے تھے کہ نظام زندگی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر پھر سے تعمیر کیا جائے —

اب مجھے صاف نظر آتا تھا کہ شہر کو گاؤں کے بہ‌نسبت کیا حاصل تھا —— مسرت حاصل کرنے کی تلاش، ہمت اور جرأت‌والی ذہنیت، مقاصد اور مسائل کا مختلف‌النوع ہونا — اور ایسی راتوں میں ہمیشہ مجھے شہر کے دو خاص لوگ یاد آتے تھے :

''ف — کالوگن اور ز — نیبے،،

''دستی و دیواری و دیگر قسم کی گھڑیوں کی مرمت — ہمارے یہاں مختلف قسم کے آلات کی مرمت بھی کی جاتی ہے — سرجری کے تمام آلات، سینے کی مشینیں، چاہے وہ کسی کمپنی کی ہوں و دیگر آلات یہاں بخوبی‌وبکفایت مرمت کئے جاتے ہیں —،،

یہ سائن بورڈ ایک تنگ رسے دوازے پر لگا تھا جو ایک ننھی سی دوکان کی دو گردآلود کھڑکیوں کے درمیان کھلتا تھا — ان میں سے ایک کھڑکی میں کالوگن بیٹھتا تھا —— گٹھیلا جسم، گول چہرہ اور تقریباً ہر وقت ہی مسکرایا کرتا — اس کی پیلی، صاف چکنی چندیا پر ایک بڑا سا گومڑا تھا، ایک آنکھ پر ہمیشہ مکبر شیشہ لگا ہوا — کبھی کبھار ایک باریک سی چمٹیا سے گھڑیوں کے آلات پٹ پٹ، ٹن ٹن کرتے ہوئے وہ گانے لگتا —— مونچھ کی سخت جھالر کے نیچے دہانہ کھل جاتا — دوسری کھڑکی کے پاس نیپے بیٹھتا تھا —— دبلا پتلا آدمی، پختہ رنگ، گھنگھریالے بال، نکیلی داڑھی، طوطے کی سی ناک، خوب بڑی سی سیاہ آنکھیں، زیتون کی طرح بڑی بڑی! فی الجملہ وہ ایسا لگتا جیسے تصویروں میں شیطان پینٹ کئے جاتے ہیں — وہ بھی ہر وقت ننھے ننھے نازک پرزوں کی اٹھا دھری، کھول موند میں مصروف نظر آتا — لیکن کبھی کبھی وہ بھی کھرجدار بھاری آواز میں چلانے لگتا:

''ترارا، تام، تام، تام!''

ان دونوں کے پیچھے گڑبڑ سڑبڑ سامان کی جھلکی مجھے بھی دکھائی دیتی تھی — پہیئوں کی پیٹیاں، طرح طرح کی مشینیں، فالتو پہیئے، باجے، اسکولوں کے گلوب وغیرہ — الماریوں میں عجیب و غریب شکلوں کے لوہے کے سامان، پرزے وغیرہ رکھے رہتے تھے — دیواروں پر قسم قسم کی گھڑیاں لٹکی رہتیں اور ان کے پنڈولم جھولا کرتے — اگر میرا لمبا چوڑا جسم روشنی نہ روکتا تو میں تو گھنٹوں وہاں کھڑا رہتا اور ان لوگوں کو کام کرتے دیکھتا — لیکن میرے کھڑے ہونے سے روشنی رکتی تھی اور یہ مستری لوگ برا سا منھ بنا کر ہاتھ سے مجھے ہٹ جانے کا اشارہ کرتے — میں وہاں سے ہٹ جاتا اور چلتے چلتے سوچتا جاتا کہ کوئی بھی کام کر سکنے کی قابلیت کتنی بڑی خوش نصیبی ہے —

میں ان لوگوں کی دل سے عزت کرتا تھا اور اس بات پر میرا

rekhta

پکا ایمان تھا کہ ان لوگوں کو ہر طرح کی مشینوں اور آلات اور اوزاروں کے سارے راز معلوم ہیں، کہ وہ دنیا کی ہر ٹوٹی ہوئی چیز کی مرمت کر سکتے ہیں — یہ ہیں واقعی آدمی!

لیکن گاؤں کی زندگی مجھے پسند نہ تھی — کسانوں کو سمجھنا میرے لئے بڑا مشکل تھا — عورتیں تو خاص کر ہر وقت اور مسلسل بیماری کا رونا رویا کرتی تھیں — کبھی ’دل ڈوب، رہا ہے، تو کبھی ’کلیجہ جل، رہا ہے — اور پیٹ میں اینٹھن تو ہر وقت ہوا کرتی — جب عورتیں اتوار کو یا کسی چھٹی کے دن والگا کے کنارے جمع ہوتیں یا اپنے گھروں کے سامنے بنچوں پر بیٹھتیں تو کسی موضوع کے مقابلے میں اس موضوع اور ان آثار پر سب سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے بحث ہوتی — سب ہی کسان بے حد چڑچڑے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر گالی کوسنے پر اتر آتے تھے — ایک مرتبہ مٹی کے ایک چٹخے ہوئے جگ پر جس کی قیمت (جب وہ نیا رہا ہوگا تب) مشکل سے بارہ کوپک رہی ہوگی، تین خاندانوں میں آپس میں لاٹھی چل گئی — اور لڑائی ختم ہوتے ہوتے ایک بڑھیا کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور ایک نوجوان کی کھوپڑی کھل گئی — شاذ ہی کوئی ہفتہ گذرتا ہوگا جب اس قسم کی لڑائیاں جھگڑے نہ ہوتے ہوں —

نوجوان لڑکیوں سے بڑی بےباک فحاشی سے پیش آتے اور ان کو طرح طرح سے پریشان کرتے — کسی لڑکی کو کھیت میں پکڑ لیتے اور اس کا سایہ سر تک الٹ کر اسے اوپر سے مونج سے باندھ دیتے — یہ ’’گلدستہ بنانا،، کہلاتا تھا — لڑکیاں کمر تک ننگی ہوکر خوب چیختیں، چلاتیں، کوستیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کھیل انہیں بھی بہت زیادہ نا پسند نہیں تھا — کم از کم اپنے بندھنوں کو کھولنے یا توڑنے میں کچھ ایسی زیادہ جلدی نہیں کرتی تھیں — گرجا گھر میں رات کی عبادت کے وقت نوجوان لڑکیوں کے کولھے اور کمر میں چٹکیاں کاٹنے میں اس طرح مصروف

rekhta

رھتے تھے گویا اسی کام کے لئے گرجا گھر آئے ھوں — اتوار کے دن پادری صاحب منبر پر سے ان کو نصیحت فضیحت کرتے:

''جانورو، وحشیو! کیا اپنی فحاشی بدمعاشی کے لئے تمہیں اور کہیں جگہ نہیں ملتی؟،،

روماس نے مجھے بتایا:

''یوکرین میں لوگ زیادہ شاعرانہ طریقے پر مذھبی ھیں — یہاں تو میں دیکھتا ھوں کہ خدا پر ایمان کی تہہ میں صرف لالچ اور خوف کے کھردرے جذبات ھیں — جھاں تک دل سے خدا کی محبت کا سوال ھے وہ تمہیں یہاں کے لوگوں میں نہیں ملے گی — ممکن ھے یہ بات بہتر ھی ھو — اس کیفیت میں یہ لوگ جلدی مذھب سے چھٹکارا پا جائیں گے — اور یہ مذھب جو ھے یہ نہائت مہلک رجحان ھے، نہائت ھی مہلک تعصب — میں تمہیں یقین دلا سکتا ھوں!،،

دیہات کے نوجوان شیخی خورے اور اینٹھو بھی تھے لیکن بزدل — اب تک تین بار وہ رات کے اندھیرے میں مجھ پر حملے کر چکے تھے لیکن ناکام رھے — صرف ایک بار ایک ڈنڈا میری ٹانگ میں لگا تھا — ظاھر ھے کہ میں نے ان جھڑپوں کے بارے میں روماس سے کچھ نہیں کہا لیکن اس دن ٹانگ میں جو چوٹ لگی تو مجھے لنگڑاتے دیکھ کر وہ سمجھ گئے —

''کیوں؟ چکھ لیا مزہ؟ میں نے کہا تھا نا کہ ھشیار رھنا!،،

اگرچہ انہوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ رات گئے گاؤں میں ادھر ادھر نہ گھوموں لیکن میں پیچھے والے سبزی کے باغ سے نکل کر والگا کے کنارے پر پہنچ جاتا تھا اور وھاں بید کی جھاڑیوں میں بیٹھا، رات کی شفاف نقاب کے پار دوسرے کنارے کی نچلی وادیوں کو دیکھا کرتا — والگا میرے سامنے آھستہ آھستہ شاھانہ انداز میں بہتا رھتا اور چھپے ھوئے سورج کی شعاعیں چاند کا عکس بن

کر اس کے پانی میں چاندنی برساتی رہتیں — مجھے چاند پسند نہیں تھا بلکہ کچھ منحوس سا لگتا تھا — کتوں کی طرح مجھے بھی اس کی روشنی میں اداسی محسوس ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ سر اٹھا کر زور زور سے روؤں — اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ چاند کی روشنی اس کی اپنی روشنی نہیں ہے، چاند تو مردہ ہے، اس پر زندگی کے آثار نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں —— تو مجھے بہت خوشی ہوئی — جب تک مجھے یہ بات معلوم نہ ہوئی تھی اس وقت تک میں اپنے تخیل میں یہ سمجھتا تھا کہ چاند میں تانبے کے بنے ہوئے لوگ رہتے ہوں گے — ان کے جسم مثلث کی طرح تکونے ہوں گے، لمبی لمبی کمپاس کی سی ٹانگیں ہوں گی جو چلنے میں اس طرح بجتی ہوں گی جیسے روزوں کے زمانے میں گرجا کی گھنٹیاں بجتی ہیں — چاند پر تمام چیزیں تانبے کی ہی بنی ہوئی ہیں اور ہر چیز —— سبزیاں، جانور —— ہر چیز مسلسل بجتی رہتی ہوگی — وہاں ہر شے ہماری زمین کی دشمن ہے اور ہر چیز ہماری دنیا کے خلاف سازش کرتی ہے — لہذا ظاہر ہے یہ بات کس قدر اچھی لگی کہ چاند تو صرف آسمان میں ایک شے بےکار ہے — پھر بھی اچھا ہوتا اگر کوئی بڑا ستارہ چاند سے ٹکرا جاتا کہ اس میں آگ لگ جاتی اور پھر ہم دنیا والے چاند کی اصل روشنی کو دیکھتے —

دریا کے کنارے بیٹھ کر میں دیکھتا کہ آہستہ آہستہ ڈولتی ہوئی لہریں چاند کی روشنی کی زربفت پٹی کو جھولا جھلا رہی ہیں — دور دھند میں سے یہ لہریں نکلتیں اور کھردرے ساحل کی تاریک پرچھائیوں میں گم ہو جاتیں اور یہ دیکھتے دیکھتے میں اپنے آپ میں جیسے ایک نئی ذہنی طاقت ابھرتی ہوئی محسوس کرتا، جیسے میرے تصورات اور واضح اور صاف ہو جاتے — جو خیالات الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے تھے وہ اس وقت دماغ پر اس طرح چھا جاتے جیسے دن کے وقت کبھی نہیں چھاتے تھے — پانی کا شاہانہ بہاؤ

rekhta

نہائت خاموشی کے ساتھ چلتا رہتا — پانی کی سیاہ چادر پر کوئی اسٹیمر اوپر یا نیچے کی طرف آہستہ آہستہ لہراتا بہتا جاتا جیسے کوئی آتشیں بال و پر والا عنقا ہو اور اس کے بھاری پروں کی دھیمی سرسراہٹ اس کے اڑ جانے کے بعد بھی کانوں میں سنائی دیتی ہو — یا نچلے ساحل کے کنارے کنارے روشنی تیر رہی ہو اور اس روشنی سے تیز سرخ کرن پھوٹ رہی ہو اور پانی پر بہتی جا رہی ہو — خالی مچھیروں کی مشعل کی روشنی ہوتی تو اس کے متعلق بھی ایسا تصور کیا جا سکتا تھا کہ کوئی خانماں برباد، آوارہ گرد ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور دریا پر ایک پھول کی طرح بہتا چلا جا رہا ہے —— پھول جس میں سے شعلوں کی لپٹیں نکل رہی ہیں —

ایسے موقعوں پر کتابوں میں پڑھی ہوئی باتیں عجیب عجیب تصورات کی شکل اختیار کرتیں اور تخیل خود بخود بےمثال حسن کے منظر پر منظر سامنے لاتا جاتا — مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ نرم و گرم رات کے خلا میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتا چلا جا رہا ہوں —

کبھی کبھار اس عالم میں ایزوت سے ملاقات ہوتی — رات کے وقت وہ اور بھی لمبا، اور بھی زیادہ دلکش لگنے لگتا —

''ارے تم پھر نکل پڑے؟،، وہ پوچھتا اور پھر میرے قریب چپ چاپ بیٹھ کر کسی گہرے طویل خیال میں کھو جاتا — اس کی نظریں دریا پر جمی ہوتیں یا آسمان کی طرف اٹھی ہوتیں اور وہ آہستہ آہستہ اپنی سرخی مائل سنہری داڑھی کو سہلاتا جاتا — کبھی کبھی وہ اپنی آرزوؤں اور ارمانوں کے خوابوں کو باآواز بلند بھی بیان کرتا:

''میں تھوڑا سا علم حاصل کر لوں پھر تو میں ہر دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلوں گا اور جو کچھ مجھے نظر آئے گا وہ میں سمجھ جاؤں گا — دوسروں کو بھی سمجھا دوں گا! اگر انسان اپنے دل کی بات کہہ سکے تو اس سے بڑھکر کیا بات ہے میرے بھائی —

rekhta

یہاں تک کہ عورتیں بھی —— کچھ عورتیں بھی —— سمجھ جاتی ہیں اگر ان سے خلوص دل کے ساتھ بات کی جائے — ابھی اسی دن میری کشتی میں ایک عورت سے میری ملاقات ہوئی اور وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ مرنے کے بعد ہمارا کیا حشر ہوتا ہے — ''میں نہ تو جہنم کو مانتی ہوں، نہ جنت کو —،، کہئے اب آپ کیا کہتے ہیں؟ عورتیں بھی، میرے بھائی، عورتیں بھی...،،

پھر ذرا رکتا جیسے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہو — ''ہاں، وہ... عورتیں بھی تو آخر زندہ روحیں ہوتی ہیں...،،

ایزوت رات کو نکلنے والا جانور تھا — اس کا ذوق حسن نہائت سلیم تھا اور بڑے دلکش انداز میں اس کے متعلق بات کرتا تھا جیسے کوئی خواب دیکھنے والا بچہ بھولے پن کے ساتھ نرم نرم جملے کہتا جاتا ہو — اسے خدا کے وجود پر عقیدہ تھا اور اگرچہ اس عقیدے کی بنیادیں گرجے کی تعلیم کے مطابق تھیں لیکن اس میں خوف کا عنصر شامل نہ تھا — اس کے لئے خدا ایک بھاری بھرکم حسین بزرگ تھا جو اس کائنات کا عقلمند اور نیک‌دل مالک تھا — ویسے شر اور برائیوں پر وہ اس لئے فتح حاصل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ''ہم سب انسان اتنے بہت سے ہیں کہ پروردگار کو فرصت ہی نہیں ملتی ہے — لیکن خیر —— وہ کرے گا انتظام — ہاں ضرور کرے گا —— دیکھتے جائیے گا — مگر بس وہ یسوع مسیح کی بات جو ہے تو وہ ذرا میری سمجھ میں نہیں آتی — آخر ان کی کیا ضرورت تھی — آخر خدا تو ہے ہی — ہے کہ نہیں؟ اچھا تو ہمارے لئے بس اتنا کافی ہے — مگر نہیں — اب لوگ ہیں کہ ایک اور آدمی کو بیچ میں لا رہے ہیں — کہتے ہیں کہ یہ خدا کے بیٹے ہیں — اچھا اگر بیٹے ہیں تو پھر بھی کیا ہوا؟ آخر خدا تو ابھی تک مرا نہیں ہے —،،

بہر حال ایزوت زیادہ‌تر میرے پاس چپ چاپ بیٹھا رہتا اور اپنے خیالات میں کھویا رہتا — کبھی کبھار ٹھنڈی سانس بھر کے کہتا:

rekhta

''اچھا تو یوں ہے یہ بات...،،

''کیا؟،،

''کچھ نہیں — وہ میں ذرا اپنے آپ ہی سے بات کر رہا تھا...،،

پھر ٹھنڈی سانس بھرتا اور دور بادلوں پر نظر جماکے کہتا:

''کیا ہی خوب چیز ہے یہ — زندگی!،،

ظاہر ہے مجھے اس کی اس بات سے اتفاق ہوتا:

''ہاں، زندگی بہت ہی خوب چیز ہے!،،

پرچھائیوں سے ڈھکا ہوا پانی مخمل کے تھان کی طرح کھلتا ہوا شان کے ساتھ ہمارے سامنے بہتا رہتا، اس کے اوپر کہکشاں کی پٹی خم کھاتی ہوئی دمکتی رہتی، بڑے سنہری ستارے، چمکتی ہوئی چکاوکوں کی طرح آسمان میں جھلملاتے رہتے! دل کو عرفان زندگی کے متعلق کیا کیا محسوس ہوتا، وہ عقل کی سرحدوں سے آگے نکل جاتا جیسے اسے حیات کے سب راز معلوم ہوں اور مدھم مدھم گنگناتا جاتا — دور وادیوں سے پرے سر اٹھاتی ہوئی کرنیں سرخ بادلوں کو چیرتی جاتیں اور بس اب سورج آسمان پر مور کے پروں کی طرح اپنے بازو پھیلایا ہی چاہتا ہے!

ایزوت آہستہ سے بدبداتا ''اف، یہ آفتاب! جیسے معجزہ...،،

سیب کے درخت کلیوں اور پھولوں سے لدکر گاؤں بھر پر گلابی بادل سے چھا گئے تھے اور ان کی کڑوی مہک ہر جگہ گھستی پھرتی تھی، جس کی وجہ سے کیچڑ اور گوبر کی بو دب گئی تھی — سینکڑوں درخت گلابی پتیوں کا ریشمی، بہار آفریں لباس پہنے، گھروں اور میدانوں کے بیچ بیچ میں، برابر سے، قطار اندر قطار، کھڑے ہوئے تھے — چاندنی راتوں میں جب پھولوں سے لدی ہوئی شاخیں اس طرح جھکورے لیتیں کہ سرسراہٹ بھی نہ سنائی دیتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ سنہری مائل نیلی لہریں پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں

rekhta

لے رھی ھیں — بلبلوں کا جنون‌انگیز نغمہ مسلسل سنائی دیتا — سارے دن سنہری مینائیں چہچہے اور دھومیں مچایا کرتیں اور چکاوکیں جو نظر نہ آتیں، دنیا پر اپنے میٹھے سنگیت کی موسلادھار بارش کرتی رھتیں —

تہواروں اور چھٹیوں پر لڑکیاں اور نوجوان عورتیں گاتی ھوئی، چڑیوں کی طرح اپنے منھہ کھولے، گلیوں میں ادھر سے ادھر آتیں اور جاتیں — آنکھوں سے شرابی مسکراھٹ کی نرمی اور گداز چھلکا پڑتا — ایزوت کے چہرے پر بھی ایک نشیلی مسکراھٹ آجاتی، اس کا جسم دبلا ھونے لگتا، آنکھیں تاریک گڑھوں میں بیٹھہ جاتیں — چہرے کی لکیریں گہری پڑ کر وہ اور بھی زیادہ خوب‌صورت اور مقدس ھستیوں کی طرح متبرک لگنے لگتا — وہ سارے دن تو پڑ کر سوتا لیکن جہاں رات آنی شروع ھوئی کہ کھویا ھوا، فکر میں ڈوبا ھوا گاؤں میں نکل آتا — کوکوشکن اسے گنوارپن سے مگر بڑی محبت سے چھیڑتا اور وہ جھینپ جھینپ کر جواب دیتا:

’’چپ رہ بھائی — کیا کیا جائے؟،،

پھر بڑے مست انداز میں کہتا:

’’آہ، زندگی کتنی شیریں ھے! اور ذرا سوچو توکس قدر پیار اور نیکی سے بھرپور ھوسکتی ھے زندگی! لوگ ایک دوسرے کا دل گرمانے کے لئے کیسی اچھی اچھی باتیں دریافت کر سکتے ھیں اور کہہ سکتے ھیں — بعض باتیں تو ایسی ھوتی ھیں کہ انسان سات بار مرکے بھی پیدا ھو تو اسے بھول نہیں سکتیں — جب قبر سے اٹھے گا تو وھی بات سب سے پہلے یاد آئے گی!،،

خوخول بڑی محبت سے کبھی کبھی کرتا ’’ذرا ھشیار رھنا! شوھروں کے ھاتھہ سے ابھی پٹے نہیں ھو —،،

’’ھاں ——— تو سبب تو ھے پٹنے کا،، ایزوت ایمانداری سے تسلیم کرتا —

تقریباً ہر رات کو میگون کی اونچی آواز پھلوں کے باغوں سے یا دریا کے کنارے سے برسنی شروع ہوتی، بلبلوں کے نغموں کو چیرتی ہوئی، دلوں اور روحوں کو برماتی ہوئی — اس کے گانے میں حیرت انگیز حسن تھا اور اسی گانے کا لحاظ کرکے کسان بھی اس کے بہت سے قصور معاف کر دیا کرتے تھے —

اب سنیچر کے دن ہماری دوکان پر آنے والے گاؤں کے باسیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی تھی — ان میں بوڑھا سوسلوف، بارینوف، کروتوف لوہار اور میگون برابر ہوتے تھے — اور اس طرح آدھی رات تک سلسلہ چلتا رہتا — کبھی کبھی کوئی شرابی لڑ پڑتا —— اور کوئی تو کم لیکن کانا کوستن اکثر یہ حرکت کرتا — وہ پرانا سپاہی تھا، کانا تھا اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں غائب تھیں — دیکھیں تو چلا آ رہا ہے دوکان کی طرف، لڑاکو مرغے کی طرح اینڈتا، آستینیں چڑھی ہوئی ہیں، مکے ہوا میں زوروں سے لہرا رہے ہیں، پھٹی ہوئی چٹخی ہوئی آواز میں چیخ چلا جا رہا ہے:

''خوخول! بدقومے! ترکی ایمان والے! ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم گرجا کیوں نہیں جاتے ہو—— کیوں بےدین! مفسد، متفنی! ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تم آخر ہو کس قسم کے آدمی!،،

لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں ''میشکا، ذرا یہ تو بتاؤ یہ دونوں انگلیاں کیوں بندوق سے اڑا دی ہیں؟ اتنا ڈر لگتا تھا ترکوں سے؟،،

اس بات پر وہ میدان جنگ میں کود پڑتا ہے لیکن کسان سب مل کر اس کو پکڑ لیتے ہیں اور چیختے دھتکارتے اس کو نالے کے سرے پر سے لڑھکا دیتے ہیں — وہ ڈھلوان پر سے لڑھکتا ہوا چیں چیں کرتا جاتا ہے:

قتل! قتل! مدد! مدد!،،

پھر نالے میں سے نکلتا ہے، سر سے پاؤں تک دھول میں اٹا ہوا اور خوخول سے ایک گلاس وادکا کے پیسے مانگتا ہے —

rekhta

''وہ کیوں؟،،

''تماشے کا ٹکٹ — کھیل کے دام!،، کسان سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے ہیں —

ایک دن کوئی چھٹی تھی — باورچن نے تندور گرم کیا اور پھر باہر احاطے میں چلی گئی — میں دوکان میں کام کر رہا تھا — یکایک مکان سے زور سے سانس لینے کی سی آواز آئی — پھر ساری دوکان تھرتھرانے لگی — الماریوں سے مٹھائیوں کے ڈبے اور اور سامان لڑھک لڑھک کر زمین پر گرنے لگے — شیشے چھنا چھن کرتے ہوئے نیچے گرے اور ساتھ ہی بہت سی اور چیزیں دھڑا دھڑ کرتی زمین پر آ رہیں — میں دوڑا ہوا باورچی خانے میں پہنچا — باورچی خانے سے دھوئیں کے بادل پیچ کھا کر نکلتے ہوئے تمام کمروں میں بھر رہے تھے اور دھوئیں کے نیچے کوئی چیز پھس پھس کرتی چٹخ رہی تھی — خوخول نے میرے کندھے پکڑ کر پیچھے کو کھینچا:

''ٹھہرو...،،

باورچن باہر گلیارے میں بھوں بھوں رو رہی تھی —

''گدھی عورت،، روماس نے کہا اور پھر تیر کی طرح دھوئیں کے بیچ میں گھس کر باورچی خانے میں کچھ کھڑبڑ کرنے لگے — پھر زور سے لعنت بھیجی اور آواز دی:

''مت بھوں بھوں کر! جاکے پانی لا!،،

فرش پر لکڑی کے کندے پڑے تھے جن میں سے دھواں نکل رہا تھا — ان کے بیچ بیچ میں اینٹیں اور آگ جلانے کی چندیاں پڑی تھیں جو سلگ رہی تھیں — تندور کا سیاہ منھہ خالی تھا — میں دھوئیں میں ٹٹولتا ہوا ادھر بڑھا جدھر پانی رکھا رہتا تھا، ایک بالٹی فرش پر سلگتی آگ پر پھینکا اور پھر لکڑیاں واپس تندور میں جھونکنے لگا —

''سبنھل کے!،، خوخول نے کہا — وہ باورچن کو اس سب گڑبڑ

سے نکال کر باہر لے جا رہے تھے — اس کو کمرے میں دھکیل کر خوخول نے اسے حکم دیا :

”جاؤ، دوکان میں تالا ڈال دو!،، اور مجھے حکم دیا ”میکسیمچ ! دھیرے دھیرے! ہو سکتا ہے پھر کوئی دھماکہ ہو...،، پھر وہ اکڑوں بیٹھه گئے اور زمین پر پڑے ہوئے گول کندوں میں سے ہر ایک کا غور سے معائنہ کرنے لگے — پھر وہ تندور کے پاس گئے اور جو لکڑیاں میں نے ابھی بھری تھیں ان کو کھینچ کر باہر نکالنے لگے —

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟،،

”یہ —— یہ دیکھو!،،

انہوں نے میری طرف جو کندہ بڑھایا وہ کچھه عجیب طریقے سے ٹوٹا ہوا تھا — میں نے زیادہ غور سے دیکھا تو یہ نظر آیا کہ اس کو اندر سے کھوکھلا کیا گیا تھا اور اس کی اندرونی دیواریں کالکھه سے سیاہ ہو رہی تھیں —

”دیکھا تم نے؟ کسی شیطان نے اس چیز کے اندر بارود بھرا ہے — گدھے کہیں کے — بھلا آدھه سیر بارود سے کوئی کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟،، انہوں نے کندے کو رکھه دیا اور ہاتھه دھوتے دھوتے کہنے لگے :

”اچھا ہوا کہ جو اکسینیا کمرے کے باہر تھی — ہو سکتا تھا کہ اس کو چوٹ آ جاتی...،،

کڑوا دھواں اب اوپر اٹھتا ہوا صاف ہوتا جا رہا تھا اور اب مجھے نظر آیا کہ الماری پر رکھی ہوئی پلیٹیں سب چٹخ گئی تھیں اور کھڑکیوں کے تمام شیشے ختم ہو گئے تھے — تندور کے منھه کے پاس سے بہت سی اینٹیں اڑ گئی تھیں —

خوخول کا اس وقت کا سکون مجھے اچھا نہیں لگا — ان کا رویہ اس وقت ایسا تھا گویا اس احمقانہ چال کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا — باہر بہت سے بچے اکٹھے ہوکر ادھر ادھر دوڑ رہے تھے اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں :

rekhta

''آگ! آگ! خوخول کے یہاں آگ لگ گئی!،،

ایک عورت بھوں بھوں رو رہی تھی اور اکسینیا کمرے میں گھبرا گھبرا کر چیخ رہی تھی:

''میخائل، لوگ دوکان میں گھسے آ رہے ہیں دروازہ توڑ کر!،،

''ارے چپ! میں آ رہا ہوں،، انہوں نے اپنی بھیگی ہوئی داڑھی خشک کرتے ہوئے کہا —

غصے اور رنج سے بگڑے ہوئے روئیں دار چہرے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے — دھوئیں میں ان کی آنکھیں سکڑ کر چمچما رہی تھیں — کسی نے زور سے اور تیز اونچی آواز میں پکارا:

''نکال دو ان لوگوں کو گاؤں سے! ان کے جھگڑے کسی طرح نبٹتے ہی نہیں! خدایا!،،

سرخ بالوں والا ایک چھوٹے سے قد کا آدمی باربار اچک کر کھڑکی پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ہر کوشش سے پہلے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا کر کچھ بدبداتا جو سنائی نہ دیتا — لیکن آخر وہ کھڑکی پر نہیں چڑھ پایا — اس کے دہنے ھاتھ میں ایک کلہاڑی تھی اور بائیں سے کھڑکی کا کٹھرا پکڑنے کی کوشش کرتا تھا جو اس کے ھاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا تھا —

روماس ھاتھ میں وہ کھوکھلی لکڑی لئے کھڑکی کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھنے لگے:

''کہاں چل دئے؟،،

''آگ بجھانے کے لئے...،،

''یہاں آگ واگ کچھ نہیں لگی ہے...،،

اس کسان نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور غائب ہو گیا — روماس دوکان کے برامدے میں نکلے اور انہوں نے لکڑی کا کھوکھلا دکھا کر زور سے مجمع سے کہا:

rekhta

''تم میں سے کسی نے اس کو بارود سے بھر کر ھمارے ایندھن میں چھپا دیا تھا لیکن اتنا بارود نہیں تھا کہ کوئی نقصان پہنچا سکتا—''

خوخول کے پیچھے کھڑے میں نے باھر مجمع پر نظر ڈالی— وہ کلہاڑی‌والا کسان بوکھلایا ھوا اپنے پڑوسیوں سے کہہ رھا تھا:

''افوہ، ایسا اس نے وہ کھوکھلا گھما کر مجھ پر تانا کہ کیا کہوں بس...''

سپاھی کوستن نشے میں چیختا جا رھا تھا:

''نکال دو اس بےدین کو! عدالت میں لے چلو...''

لیکن زیادہ‌تر لوگ خاموش تھے اور روماس کو ٹکٹکی لگائے دیکھتے ھوئے ان کی باتوں کو مشکوک انداز سے سن رہے تھے— اور روماس کہتے جا رہے تھے:

''کسی گھر کو اڑا دینے کے لئے بہت زیادہ بارود کی ضرورت ھوتی ھے، غالباً سولہ سیر کی! خیر، مگر اب آپ لوگ گھر کیوں نہیں جاتے؟''

کسی نے آواز دی:

''مکھیا کہاں ھے؟''

''پولیس جمعدار کو بلاؤ!''

لوگ دھیرے دھیرے، بےدلی سے چھٹنے لگے جیسے انہیں کسی کا افسوس ھو رھا ھو—

ھم لوگ اندر آ گئے— اکسینیا نے چائے انڈیلی— اس سے پہلے میں نے اکسینیا کو اتنے اچھے اور دوستانہ موڈ میں کبھی نہیں دیکھا تھا— ھمدردی کی نظروں سے روماس کی طرف دیکھ کر بولی:

''آپ کبھی تھانے میں شکائت تو کرتے نہیں ھیں اس لئے ان لوگوں کا جو جی چاھتا ھے وہ چالیں چلتے رھتے ھیں—''

rekhta

’’کیا آپ کو ایسی باتوں پر بالکل غصہ نہیں آتا؟،، میں نے پوچھا —

’’مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر غصہ کیا کروں — ،،

میں سوچنے لگا کہ کاش ہر شخص اپنا فرض ادا کرتے وقت اسی طرح اوسان قائم رکھ سکتا! اور اسی وقت انہوں نے یہ بھی پوچھنا شروع کر دیا کہ قازان سے میرے لئے کون کون سی کتابیں لائیں — وہ چند ہی دن بعد قازان جانے والے تھے —

بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ روح کی جگہ اس آدمی کے وجود میں کوئی مشین لگی ہوئی تھی جس میں کوک بھر دی گئی تھی اور اس کی زندگی بھر یکساں چال سے چلتی چلی جا رہی تھی — مجھے خوخول سے انس تھا، ان کی عزت بھی کرتا تھا لیکن کبھی کبھی میرا جی چاہتا تھا کہ کسی دن ان کو غصہ بھی آئے، وہ چیخیں، پیر پٹکیں، چاہے مجھ پر غصہ آئے چاہے کسی اور پر — لیکن ظاہر یہی ہوتا تھا کہ یا تو ان کو غصہ آ ہی نہیں سکتا تھا یا وہ غصے کو آنے ہی نہیں دیتے تھے — جب ان کو حماقت یا کمینے پن پر کوفت ہوتی تھی تو صرف ان کی بھوری آنکھیں طنزیہ انداز میں سکڑ جاتی تھیں اور کوئی بڑا ہی سرد جملہ ان کے منہ سے نکلتا تھا جس میں بالکل رعائت یا مروت نہیں ہوتی تھی — ایک بار انہوں نے سوسلوف سے پوچھا :

’’یہ تم مکاری کیوں کرتے پھرتے ہو؟ تمہارا ایسا بوڑھا آدمی اور ایسی مکاری؟،،

بوڑھے کسان کے ٹھٹھرے ہوئے گالوں اور ماتھے پر آہستہ آہستہ سرخی آ گئی — یہاں تک کہ اس کی برف سی سفید داڑھی بھی جڑوں پر سے گلابی ہوتی نظر آنے لگی —

’’آخر اس سے تمہیں فائدہ ہی کیا ہوتا ہے؟ خواہ‌مخواہ کو تو لوگوں کی نظروں میں اپنی عزت کھوتے ہو — ،،

rekhta

سوسلوف نے سر جھکا لیا :

''ہاں ٹھیک تو ہے، فائدہ تو اس سے کچھ بھی نہیں ہے۔،،

بعد کو اس نے ایزوت سے کہا :

''یہ ہے روحانی پیر! کاش اس طرح کے ہمارے افسر ہوتے...،،

نہائت مختصر میں اور صفائی کے ساتھ روماس نے سمجھایا کہ ان کی غیرحاضری میں مجھے معاملات کو کس طرح چلانا ہے — مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ صبح کے دھماکے کے واقعے کو اور ان کو جو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی اس کو اس طرح بھول چکے تھے جیسے کوئی مکھی کے کاٹے کو بھول جاتا ہے —

پانکوف اندر آیا، تندور کی طرف دیکھا اور اداس منھ بنا کر پوچھا :

''ڈر لگ رہا ہے؟،،

''کس سے؟،،

''یہ تو جنگ ہے!،،

''آؤ آؤ، چائے پیو ہمارے ساتھ —،،

''میری بیوی میرا رستہ دیکھ رہی ہوگی —،،

''کہاں رہے؟،،

''مچھلی پکڑنے گیا تھا ایزوت کے ساتھ —،،

وہ روانہ ہو گیا — باورچی خانے کے پاس سے گذرتے وقت وہ سوچتا ہوا بڑبڑاتا ہوا کہتا جا رہا تھا :

''یہ تو جنگ ہے!،،

پانکوف خوخول کے سامنے بہت کم بات کرتا تھا جیسے اہم اور پیچیدہ باتیں دونوں کے درمیان بہت پہلے طے پا چکی ہوں — جب روماس نے ایوان خوفناک کی حکومت کی داستان سنائی تھی تو مجھے باد ہے کہ ایزوت نے کہا تھا :

''توبہ کیا ہی تھکا دینے والا زار تھا!،،

''قصائی تھا، قصائی،، کوکوشکن نے ٹکڑا لگایا اور پانکوف بڑے یقین کے لہجے میں بولا :

rekhta

''اس نے کچھ زیادہ عقل مندی تو کی نہیں — اگر بڑے بڑے شہزادوں اور تعلقہ داروں کو مار ڈالا تو کیا فائدہ جبکہ ان کی جگہ اس نے چھوٹے چھوٹے زمین داروں اور میاں لوگوں کا ایک جم غفیر پیدا کر دیا — اور پھر باہر سے بدیسیوں کو بھی تو لاکر بھر دیا — چھوٹا زمین دار بڑے زمیندار سے بدتر ہوتا ہے — مکھی کوئی بھیڑیا تو ہے نہیں کہ آپ اسے بندوق سے مار دیں لیکن وہ پریشان بھیڑیئے سے زیادہ کر سکتی ہے — ''

کوکوشکن چکنی گیلی مٹی کی ایک بالٹی لے آیا — تندور کے منھہ پر اور آس پاس اینٹیں پھر سے جماتے ہوئے بولا :

''یہ گدھے لوگ کیا کیا چالیں سوچتے ہیں — اپنے سروں کی تو جوئیں نہیں ماری جاتیں کمبختوں سے اور کسی اور کی جان لینے کا سوال ہوگا تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے — میخائل، آپ زیادہ سامان جمع نہ کیجئے گا — بہتر ہے کہ کئی بار آئیے جائیے اور ایک دفعہ میں زیادہ سامان نہ لائیے — آپ کو پتہ بھی نہ چلے گا اور یہ لوگ آگ لگا دیں گے — اب مصیبت کا آنا یقینی ہے کیونکہ آپ نے وہ چیز جو ٹھیک سے جمانی شروع کر دی ہے — ''

''وہ چیز'' — جو گاؤں کے امیروں کو نہائت کھل رہی تھی، وہ پھل اگانے والوں کی انجمن تھی — اس وقت تک پانکوف، سوسلوف اور دو تین اور صحیح الدماغ کسانوں کے ساتھہ مل کر خوخول نے انجمن کی تنظیم تقریباً مکمل کر لی تھی — زیادہ‌تر گھرانے اب روماس کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے — دوکان میں گاھکوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ نکمے بارینوف اور میگون بھی خوخول کی مدد کے لئے ہر طرح دوڑے پڑتے تھے —

مجھے میگون سے خاص دلچسپی تھی — اس کے غمگین اور حسین گیت سیدھے میرے دل میں اتر جاتے تھے — میگون گاتے وقت آنکھیں بند کر لیتا تھا اور اس کے دکھی چہرے کی کپکپاہٹ رک جاتی تھی —

rekhta

اندھیری راتوں میں اس میں بالخصوص زندگی عود کر آتی تھی جب چاند نہیں نکلتا تھا یا آسمان پر گھیرے سیاہ بادلوں کی نقاب پڑی ہوتی تھی — کبھی کبھی ایسے میں وہ چپکے سے مجھہ سے کہتا :

''آؤ، والگا پر چلیں — ،،

میں والگا پر پہنچتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ میگون اسٹرلٹ مچھلی پکڑنے کی تیاری کر رہا ہے اور چوری چوری اپنے کانٹے، انکسی وغیرہ ٹھیک ٹھاک کر رہا ہے — وہ اپنی کشتی کے کنارے پر بیٹھا ہوا پاؤں دریا کے تاریک پانی میں لٹکائے ہلا رہا ہے اور مجھہ سے آہستہ سے کہتا ہے :

''جب شریف لوگ مجھہ سے برا برتاؤ کرتے ہیں تو خیر لعنت ہے ان پر — میں اس بات کو برداشت کر سکتا ہوں — آخر بڑا آدمی کچھہ تو ہوتا ہی ہے —— بہت سی ایسی باتیں جانتا ہے جو میری سمجھہ میں کبھی آ ہی نہیں سکتیں! مگر جب میرے ایسے کسان بھی مجھہ کو پھٹکارنے لگیں —— یعنی بالکل میرے ہی ایسے، تو بھلا بتاؤ کہ کیسے سہارا جائے! آخر ہم لوگوں میں فرق ہی کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ اپنی دولت روپیوں میں گنتے ہیں، میں پیسوں میں گنتا ہوں — بس یہی نا — ،،

اور میگون کا چہرہ تکلیف کے احساس سے کپکپا رہا ہے، بھوں کانپ رہی ہے، انگلیاں پھرتی سے کام کر رہی ہیں —— کانٹوں کو ریتی سے تیز کر رہا ہے اور لنگر میں انکسیاں اپنی اپنی جگہ بٹھا رہا ہے — اس کی خوبصورت آواز نرمی سے بہتی چلی جا رہی ہے :

''لوگ مجھے چور کہتے ہیں — ٹھیک ہے، میں چوری کرتا ہوں — اچھا — لیکن کیا ہر شخص ڈاکہ ہی پر نہیں زندہ رہتا؟ ہر شخص جو بن پڑتا ہے وہ دوسرے سے چھین لینے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح زندگی چلتی ہے — خدا تو ہم لوگوں سے کوئی محبت کرتا نہیں، شیطان کی ہی مرضی چلتی ہے — ،،

rekhta

تاریک دریا ہمارے ساتھہ ساتھہ بہتا ہے — اوپر اوپر سیاہ بادل رینگتے، سرکتے، چلتے رہتے ہیں — اتنا اندھیرا ہے کہ دوسرا کنارہ نظر ہی نہیں آتا — لہریں کنارے کی ریت سے لگی لگی، احتیاط کے ساتھہ سرسراتی جاتی ہیں — وہ بار بار میرے پیروں کو دھوتی ہیں جیسے مجھے اپنے ساتھہ بہائے لئے جا رہی ہوں کسی بے کنار اندھیرے کی گہرائیوں میں —

”آخر انسان کو زندہ تو رہنا ہی ہے کسی نہ کسی طرح؟ یا نہیں؟“ میگون پوچھتا ہے اور پھر ٹھنڈی سانس بھرتا ہے —

اوپر سے ایک کتے کے زور سے رونے کی آواز آتی ہے — مجھہ پر جیسے خواب کی کیفیت طاری ہے — اپنے دل سے سوال کرتا ہوں:

”لیکن کیوں زندہ رہے آدمی تمہاری طرح، جیسے تم جیتے ہو؟“

دریا پر سناٹا ہے، تاریکی اور گرم اندھیرے کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی —

میگون بڑبڑاتا ہے ”یہ لوگ خوخول کو مار ڈالیں گے اور تمہیں بھی —“ پھر یکایک وہ بہت مدھم آواز میں گانے لگتا ہے:

میری اماں نے
پیار سے مجھہ سے کہا،
ماں نے کہا مجھہ سے
بنسری بجاؤ چین کی...

اس کے ہونٹ جھکنے لگتے ہیں، آواز میں گرمجوشی، غمگینی اور دردناکی بڑھنے لگتی ہے، کانٹوں کو ٹھیک کرتی ہوئی انگلیوں کی رفتار آہستہ ہونے لگتی ہے —

پر میں نے تو چین
کی بنسری بجائی نہیں،
آہ بجائی نہیں، ہاں بجائی نہیں،
چین کی بنسری بجائی نہیں...

rekhta

مجھہ پر ایک عجیب تاثر طاری تھا جیسے اس عظیم الشان تاریک چادر آب کے بوجھہ کے نیچے دنیا دم واپسیں لے رہی ہے، جیسے میں سطح دنیا سے پھسلتا ہوا اس اندھیرے میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں جہاں سورج ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا ہے —

میکون جس طرح یکایک گانا شروع کرتا ہے اسی طرح اس کو یکایک ختم بھی کر دیتا ہے، خاموشی سے کشتی کو کنارے پر سے اندر پانی میں کھینچتا ہے، اس میں چڑھتا ہے اور بغیر کسی آہٹ کے تاریکی میں غائب ہو جاتا ہے — میں اس کو جاتے ہوئے گھورتا رہ جاتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ ایسے لوگ کیوں زندہ رہتے ہیں —

میرا دوسرا دوست بارینوف تھا —— کاہل، شیخی باز اور گاؤدی، آوارہ گرد اور گپ باز — وہ ماسکو میں رہ چکا تھا اور اس شہر کا ذکر بڑی نفرت کے ساتھہ کرتا تھا:

''شیطان کا خاص ذاتی شہر ہے وہ — اس قدر گڑبڑ ہے کہ توبہ — گرجے؟ چودہ ہزار اور چھہ عدد — اور لوگ —— ہر ایک جواری اور گندہ — اور سب کو خارش ہوتی ہے، خارش زدہ گھوڑوں کی طرح — اب مانو چاہے نہ مانو ہوتی تو ہے — کیا سوداگر، کیا سپاہی، سارے ہی شہری کھجلاتے پھرتے ہیں — مگر ہاں ایک بات ہے کہ وہاں بہت بڑی توپ ہے — سب سے بڑی توپ ہے وہ — اسے پیٹر اعظم نے خود ڈھالا تھا، باغیوں کو اڑانے کے واسطے — دراصل ایک عورت تھی، اس نے محبت کے سلسلے میں پیٹر کے خلاف بغاوت کروا دی تھی — پیٹر اس کے ساتھہ سات سال رہا، ایک ایک دن کر کے سات سال — اور پھر اس کو تین بچوں سمیت چھوڑ دیا تو اس نے غصے کے جوش میں بغاوت کی اور غدر کھڑا کر دیا — تو پھر کیا ہوا بھائی کہ پیٹر نے باغیوں کے خلاف ایک بار وہ توپ چھوڑ دی بس — نو ہزار تین سو اور آٹھہ جانیں ختم ہو گئیں! خود زار بھی ہو کھلا

rekhta

گیا اور بڑے پادری فلاریت سے بولا ’’ہم لوگوں کو اس توپ کا منھہ مہر بند کر دینا چاہئے — یہ شیطان کا کھلونا ہے اور خواہ مخواہ اکساتا ہے،، —— چنانچہ توپ بند کرکے مہر لگا دی گئی ...،،

جب میں نے اس سے کہا کہ یہ سب بکواس ہے تو برا مان کر بولا:

’’اے پروردگار! تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو! میں نے یہ سب باتیں ایک بہت ہی زیادہ پڑھے لکھے آدمی سے سنی ہیں اور تم کہتے ہو کہ...،،

وہ کیئف بھی گیا تھا ’’مقدس شبیہوں کی زیارت کرنے،، — اس تجربے کے متعلق اس نے بیان کیا:

’’وہ شہر بس ایسا سمجھو جیسے اپنا یہ گاؤں ہے، بالکل ہماری طرح ہی اونچائی پر آباد ہے، دریا بھی ہے مگر اب یہ مجھے یاد نہیں کہ اس دریا کا نام کیا تھا — مگر ویسے وہ دریا کچھہ ہے نہیں — ہمارے والگا کے مقابلے میں تو چھلا ہے سمجھو — اتنا میں تم کو بتا سکتا ہوں کہ عجیب گڑبڑجھالہ شہر ہے، تمام گلیاں ٹیڑھی میڑھی اور سب اونچائی کی طرف چڑھتی ہوئی — لوگ سب خوخول ہیں لیکن اپنے میخائل روماس کی طرح کے خوخول نہیں ہیں وہ... وہ اور ہی قوم ہے —— کچھہ تاتاری اور کچھہ پولش خون ملا ہوا — بات کرتے ہیں تو لگتا ہے بڑ بڑ بڑ بڑ کر رہے ہیں — بہت گندے رہتے ہیں اور کبھی کنگھی نہیں کرتے — مینڈک کھاتے ہیں وہ لوگ اور وہاں مینڈکوں کا وزن پانچ پانچ سیر ہوتا ہے — گاڑیوں میں اور ہل جوتنے اور کسانی کرنے میں بیلوں سے کام لیتے ہیں — بیل البتہ وہاں کے بڑے شاندار ہوتے ہیں، ان میں سے جو چھوٹے سے چھوٹا ہوگا وہ بھی ہمارے یہاں کے بیل سے چار پانچ گنا بڑا ضرور ہوگا — اسّی پنسیری تو اس کا وزن ہوتا ہے — اور اس شہر میں ستاون ہزار راہب اور دو سو تہتر بڑے پادری ہیں... ارے!

rekhta

تم تو عجیب آدمی ہو! اس بات پر بحث کرنے کا کیا مطلب ہے جی؟ تم کبھی وہاں گئے ہو؟ نہیں نا؟ تو پھر، میرے بھائی، میں ہمیشہ پکی بات کہتا ہوں — بالکل ٹھیکم ٹھیک!،،

اسے اعدادوشمار سے خاص دلچسپی تھی — مجھه سے جوڑنا اور ضرب دینا سیکھتا — لیکن اتنا صبر نہیں تھا کہ تقسیم کرنا بھی سیکھه لیتا — ریت میں ایک بڑی سی لکڑی سے لکھتے ہوئے وہ بڑے شوق سے لمبے لمبے اعداد کو ضرب دیتا — غلطیاں ہوتیں تو ان کا ذرا اثر نہ ہوتا — جواب نکل آنے پر وہ زمین پر لکھے ہوئے اعداد کی قطار کو جھک جھک کر دیکھتا اور بچوں کی سی معصوم حیرانی سے ایک دم کہتا:

''حیرت ہے! یہ بھی کیا چیز ہے؟ زبان سے اس کو کہا نہیں جا سکتا!،،

بارینوف کی حالت ہمیشہ پھٹیچر رہتی تھی، ہر طرف سے بےڈول، بےتکا، اجاڑ صورت — لیکن اس کا چہرہ تقریباً خوبصورت تھا — اس کی داڑھی طرحدار اور گھنگھریالی تھی اور اس کی نیلی آنکھوں میں بچوں جیسی مسکراہٹ کوندتی رہتی تھی — اس کی اور کوکوشکن کی طبیعتیں کافی ملتی جلتی ہوئی تھیں اور غالباً اسی مناسبت کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ رہتے تھے —

بارینوف دو مرتبہ کاسپین سمندر میں مچھلی پکڑنے گیا تھا اور اس کے متعلق بےحد اترایا کرتا تھا:

''میرے بھائی، سمندر کے برابر تو کوئی چیز ہے ہی نہیں دنیا میں! آدمی تو اس کے آگے بالشتیا لگتا ہے — اگر اس کو دیکھه لو تو بس پھر اپنی کچھه ہستی نہیں رہتی — اور زندگی بھی وہاں بڑی ہی شیریں بن جاتی ہے — سمندر کے کنارے قسم قسم کے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں یہاں تک کہ ایک بڑا پادری بھی تھا اور کوئی برا بھی نہیں تھا — ہماری تمہاری طرح محنت کرتا تھا — پھر ایک

rekhta

باورچن بھی تھی — کسی وکیل سرکار کی داشتہ تھی اور اس سے زیادہ بھلا کسی کو کیا چاہئے؟ لیکن وہ سمندر کے بغیر رہ نہ سکی — کہتی ہے ''میرے وکیل سرکار، آپ ہیں تو بہت اچھے مگر پھر بھی خدا حافظ!'' کیونکہ دراصل بات یہ ہے کہ جس نے ایک بار سمندر دیکھہ لیا وہ دوسری بار وہاں جانے پر مجبور ہے! سمندر میں اتنا پھیلاؤ ہوتا ہے جتنا آسمان میں، اور بھیڑ بھاڑ بالکل نہیں ہوتی — میں بھی ہمیشہ کو وہاں چلا جاؤنگا — مجھے لوگ ایک آنکھہ نہیں بھاتے —— بس! مجھے تو جوگی ہونا چاہئے تھا — کسی ریگستان میں رہنا چاہئے تھا مگر بس یہی ہے کہ میں یہی نہیں جانتا کہ اچھے ریگستان کہاں ہوتے ہیں —''

وہ گاؤں میں اس طرح مارا مارا پھرتا جیسے کوئی بے گھر بے در کتا — کسان اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن اس کی کہانیوں کو اسی شوق سے سنتے تھے جس شوق سے میگون کے گانے —

''کس قدر ہوشیاری سے جھوٹ بولتا ہے، کیا گپاسنگی ہے، بہت دلچسپ!''

یہاں تک کہ پانکوف جیسے عملی طبیعت اور ہر چیز پر شبہ کرنےوالا ذہن رکھنےوالے پر بھی بارینوف کی ایجادوں کا کبھی کبھی جادو چل جاتا تھا — ایک دن خوخول سے کہنے لگا:

''دیکھئے، بارینوف کا یہ دعوی ہے کہ کتابوں میں جو کچھہ ایوان خوفناک کے متعلق لکھا ہے وہی سب کچھہ نہیں ہے کیونکہ کتابوں میں ایوان خوفناک کی بہت سی باتوں پر نقاب ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے — دراصل وہ ہمیشہ انسان نہیں رہتا تھا — بارینوف کہتا ہے وہ کبھی کبھی عقاب بن جاتا تھا — اسی کے تو احترام میں ہمارے سکوں پر یہ عقاب کی تصویر کا ٹھپہ رہتا ہے —''

غالباً ہزارویں بار مجھے یہ نظر آیا کہ لوگ عجیب‌وغریب اور غیرمعمولی چیزوں سے، دل سے گھڑی ہوئی بےکار باتوں سے زیادہ

rekhta

دلچسپی لیتے ھیں اور زندگی کی صحیح اور سچی باتوں کی تشریح اور توضیح سے گھبراتے ھیں — جب میں نے یہ بات خوخول سے کہی تو وہ مسکرائے :

’’یہ باتیں ختم ھو جائیں گی — اصل بات یہ ھے کہ لوگ سوچنا شروع کر دیں — بس! پھر وہ خود ھی اپنی فکر کے راستے حقیقت تک پہونچ جائیں گے — اور یہ جو اپنی ایجادیں کرتے اور من گھڑت بکتے ھیں نا —— یہ بارینوف اور کوکوشکن —— تمہیں چاھئے کہ ان کو سمجھنے کی کوشش کرو — یہ لوگ فنکار ھیں، تخلیق کرنے والے — حضرت عیسے بھی اسی طرح کے تخلیقی فنکار تھے اور یہ تو تمہیں ماننا ھی پڑے گا کہ حضرت عیسے کی بعض تخلیقیں بری بھی نہیں ھیں — ،،

ایک اور بات جس پر مجھے تعجب ھوتا تھا وہ یہ کہ یہ سب لوگ خدا کا ذکر بہت ھی کم اور بہت بے دلی سے کرتے تھے — صرف بڈھا سوسلوف اکثر بڑے پختہ عقیدے کے ساتھ کہتا :

’’یہ سب پروردگار کی مرضی ھے!،،

اور مجھے ان الفاظ میں ھمیشہ مایوسی کی گہری جھلک نظر آتی تھی — میں ان لوگوں کے ساتھ بہت خوش تھا اور شاموں کو جو بات چیت ھوا کرتی اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا — روماس جو بھی مسئلہ اٹھاتے وہ مجھے ایسا لگتا کہ ایک عظیم‌الشان درخت کی جڑوں کی طرح، اس کی جڑیں زندگی کے گودے میں اندر تک دھنسی ھوئی ھیں، زندگی کے بالکل دل میں پیوستہ ھو کر اور بہت سے عظیم‌الشان درختوں کی جڑوں سے کھچڑی ھو گئی ھیں اور ان درختوں کی ھر شاخ حسین خیالات کی کلیوں سے لدی ھوئی ھے، موثر الفاظ کے پتوں سے بھرا ھے — کتابوں کے آب حیات سے سیراب ھوتے ھوئے مجھے محسوس ھونے لگا کہ میں بھی یقیناً ترقی کر رھا ھوں — اب میں زیادہ اعتماد کے ساتھ بات کرتا تھا اور کئی مرتبہ خوخول نے کھس سے ھنس کر مجھ سے کہا :

''میکسیمچ، تم خوب ترقی کر رہے ہو!''

میں ان چند الفاظ کے لئے ان کا کس قدر مشکور ہوا تھا!

پانکوف کبھی کبھی اپنی بیوی کو بھی ساتھہ لاتا تھا — نرم صورت، شہر کے سے کپڑے پہنے ہوئے، نیلی آنکھیں جو ذہانت سے چمکتی رہتیں، وہ کمرے کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی رہتی، بڑی خاکساری سے ہونٹ بھینچے لیکن ذرا دیر بعد اس کے لب کھل جاتے، آنکھیں پھٹ جاتیں اور شرمیلی حیرانی اس پر چھا جاتی — پھر کسی تیز جملے پر وہ یکایک ہنسنے لگتی اور گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منھہ چھپا لیتی — پانکوف آنکھہ مار کر روماس سے کہتا:

''یہ سمجھتی ہے!''

خوخول سے ملنے ایسے بہت سے لوگ آیا کرتے تھے جو بہت محتاط رہتے تھے — روماس ان کو کوٹھے پر میرے‌والے کمرے میں لے جاتے اور وہ گھنٹوں وہاں رہتے — اکسینیا ان کا کھانا پینا وہیں پہنچا دیتی اور وہ اسی جگہ سوتے — صرف مجھہ کو اور اکسینیا کو ان لوگوں کی موجودگی کا علم ہوتا — اور اکسینیا تو روماس سے اتنی عقیدت رکھتی تھی کہ ان کی پرستش کرتی تھی — پھر رات کے وقت ایزوت اور پانکوف ان لوگوں کو کشتی میں کھیے کر کسی گذرتے ہوئے اسٹیمر پر بٹھا دیتے یا لوبیشکی کے گھاٹ پر اتار آتے — میں اونچے کنارے پر کھڑا دیکھتا رہتا کہ کبھی تاریک اور کبھی سیمیں چاندنی سے منور دریا پر وہ کشتی ایک دال کی شکل میں بہتی ہوئی پار جا رہی ہے — اس پر لالٹین برابر لہرائی جا رہی ہے تاکہ کسی گذرتے ہوئے اسٹیمر کے کپتان کی نظر اس پر پڑ جائے — اور یہ نظارہ دیکھتے ہوئے مجھے محسوس ہوتا کہ میں کسی عظیم‌الشان اور پراسرار کام میں حصہ لے رہا ہوں —

ماریا دیرینکووا شہر سے آئی لیکن اب مجھے اس کی نظروں میں وہ بات نہیں نظر آتی تھی جس سے میں پریشان ہو جایا کرتا تھا —

rekhta

اب تو مجھے اس کی آنکھیں صرف ایک ایسی لڑکی کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں جو اپنے حسن کے احساس پر خوش اور اپنے بھاری بھرکم داڑھی والے دوست کی توجہ پر نازاں ہے — روماس اس سے اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں گفتگو کرتے جس میں طنز کی چاشنی ہوتی لیکن اس کی موجودگی میں داڑھی پر ہاتھہ زیادہ پھیرتے اور ان کی آنکھوں میں گرمجوشی کی ایک روشنی سی آ جاتی — ماریا کی باریک آواز سے مسرت پھوٹی پڑتی تھی — وہ نیلے رنگ کا لباس پہنے تھی، سنہرے بالوں میں ہلکے نیلے رنگ کا فیتہ پڑا تھا — اس کے ننھے ننھے بچوں کے سے ہاتھہ کچھہ اس طرح بےقرار رہتے تھے جیسے کسی چیز کی تلاش میں ہیں کہ اس پر جھپٹ پڑیں — وہ آپ ہی آپ کوئی لے گنگناتی رہتی اور اپنے گلابی تمتمائے چہرے کو ایک ننھے سے رومال سے جھلتی رہتی — اس میں کچھہ ایسی بات تھی جو مجھہ میں ایک نئی قسم کی گھبراہٹ پیدا کرتی تھی — میں جیسے اس کا دشمن ہو جاتا تھا اور میرا موڈ بےحد خراب ہو جاتا تھا — چنانچہ میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس کا کم‌ازکم سامنا کروں —

وسط جولائی میں ایزوت یکایک غائب ہو گیا — لوگوں کا خیال تھا کہ غالباً وہ ڈوب گیا اور دو دن بعد اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی کیونکہ اس کی کشتی ملی: ایک طرف سے بالکل ٹوٹی پھوٹی، چکنا چور اور بیچ میں ایک بڑا سا چھید — وہ دریا کے اتار پر کوئی پانچ میل دور کنارے پر چڑھہ گئی تھی — سب ہی لوگ یہ قیاس کر رہے تھے کہ ایزوت سو گیا ہوگا اور اس کی کشتی جا کر بجروں کے جھنڈ سے ٹکرا گئی ہوگی جو دریا کے نچلے بہاؤ پر گاؤں سے تقریباً تین میل دور لنگر کئے ہوئے تھے —

جب یہ واقعہ ہوا تو روماس قازان میں تھے — شام کے وقت کوکوشکن دوکان پر آیا — اداس، پژمردگی کے عالم میں وہ بوریوں کے ایک ڈھیر پر ڈھے پڑا — کچھہ دیر خاموش فرش کو تکتا رہا اور آخرکار پوچھا:

rekhta

''خوخول کب واپس آ رہے ہیں؟،،

''مجھے تو کچھ معلوم نہیں ۔،،

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور نچے ہوئے گالوں کو سہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ مگر گندی گندی گالیاں بکنے لگا، آہیں بھر بھر کے جیسے کسی کے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو۔

''کیا ہوا؟ بات کیا ہے؟،،

اس نے میری طرف دیکھا اور اپنے ہونٹ دانتوں میں دبا لئے، اس کی ٹھڈی کانپ رہی تھی، آنکھیں سرخ تھیں، ایک لفظ منھہ سے نہیں نکلتا تھا۔ میں سراسیمگی کے عالم میں منتظر تھا کہ کچھہ کہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی بری خبر لایا ہے۔ آخرکار اس نے دروازے کی طرف جلدی سے ایک نظر ڈال کر ہکلاتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا:

''میں اور میگون وہاں کشتی میں گئے تھے۔ ہم دونوں نے ایزوت کی کشتی کو اچھی طرح دیکھا۔ تو پیندے میں جو چھید ہے نا وہ کلہاڑی سے کیا گیا ہے، کلہاڑی سے! ایزوت اپنی موت سے نہیں مرا۔ اس کی جان لی گئی، اس کو قتل کیا گیا ہے۔ یقیناً...،،

پیچھے کو سر جھٹک کر وہ پھر گندی گندی گالیاں بکنے لگا۔ وہ بیچ بیچ میں خشک ہچکیاں لے رہا تھا۔ پھر چپ ہو گیا اور کئی بار سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ برداشت سے باہر تھا۔ اس کا پورا جسم ہچکولے کھا کھا کر کانپ رہا تھا جیسے غم‌واندوہ سے اور غصے سے اس کا دم گھٹا جا رہا ہو۔ وہ رونا چاہتا تھا لیکن رو نہیں پا رہا تھا۔ ایک بار اس نے پھر سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا، اچھل کر کھڑا ہوا اور روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن شام کو کچھہ لڑکے دریا پر نہا رہے تھے کہ انہیں ایزوت کی لاش ملی۔ ایک ٹوٹا ہوا بجرہ بہو گاؤں سے قریب ہی ساحل پر چڑھہ گیا تھا، آدھا کنارے پر تھا اور آدھا پانی میں

rekhta

ڈوبا ھوا تھا، اور اسی کے پچھلے حصے کے نیچے ایزوت کا لمبا جسم پھنسا ھوا تھا — وہ اوندھے منھہ پڑا ھوا تھا — اس کی کھوپڑی کچلی ھوئی تھی اور مغز پانی میں بہہ چکا تھا — مچھیرے پر پیچھے سے وار کیا گیا تھا — اس کی گدی کو کلہاڑی سے اڑا دیا. گیا تھا — لہریں باربار اس کے جسم کو ھلا رھی تھیں، ٹانگوں کو کنارے کی طرف دھکیلتی اور ھاتھوں کو جھلا رھی تھیں، جس سے ایسا معلوم ھوتا تھا جیسے وہ پانی سے باھر نکلنے کی کوشش کر رھا ھو —

تقریباً بیس کسانوں کا ایک گروہ منھہ لٹکائے، فکرمند چہرے لئے دریا کے قریب جمع ھو گیا تھا — یہ خوشحال کسان تھے — غریب کسان ابھی کھیتوں سے لوٹے نہیں تھے — گاؤں کا مکھیا جو نہائت چالاک اور بزدل تھا، ڈنڈا گھماتا، ادھر سے ادھر گڑبڑ کرتا پھر رھا تھا — باربار سونگھہ کے وہ اپنی گلابی قمیص پر ناک پونچھتا جارھا تھا —موٹا بھاری دوکان‌دار کوزمین اپنی ٹانگیں پھیلائے، آگے کو توند نکالے، باری باری سے مجھے اور کوکوشکن کو گھور رھا تھا — اس کی بھوئیں سکڑی ھوئی تھیں لیکن آنکھوں میں آنسو چھلک رھے تھے اور ماتا کے داغ پڑا ھوا چہرہ کمزور اور حیران لگتا تھا —

مکھیا اپنی ٹیڑھی ٹانگوں سے ساحل پر ادھر ادھر سڑاسڑ گھوم رھا تھا اور رویپیٹ رھا تھا ''توبہ، بڑی بری بات ھے! اوہ، کس قدر بدمعاشی کی بات ھے!،،

اس کی موٹی تازی گدبدی بھو دریا کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھی پانی کو ایسا گھورے جا رھی تھی جیسے اس کی آنکھیں بے نور ھو گئی ھوں اور کانپتی انگلیوں سے سینے پر صلیب کا نشان بناتی جا رھی تھی — اس کا دھن کانپ رھا تھا اور نیچے کا موٹا سرخ ھونٹ اس قدر مکروہ طریقے سے لٹک رھا تھا جیسے کسی کتے کے پیلے پیلے بھدے دانت دکھائی دے رھے ھوں — بچے لڑھکتے ھوئے ڈھلوان پر سے چلے آ رھے تھے — لڑکیاں بھی اوپر سے نیچے کی طرف آ رھی تھیں

rekhta

اور ان کے رنگین لباس ساحل کی چڑھائی پر رنگ کے دھبوں کی طرح معلوم ہوتے تھے — پھر اور مرد جمع ہونے شروع ہو گئے — دھول سے اٹے ہوئے کھیتوں سے نکل نکل کر وہ جلدی جلدی آ رہے تھے — مجمع پر ایک دبی ہوئی سی مسلسل بھنبھناہٹ طاری تھی —

"مصیبت تھا یہ آدمی —"

"کون؟ یہ؟"

"یہ کوکوشکن — ہاں وہ تو ہے ہی مصیبت — ہے ہی —"

"نا حق ایک انسان کا خون کر دیا..."

"ایزوت نے تو کبھی کسی کے ساتھ برائی نہیں کی تھی —"

"کبھی کسی کے ساتھ برائی نہیں کی تھی؟" کوکوشکن غصے میں بھرا ہوا مجمع سے مخاطب ہو کر زور سے چیخا "تو پھر تم لوگوں نے اس کو کیوں مار ڈالا؟ حرامی بچو، حرامی پلو، کیوں مار ڈالا؟"

یکایک ایک عورت زور سے قہقہہ مارکے ہنسنے لگی جیسے اس پر جنون طاری ہو اور اس کی وحشیانہ چیخیں گویا مجمع کے لئے ایک تازیانہ تھیں — کسان ایک دوسرے پر پل پڑے، چیختے، کوستے، گرجتے — کوکوشکن تیر کی طرح اس موٹے دوکاندار پر جھپٹا اور دن سے اس کے منھ پر ایک ڈگ دیا —

"لے، وحشی درندے!"

پھر مکوں سے راستہ صاف کرتا ہوا وہ گڑبڑ کرتے ہوئے مجمع کو چیر کر باہر نکل آیا اور مجھ سے چیخ کر بولا:

"ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ! لڑائی ہونے والی ہے!"

اس کی آواز مسرت سے بھری ہوئی تھی — اتنے میں کسی نے اس کو ایک گھونسہ دیا — ہونٹ کٹ گیا اور خون بہنے لگا لیکن اس کے چہرے پر اطمینان کی دمک تھی —

"تم نے دیکھا میں نے کوزمین کو کیسا دیا؟"

پھر باردوف بھی دوڑتا ہوا ہم لوگوں کے پاس آ پہونچا اور بار

بار گردن موڑ موڑ کر مجمع کی طرف دیکھنے لگا جو اب بجرے کے پاس اکٹھا ہو گیا تھا — مکھیا کی باریک آواز گونج رہی تھی:

’’اچھی بات ہے، تو ثابت کرو نا —— میں نے کس کو طرح دی؟ ثابت کرو!،،

ہم لوگ ڈھلوان پر چڑھنے لگے تو بارینوف آہستہ سے بدبدایا ’’مجھے تو اس جگہ سے نکل ہی جانا پڑے گا —،،

شام بوجھل اور پھیکی تھی — اتنی بوجھل کہ مجھے سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی — نیلے گھنے بادلوں میں ڈوبتا ہوا سورج گہرا سرخ نظر آ رہا تھا اور ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی جھاڑیوں پر سرخ روشنیاں بکھیر رہا تھا — دور کہیں سے بادلوں کی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی —

ایزوت کی لاش میری نظروں کے سامنے تیر رہی تھی جیسے وہ پانی کی جنبش کے ساتھ لہرا لہرا کر ہل رہا ہو اور لہروں میں اس کی خالی کھوپڑی پر بہتے ڈولتے بال جیسے کھڑے ہو گئے تھے — کانوں میں اس کی مدھم آواز، اس کی پیاری پیاری باتیں سنائی دے رہی تھیں:

’’ہر انسان میں بچوں کی سی معصومیت کہیں نہ کہیں ضرور چھپی ہوتی ہے اور اسی کو ابھارنا اصلی کام ہے، انسان کے دل میں چھپے ہوئے طفل معصوم کو! اب مثلاً خوخول ہی کو لو — کوئی دیکھے تو سمجھے لوہے کے بنے ہوئے ہیں وہ لیکن ان کی روح بچوں کی سی ہے!،،

کوکوشکن میرے ساتھ چلتا چلتا پھنسی آواز میں بولا:

’’یہ لوگ ہم سب کا اسی طرح خاتمہ کر دیں گے... اف پروردگار، کیا حماقت ہے یہ!،،

اس واقعے کے تین چار دن بعد خوخول گھر پہونچے — جب وہ پہونچے تو رات کافی جا چکی تھی لیکن وہ نہ جانے کس بات پر بڑے خوش تھے اور بڑی محبت سے ملے — جب میں نے دروازہ کھول کر ان کو اندر کیا تو میرا کندھا تھپتھپا کر بولے:

rekhta

''میکسیمچ، معلوم ہوتا ہے تم آج کل کافی نہیں سوتے ہو!،،

''ایزوت کو مار ڈالا —،،

''کیا... آ... آ... آ؟،،

ان کے گالوں پر عضلات کی بھاری بھاری گرہیں ابھر آئیں اور داڑھی اس طرح کانپنے لگی جیسے ہوا سے لہراتی ہوئی سینے پر بہہ رہی ہے — وہ ٹوپی اتارنا بھی بھول گئے — کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر سر ہلاتے ہوئے ان کی آنکھیں سکڑ گئیں —

''ہوں — تو نا معلوم کن لوگوں کے ہاتھوں وہ ختم ہوا؟ ہاں، ہاں — وہ تو ہے ہی...،،

وہ آہستہ آہستہ جا کر کھڑکی کے پاس بیٹھ گئے، تھکے ہوئے انداز میں پاؤں پھیلائے —

''میں ہمیشہ اس کو خبردار کرتا رہتا تھا، سمجھاتا رہتا تھا مگر... کیا پولیس وغیرہ بھی آئی تھی؟،،

''کل — کوتوال صاحب آئے تھے —،،

''اچھا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟،، پھر اپنے سوال کا خود ہی جواب جوڑ دیا ''ہونا کیا ہے؟ کچھ نہیں —،،

میں نے انہیں بتایا کہ کوتوال صاحب حسب دستور کوزمین کے یہاں مقیم ہوئے تھے اور انہوں نے دوکاندار کو مارنے کی سزا میں کوکوشکن کو حوالات میں بند کر دیا تھا —

''ہوں — تو یہ بات ہے — اب بھلا کوئی کیا کہے —،،

میں سماور گرم کرنے باورچی خانے میں چلا گیا —

چائے پیتے ہوئے روماس نے کہا:

''کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے بہترین لوگوں کو اس طرح مار ڈالتے ہیں — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنا ہی زیادہ کوئی انسان شریف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ یہ اس سے ڈرتے ہیں — جیسے وہ ان کے رستے کا روڑا ہو —— بے مصرف، بے کار — جب مجھے گھسیٹ کر

rekhta

سائبیریا لیجایا جا رہا تھا تو میری ملاقات ایک سزایافتہ مجرم سے ہوئی تھی — اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ چوٹٹا تھا — دراصل پانچ آدمیوں کا ایک گروہ مل کر چوری کرتا تھا اور یہ بھی ان ہی میں تھا — اچھا تو پھر ایک دن ان پانچ میں سے ایک نے تجویز کی کہ بھائیو اس کام کو چھوڑ دیں — آخر اس سے فائدہ بھی کیا ہے، کچھ امیر تو ہم ہو نہیں گئے اب تک — اور اس تجویز کی بنا پر ان لوگوں نے اس کا گلا گھونٹ ڈالا جب وہ نشے میں سو رہا تھا — جس ساتھی کو ان لوگوں نے مارا اس کی اس قدر تعریف یہ مجرم مجھ سے کیا کرتا تھا کہ کیا کہوں — زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا تھا — کہنے لگا ’’میں نے اس کے بعد سے تین اور آدمیوں کو بھی مارا اور مجھے ذرا بھی افسوس نہیں لیکن ہمارا ساتھی —— اس کے لئے مجھے آج تک غم ہے — بہت اچھا دوست تھا سمجھدار، ملنسار، ہنس مکھ اور ایماندار —،، میں نے پوچھا ’’تو پھر تم نے اسے کیوں مارا؟ کیا تمہیں یہ ڈر تھا کہ وہ تمہارا بھانڈا پھوڑ دے گا؟،، اور وہ مجرم میری اس بات پر بگڑ گیا — بولا: ’’واہ، ہمارا دوست؟ ہرگز ہمارے ساتھ غداری نہیں کر سکتا تھا — کسی قیمت، کسی دولت پر نہیں — بس یہی تھا کہ پتہ نہیں کیوں — کچھ ایسی بات تھی کہ اس کی موجودگی میں ذرا سکون نہیں ہوتا تھا — ہم سب گنہگار تھے اور وہ بالکل ولیوں کی طرح پاک باز ہو — یہ تو کچھ ٹھیک نہیں لگتا تھا —،،

خوخول اٹھے اور کمرے میں ادھر ادھر چکر کاٹنے لگے — ہاتھ پیچھے باندھے، منھ میں پائپ دبائے، سفید تاتاری قمیص پہنے جو ایڑیوں تک پہنچتی تھی — فرش پر ان کے ننگے پاؤں دھپ کر رہے تھے — آہستہ سوچ سوچ کر وہ بات کرتے جا رہے تھے:

’’میں نے اچھے اور شریف انسانوں سے اس طرح لوگوں کو ڈرتے اکثر دیکھا ہے، بہترین لوگوں کا اسی سلسلے میں ختم ہو جانا بھی

rekhta

دیکھا ہے۔ جب ایسے عمدہ لوگوں سے عوام کو واسطہ پڑتا ہے تو دو باتوں میں سے ایک بات ہوتی ہے: یا تو وہ ان کو عاجز کرکے کسی نہ کسی طرح ختم کر دیتے ہیں یا پھر وہ کتوں کی طرح ان کی ہر نظر اور ہر لفظ کا پیچھا کرتے ہیں، ان کے سامنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں —— لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ مگر جہاں تک اس کا سوال ہے کہ اس سے کچھ سبق سیکھیں یا اس کی طرززندگی کو اپنائیں تو یہ بات ہی الگ ہے۔ عوام کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ایسا کیونکر کریں — یا ہو سکتا ہے وہ کرنا چاہتے ہی نہ ہوں —،،

انہوں نے اپنا چائے کا گلاس میز پر سے اٹھایا جو ٹھنڈا بھی ہو چکا تھا اور اپنی بات پھر جاری کر دی:

''یہ ہونا بالکل ممکن ہے۔ آخر سوچو تو یہ بھی تو نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگ محنت شاقہ کرکے اپنے لئے کسی نہ کسی طرح کی ایک زندگی بناتے ہیں اور اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور پھر کوئی یک و تنہا روح بغاوت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ان کی زندگی کا نظام ٹھیک نہیں — اچھا، ٹھیک نہیں؟ ہم نے تو اپنی زندگی کا تمام ست نچوڑ کر اسے بنایا اور تم کہتے ہو ٹھیک نہیں —— لعنت ہے تم پر! اور وہ اس ولی پر، اس رہبر اور معلم پر ٹوٹ پڑتے ہیں —— رہنے دو ہمیں! بخشو ہمیں! لیکن حق تو بے شک ان ہی کے ساتھ ہے جو کہتے ہیں ''تمہارا نظامِ حیات ٹھیک نہیں!،، سچائی ان ہی کے ساتھ ہے اور اگر زندگی ترقی کے راستے پر گامزن ہے اور آگے بڑھ رہی ہے تو وہ ان ہی کی بدولت —،،

کتابوں کی الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بولے:

''خاص کر ان لوگوں کی کوششوں کی بدولت — کاش میں بھی کوئی کتاب لکھ سکتا! لیکن میرے خیالات بڑے بھدے اور گڑبڑ ہیں —،،

وہ میز کے کنارے بیٹھ گئے اور سر جھکاکے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور کہا:

rekhta

''ایزوت پر کتنا رحم آتا ہے...،،

بڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد بولے:

''اچھا خیر —— اب تو میرا خیال ہے سونا چاہئے ہم لوگوں کو...،،

میں اپنے کوٹھے والے چھپر میں چلا گیا اور کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا — آسمان پر کوندے کھیتوں اور میدانوں کے اوپر لپک رہے تھے — ہر بار جب شفاف سرخ روشنی تڑپتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ چاند خوف سے اچھل کر پیچھے کو ہٹ جاتا — کتے بھونک رہے تھے اور رو رہے تھے — اگر ان کے یہ بھیانک سر آپس میں ملتے ہوئے نہ سنائی دیتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے انسان کسی سنسان بیابان میں ہے — دور سے گھن گرج سنائی دے رہی تھی اور کھڑکیوں سے ایسا حبس اندر آ رہا تھا کہ دم گھٹا جاتا تھا —

ایزوت پھر میری نگاہوں میں پھرنے لگا —— دریا کے ساحل پر پڑا ہوا، بید کی جھاڑیوں کے نیچے — اس کا نیلا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا لیکن پتھرائی ہوئی آنکھیں سختی سے خود اپنے اندر گھور رہی تھیں، سنہری داڑھی الجھی ہوئی تھی، منہہ حیرت سے کھلا ہوا تھا —

''میکسیمچ، سب سے بڑی چیزیں ہیں نیکی اور دوست داری — اسی لئے تو مجھے ایسٹر کا تہوار سب سے زیادہ پسند ہے کیونکہ وہ تہواروں میں سب سے زیادہ نیکی اور دوست داری کی تبلیغ کرتا ہے!،،

اس کا نیلا پتلون شام کے تپتے ہوئے سورج کی گرمی سے سوکھ گیا تھا اور اس کی نیلی ٹانگوں سے لپٹا ہوا تھا جن کو والگا نے دھودھا کر صاف کر دیا تھا — چہرے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور جسم سے ایک بوجھل سی بو نکل رہی تھی جس سے متلی آتی تھی —

سیڑھیوں پر بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی، روماس آئے — اندر آتے ہوئے انہوں نے جھک کر دروازے کی چوکھٹ سے اپنا سر بچایا

rekhta

اور پھر آکر میرے پلنگ پر بیٹھ گئے — ایک ھاتھ سے اپنی داڑھی پکڑی اور بولے :

''میں تم سے ایک بات کہنا چاھتا تھا — میں شادی کر رھا ھوں...،،

''یہاں عورت کے لئے زندگی آسان نہ ھوگی...،،

انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا کہ اب اور میں کیا کہتا ھوں — لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ کہوں کیا — کوندے کی لپک سے کمرے میں سرخ روشنی چمکی اور پھر مٹ گئی —

''میری شادی ماشا دیرینکووا سے ھو رھی ھے...،،

مجھ سے مسکراھٹ رک نہ سکی — اس سے پہلے مجھے کبھی خیال نہ آیا تھا کہ اس لڑکی کو کوئی ماشا کہہ سکتا تھا — اس کے باپ بھائی بھی نہیں کہتے تھے اور جہاں تک مجھے یاد ھے اور کوئی اس کو اس نام —— ماشا —— سے کبھی نہیں پکارتا تھا —

''تم کس بات پر ھنس رھے ھو؟،،

''کچھ نہیں —،،

''تمہارا خیال ھے اس کے لئے میری عمر زیادہ ھے؟،،

''نہیں تو، جی نہیں!،،

''اس نے مجھے بتایا کہ تم بھی اس سے محبت کرتے تھے —،،

''ھاں میرا خیال ھے کہ کرتا تو ضرور تھا —،،

''اور اب؟ ختم ھو گئی وہ محبت؟،،

''ھاں میرا خیال ھے کہ ختم ھو گئی ھے —،،

انہوں نے اپنی داڑھی چھوڑ دی اور آھستہ سے بولے :

''تمہاری عمر میں انسان اکثر ایسی خوش‌فہمی میں مبتلا ھو جایا کرتا ھے — لیکن میرے سن میں یہ کوئی خواب‌وخیال نہیں ھوتا بلکہ دل اور روح پر اس بری طرح قبضہ کرتی ھے یہ چیز کہ اور کچھ سوجھتا ھی نہیں اور کسی بات کا خیال ھی نہیں آتا!،،

rekhta

پھر ان کے چہرے پر ایک خشک مسکراہٹ آئی — خوبصورت دانت دکھائی دینے لگے — اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے:

''انتونی نے جنگ ایکشیم میں اوکٹویانس سے اس لئے شکست کھائی کہ جب قلوپطرہ خوف کھا کر جہاز میں بھاگنے لگی تو وہ اپنے بیڑے کی کمان چھوڑ کر اور اپنے جہاز پر قلوپطرہ کے پیچھے پیچھے چل پڑا — تو دیکھا تم نے کہ مرد کا کیا حشر کرتی ہے یہ چیز!،،

وہ اٹھ کھڑے ہوئے، کندھے پیچھے کو جھکائے —

''بہرحال میں تو شادی کر رہا ہوں!،، انہوں نے دوہرایا، جیسے کوئی اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات کر رہا ہو —

''کب؟ ،،

''خزاں کے موسم میں — جب سیبوں کی فصل ختم ہو جائے گی —،،

وہ باہر نکل گئے — جاتے وقت انہوں نے چوکھٹ کے نیچے پھر سر جھکایا، اس بار ضرورت سے زیادہ نیچے جھک گئے — بستر پر لیٹتے ہوئے میں نے سوچا کہ غالباً میرے لئے بھی بہتر ہوگا کہ جب خزاں آئے تو میں یہاں سے چلا جاؤں — روماس نے انتونی کے متعلق وہ باتیں کیوں کہیں؟ مجھے اچھی نہیں لگیں —

جلد ہی شروع موسم کے سیبوں کے توڑے جانے کا زمانہ آنے والا تھا — اس سال فصل خوب ہوئی تھی، ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوئی، بوجھ کے مارے زمین چوم رہی تھیں — پھلوں کے باغوں میں پکی مہک پھیلی ہوئی تھی، بچے جگہ جگہ باغوں میں گھومتے پھرتے تھے اور ہوا سے گرائے ہوئے یا کیڑے لگے ہوئے گلابی اور زرد پھل جمع کرتے پھرتے —

اگست کے اوائل میں روماس قازان گئے اور وہاں سے لوٹے — اپنے ساتھ وہ ایک کشتی بھر کر سامان لائے — دوسری کشتی میں بہت سی خالی ٹوکریاں بھری ہوئی تھیں — ہفتے کا دن تھا — صبح کے کوئی آٹھ بجے ہوں گے، خوخول منھ ہاتھ دھو کپڑے بدل کر چائے پینے بیٹھے تھے اور خوش خوش باتیں کر رہے تھے:

rekhta

”دریا پر رات کے وقت بڑا لطف رہتا ہے، بڑا ہی اچھا لگتا ہے...“

پھر یکایک سونگھتے ہوئے گھبرا کر بولے:

”کیوں؟ تمہیں جلنے کی بو نہیں آ رہی ہے؟“

اسی وقت احاطے سے اکسینیا کے چیخنے کی آواز آنے لگی:

”آگ لگ گئی! ارے آگ لگ گئی!“

ہم لوگ دوڑے ہوئے باہر پہونچے — پھلوں کے باغ کی طرف ہمارا جو سائبان تھا اس میں آگ لگی ہوئی تھی — اسی سائبان میں ہمارا مٹی کے تیل، کولتار اور دوسرے تیلوں وغیرہ کا گودام تھا — ایک پل تو ہم لوگ پاگلوں کی طرح کھڑے گھورتے رہے کہ آگ کی نارنجی زبان کس کاروباری انداز میں دیوار کو چاٹتی ہوئی چھت کی طرف بڑھ رہی تھی — تیز دھوپ میں اس کا پیلاپن مدھم پڑ گیا تھا — اکسینیا دوڑ کر ایک بالٹی پانی لائی — خوخول نے بالٹی بھر پانی آگ کی کھیلتی ہوئی کلیوں پر پھینکا — پھر بالٹی پھینک دی اور کہا:

”ارے اس کمبخت سے کچھ نہیں ہوگا — میکسیمچ آؤ، کنڈالوں کو باہر نکالا جائے! اکسینیا تم دوکان کی طرف دوڑ جاؤ!“

میں نے تارکول کا ایک کنڈال تو سائبان کے باہر نکالا اور احاطے میں سے باہر گلی میں لڑھکا دیا — پھر میں مٹی کے تیل کے ایک کنڈال پر جھپٹا لیکن جو اس کو لڑھکانا شروع کیا تو پتہ چلا کہ ڈاٹ کھل گئی ہے اور مٹی کا تیل فرش پر بہہ رہا ہے — جتنے میں ڈاٹ ڈھونڈوں آگ بھی بیکار نہیں بیٹھی — اس کی کریدتی ہوئی انگلیاں لکڑی کی دیوار کی درازوں میں سے نکل آئیں، چھت چٹخنے لگی اور میرے کانوں میں ایک بھیانک گنگناہٹ سنائی دینے لگی — آدھا خالی پیپا لئے میں باہر نکلا تو دیکھا بہت سے لوگ — عورتیں اور بچے — گاؤں بھر سے دوڑتے بھاگتے، چیختے چلاتے ہماری طرف آرہے تھے — خوخول

rekhta

اور اکسینیا دوکان کا سامان نکال نکال کر نالے میں ڈھیر لگا رہے تھے ۔ بیچوں بیچ گلی میں ایک بڑھیا سیاہ کپڑے پہنے مکے دکھا دکھا کر زور زور سے چیختی جا رہی تھی ''ہائے، ہائے، ارے کمبختو! ارے شیطانو!''

جب میں پھر سائبان میں لوٹا تو وہ گھرے گھنے دھوئیں سے اٹم اٹ بھر گیا تھا جس کے بیچ میں کوئی چیز چٹخ چٹخ کر جلتی ہوئی زوروں سے سلگ رہی تھی ۔ چاروں طرف سرخ سرخ فیتے اچھل رہے تھے اور بل کھاتے ہوئے چھت سے گر رہے تھے ۔ لکڑی کی دیوار کا تو کچھ بچا ہی نہیں تھا، جل کر سرخ ہو گئی تھی ۔ دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا، آنکھیں پھوٹی جا رہی تھیں ۔ پھر بھی میں نے کوشش کرکے کسی طرح ایک کنڈال کو دروازے تک لڑھکایا لیکن وہاں پہنچ کر وہ دروازے میں اٹک گیا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا ۔ چھت سے چنگاریاں برابر گر گر کر میرے چہرے اور بازوؤں میں چبھ رہی تھیں ۔ میں نے مدد کے لئے آواز دی ۔ خوخول دوڑے ہوئے آئے اور مجھے کھینچ کر احاطے میں نکال لیا ۔

''بھاگو! ورنہ یہ پھٹنے ہی والا ہے...''

وہ تیر کی طرح مکان میں گھس گئے ۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے گھسا اور دوڑ کر کوٹھے پر چڑھا تاکہ اپنی کتابوں کو بچانے کی کوئی صورت کر سکوں ۔ جب میں ساری کتابیں کھڑکی سے باہر پھینک چکا تو میں نے دیکھا کہ ٹوپیوں سے بھری ہوئی ایک پیٹی بھی وہیں رکھی ہے ۔ میں نے کوشش کی کہ اسے بھی اسی رستے پھینک دوں ۔ لیکن کھڑکی چھوٹی نکلی ۔ میں نے ایک دوسیری باٹ اٹھایا اور کھڑکی کے چوکھٹے کو توڑنے لگا ۔ اور پھر ایک دھماکہ ہوا، چھت پر کوئی چیز تیزی سے چمکی ۔ مٹی کے تیل کا کنڈال پھٹ گیا تھا ۔ چھت میں آگ لگ گئی تھی اور وہ جگہ جگہ سے چٹخ رہی تھی ۔ شعلوں کا ایک سرخ چشمہ میرے کمرے میں جھانکتا ہوا میری

کھڑکی کے پاس سے گذر گیا ۔ گرمی ناقابل برداشت ہو گئی تھی ۔ میں دوڑا ہوا سیڑھی پر پہنچا لیکن وہاں دھوئیں کے گھنے بادل میرے استقبال کو موجود تھے ۔ اور سرخ سرخ ناگ سیڑھی پر چڑھتے رینگتے چلے آ رہے تھے ۔ گلیارے سے ایک چٹاخے کی آواز آرہی تھی جیسے لکڑی میں لوہے کے دانت دھنس گئے ہوں ۔ میرے اوسان جاتے رہے ۔ دھوئیں سے بالکل اندھا، سانس پھولی ہوئی، ہانپتا ہوا میں چند سیکنڈ تک بےحس‌وحرکت کھڑا رہا ۔ وہ چند سیکنڈ تھے کہ زمانہ گذر گیا ۔ شعلوں کا ایک پیالا، سرخ داڑھی‌والا چہرہ جس کی تھوتھنی زرد تھی، کھڑکی کے پاس پل بھر کو نظر آیا، پھر غائب ہو گیا اور دوسرے لمحے چھت کو پھاڑ کر سرخ شعلے اس میں سے برسنے لگے ۔

مجھے اس وقت اتنا محسوس ہوا کہ میرے بال جل رہے ہیں اور مجھے ان کے سلگنے کی چھنچھناہٹ سنائی دے رہی ہے ۔ اس کے سوا اور کوئی آواز مجھے سنائی نہ دی ۔ میرے دماغ نے چیخ کر کہا کہ خاتمہ آ پہونچا ۔ ٹانگوں میں جیسے سیسہ بھر گیا تھا ۔ من من بھر کی ہو گئی تھیں ۔ آنکھیں جل رہی تھیں اور جلن سے بے حد تکلیف ہو رہی تھی اگرچہ میں آنکھوں کو برابر ہاتھوں سے بچائے ہوئے تھا ۔

اپنے آپ کو بچانے کا جو قدرتی جذبہ ہر انسان میں ہوتا ہے اس نے مجھے نکل بھاگنے کا واحد ذریعہ سجھا دیا ۔ جتنی نرم چیزیں میرے ہاتھ آ سکیں وہ میں نے جلدی جلدی گود بھر کر سمیٹ لیں ۔ اپنی توشک اور تکیہ اور بہت سی پیال لپیٹ لی، روماس کا بھیڑ کی کھال کا کوٹ سر اور کندھوں پر لپیٹا اور کھڑکی سے کود گیا ۔

جب آنکھ کھلی تو میں نالے کے کنارے پڑا تھا اور روماس میرے پاس اکڑوں بیٹھے چیخ چیخ کر کہتے جا رہے تھے :

''کیوں؟ ٹھیک ہو نا؟،،

میں اٹھ کھڑا ہوا اور پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے گرتے ، لڑھکتے، کھنڈر ہوتے گھر کو تکنے لگا ۔ اس پر تمام

rekhta

سرخ سرخ چشمے سے ابل رہے تھے، کتے کی سی لال لال زبانیں سیاہ مٹی کو چاٹ رہی تھیں، کھڑکیوں میں سے کالا دھواں ھچکیاں لیتا نکل رہا تھا — چھت پر زرد زرد سرخ سرخ پھول لہرا لہرا کے رقص کر رہے تھے —

روماس پھر چیخے ''کیوں؟ ٹھیک ہو تم؟،، ان کے کالکھ سے تپے ہوئے چہرے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں — اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چکنے چکنے آنسو ان کے تمام چہرے پر رواں ہیں — آنکھیں پریشانی کی وجہ سے تیزی سے جھپک رہی تھیں، داڑھی میں پیال کے تنکے، ٹکڑے وغیرہ الجھے ہوئے تھے — میرے وجود میں مسرت کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی — جذبات کا ایک شدید حملہ ہوا اور پھر بائیں ٹانگ میں سخت درد محسوس ہوا — اٹھتے اٹھتے میں زمین پر گر پڑا اور خوخول سے بولا:

''میری ٹانگ اکھڑ گئی ہے —،،

انہوں نے میری ٹانگ ٹٹولی اور پھر ایک‌دم سے اس کو زور کا جھٹکا دیا — ایک شدید درد میرے پورے جسم میں دوڑ گیا — اور پھر چند منٹ بعد میں ذرا ذرا لنگڑاتا ہوا مگر خوش خوش جو کچھ سامان بچا تھا اس کو اٹھا اٹھا کر حمام کی طرف لے جا رہا تھا — روماس بےحد خوش، پائپ دانتوں میں دبائے، بولے:

''جب مٹی کا کنڈال پھٹا اور اڑتا ہوا کوٹھے کی چھت پر پہنچ گیا تو مجھے تو یقین ہو گیا تھا کہ اب تم گئے ہاتھ سے، اب تمہیں کھو بیٹھے ہم — آگ اکٹھا ہو کر بےحد اوپر اٹھ گئی تھی اور چھت پر جیسے ایک بڑی سی سانپ کی چھتری بن گئی تھی — سارے گھر میں آگ لگ گئی تو میں تو سمجھا کہ الوداع میکسیمچ —،،

وہ پھر معمول کی طرح پرسکون ہو گئے تھے اور بڑی باقاعدگی سے بچے ہوئے سامان کو اکٹھا کر رہے تھے — اکسینیا بھی دھوئیں میں سیاہ، اجاڑ صورت، گھوم رہی تھی — اس سے بولے:

rekhta

”تم یہاں بیٹھی رہو اور اس سامان کی حفاظت کرو — میں آگ کا مقابلہ کرنے جاتا ہوں —“

نالے پر پھیلے ہوئے دھوئیں میں کاغذوں کے ٹکڑے اڑتے ہوئے پھڑ پھڑا رہے تھے —

”اخ“، روماس کہنے لگے ”یہ کتابیں ہیں — کتنے افسوس کی بات ہے! میری کتنی عزیز کتابیں تھیں...“

اس وقت تک چار اور گھروں میں بھی آگ لگ چکی تھی — ہوا نہیں تھی، دن پرسکون تھا — اس لئے آگ اپنا وقت لے رہی تھی لیکن برابر بڑھتی جاتی تھی اور آہستہ آہستہ دائیں بائیں پھیلتی جاتی تھی، جیسے اس کی نرم، نئی نویلی پھنگیں اور ڈالیاں ہچکچا ہچکچا کر چھتوں اور احاطوں کی دیواروں اور جافریوں پر ہاتھ بڑھا رہی ہوں — جہاں جہاں سوکھے چھپر تھے ان کو تو سرخ سرخ کھرپیاں جیسے چھانٹتی چلی جا رہی تھیں، بل کھاتی ہوئی آگ کی انگلیاں باڑوں پر سے چڑھتی اور اترتی تھیں — دھوئیں سے اٹم اٹ فضا میں شعلوں کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی —— خوفناک، جیسے اس میں شکائت بھری ہو، بغض و کینہ بھرا ہو — اور جلتی ہوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی مدھم تقریباً نرم آہٹ تھی — دھوئیں کے اڑتے ہوئے بادلوں میں سے سنہری ٹکڑے گلیوں اور احاطوں میں جابجا گر رہے تھے — لوگ ہوکھلائے ہوئے دوڑ رہے تھے — ہر ایک کو اپنے گھر اور اپنے سامان کی پڑی تھی — اور چیختی ہوئی آوازیں باربار ایک ہی صدا دیتی سنائی دیتی تھیں:

”پانی! پا آآآ نی!“

لیکن پانی دور تھا، اونچے ساحل پر بسی ہوئی اس آبادی سے دور، والگا میں — روماس نے کسی کی آستین کھینچی، کسی کا گریبان پکڑا اور جلدی جلدی گاؤں والوں کو ایک جگہ اکٹھا کرکے دو حصوں میں تقسیم کیا — اور آگ والے حصے کے دونوں طرف دونوں گروہوں کو بھیجا کہ احاطوں کی باڑیں اور سائبان وغیرہ نوچ کر الگ

کر دیں — لوگوں نے بڑی مسکینی سے روماس کا حکم پورا کرنا شروع کر دیا اور اب ایک طرف آگ تھی جو بڑی خوداعتمادی کے ساتھہ مکانات کی پوری قطار کو، پوری گلی کو جلا ڈالنا چاہتی تھی اور دوسری طرف لوگ سوجھہ بوجھہ سے جدوجہد کر رہے تھے —— اگرچہ ان کی جدوجہد میں یہ نظر آتا تھا کہ وہ سہمے ہوئے ہیں — وہ بہت ہی ناامیدی کے ساتھہ آگ کا مقابلہ کر رہے تھے جیسے کسی غیر کا کام ہو —

میں بڑے جوش میں تھا اور ایسی طاقت محسوس کر رہا تھا جیسی زندگی میں کبھی نہیں کی تھی — میں نے یہ بھی دیکھا کہ گلی کے آخری سرے پر لوگوں کا ایک جتھا کھڑا تھا جس میں گاؤں کے کھاتے پیتے لوگ تھے — کوزمین بھی تھا اور گاؤں کا مکھیا اس مجمع میں خاص طور پر نمایاں تھا — وہ لوگ اپنی جگہ پر کھڑے صرف شور مچا رہے تھے، اپنے ڈنڈے اور لکڑیاں گھما رہے تھے لیکن آگ بجھانے کے لئے انہوں نے چھنگلیا تک نہیں ہلائی گویا یہ سب تماشہ تھا اور وہ صرف تماشائی — کچھہ لوگ گھوڑوں پر سوار کھیتوں کی طرف سے آ رہے تھے — ان کے گھوڑے اس تیزی سے دوڑ رہے تھے کہ سواروں کی کہنیاں اچھل اچھل کر ان کے کانوں سے جا لگتی تھیں، عورتیں رو پیٹ رہی تھیں، بچے ادھر سے ادھر بھاگتے پھر رہے تھے —

اتنے میں پاس ہی کے احاطے میں ایک مکان کے باہری حصوں نے آگ پکڑ لی — گائے کا چھپر جو موٹی موٹی لکڑیوں اور بید کی جھاڑیوں کا بنا ہوا تھا، جلنے لگا — اس کی دیوار جلدازجلد گرانی تھی — اب بھی وہ چاروں طرف سے آگ کے سرخ سرخ فیتوں سے سجا ہوا تھا — کسانوں نے بلیوں پر کلھاڑیاں مارنی شروع کیں لیکن اوپر سے چنگاریاں اور جلتے ہوئے کوئلے ان پر گرے — وہ اچھل کر ایک طرف کو ہو گئے اور جہاں جہاں سے کپڑے جلنے لگے تھے وہاں مل مل کر بجھانے لگے —

خوخول زور سے چیخے ”ارے ڈرپوک نہ بنو! بزدل نہ بنو!“

rekhta

لیکن کوئی فائدہ نہ ھوا — پھر خوخول نے کسی کے سر پر سے ھیٹ اتار لی اور میرے سر پر جما دی —

’’چلو تم اس طرف سے شروع کرو، میں ادھر سے شروع کرتا ھوں!،،

میں نے ایک بلی کو کاٹا، پھر دوسری کو — دیوار ھلنے لگی — تب میں اس پر چڑھ گیا اور اوپروالے سرے کو ھاتھوں سے مضبوط پکڑ کر لٹک گیا — خوخول نے میری لٹکتی ھوئی ٹانگیں پکڑ کر زور سے کھینچیں اور آناً فاناً میں پوری دیوار نیچے آ رھی — میں اس کے نیچے تقریباً دفن ھو گیا — کسان سب مل کر جلدی سے جلتی ھوئی دیوار کو کھینچتے ھوئے باھر گلی میں لے گئے —

’’جل گئے؟،، روماس نے پوچھا —

ان کی اس مزاج پرسی سے مجھ میں نئی طاقت اور پھرتی عود کر آئی — یہ آدمی میرے لئے سب ھی کچھ تھا اور اس کے سامنے کارگذاری دکھانے اور سرخرو ھونے کا جذبہ اس وقت میرے اوپر شدت سے حاوی تھا اور اس کی خوشی کے لئے میں بڑے زوروشور سے کام کر رھا تھا — ھمارے سروں پر کتابوں کے ورق دھوئیں میں اڑتے ھوئے کبوتروں کی طرح پھڑپھڑا رھے تھے —

دھنی طرف ھم نے آگ روک دی تھی لیکن بائیں طرف شعلے بڑھتے ھی جاتے تھے — دس گھر اب تک آگ پکڑ چکے تھے — روماس نے چند آدمی دھنی طرف چھوڑے تا کہ وہ ان سرخ ناگوں کی کسی اور چال کو کامیاب نہ ھونے دیں اور باقی کمک کو لے کر خطرے کے مقام پر پہونچ گئے — جب ھم لوگ دوڑتے ھوئے خوش حال کسانوں کے پاس سے گذرے تو میں نے سنا کہ ان میں سے ایک بڑے کمینے پن سے کہہ رھا تھا:

’’یہ جان بوجھ کر آگ لگائی گئی ھے!،،

اس پر کوزمین بولا ’’اس کا حمام دیکھو — وہ جگہ ھے تلاشی لینے کی!،،

rekhta

یہ الفاظ ناخوشگوار یاد بن کر میرے ذہن میں پیوست ہو گئے ۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اشتیاق چاہے کسی قسم کا ہو ــــ اور خاص کر مسرت‌بھرا اشتیاق ــــ انسان کو بے‌پناہ قوت بخشتا ہے ۔ میں اپنے جوش میں جٹا ہوا تھا اور تھکن کا احساس تک نہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ میں بالکل ٹوٹ کر گر پڑا ۔ مجھے یاد ہے کہ جب مجھے ہوش آیا تو میری پیٹھ کسی گرم چیز سے ٹکی ہوئی تھی اور روماس ایک بالٹی سے پانی لے‌لے کر میرے منھ پر چھینٹے مار رہے تھے ۔ کسان ہمارے چاروں طرف کھڑے تھے اور تعریفیں کر رہے تھے :

’’بچہ ہے بڑا زوردار!‘‘

’’یہ ساتھ چھوڑنےوالی، دغا دینے والی اسامی نہیں ہے . . .‘‘

میں نے اپنا سر روماس کی ٹانگوں پر ٹیک دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ انہوں نے میرے گیلے بال پیار سے سہلائے اور بولے :

’’اچھا، اچھا، اب آرام کرو! تم کافی بھگت چکے ۔‘‘

کوکوشکن اور بارینوف دونوں شیطانوں کی طرح کالے بھجنگ ہو رہے تھے، مجھ کو لے کر دلاسا دیتے ہوئے نالے کی طرف چلے ۔

’’کوئی بات نہیں بھائی، چلو، سب ختم ہوا ۔‘‘

’’ڈر گئے ایں؟‘‘

میں ابھی نالے کے کنارے لیٹا ہی ہوا تھا اور پوری طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا جو میں نے دیکھا کہ تقریباً دس خوشحال کسان نالے کی طرف بڑھتے ہوئے، ہمارے حمام کی طرف جا رہے ہیں ۔ آگے آگے مکھیا تھا، پیچھے پیچھے دو مددگار روماس کے دونوں بازو پکڑے چل رہے تھے ۔ روماس کے سر پر ٹوپی نہیں تھی، گیلی قمیص کی ایک آستین نچ گئی تھی، تیوری پر بل تھے، چہرہ خوفناک ہو رہا تھا ۔ سپاہی کوستن لکڑی گھماتا زور زور سے چیخ رہا تھا :

’’پھینک دو اس کو آگ میں، بے دین، کافر!‘‘

rekhta

کسی نے کہا :

’’حمام کھو لو...‘‘

روماس نے زور سے کہا ’’تالا توڑ دو—— کنجی کھو گئی ہے—‘‘

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا، ایک ڈنڈا اٹھایا اور روماس کے پہلو میں جا کھڑا ہوا — اس پر روماس کے گارڈ لوگ چپکے سے کھسک گئے — مکھیا خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں چیخ کر بولا :

’’بھائیو، تالا توڑنا تمھارا کام نہیں، یہ قانون کے خلاف بات ہے!‘‘

کوزمین نے میری طرف اشارہ کیا اور گرجا :

’’یہ ایک اور ہے... آخر یہ ھوتا کون ہے؟‘‘

روماس مجھ سے بولے ’’میکسیمچ، نرمی سے کام لینا — ان لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے سب سامان حمام میں چھپا دیا ہے اور پھر خود آگ لگا دی ہے—‘‘

’’یہ تم دونوں کا کام ہے!‘‘

’’توڑو تالا!‘‘

’’بھائیو...‘‘

’’ارے تو ہم جواب دیں گے قانون کو!‘‘

’’ھاں ھاں ہم قانون کو سمجھ لیں گے —— توڑو تالا!‘‘

روماس نے ہنس سے کہا :

’’میری پیٹھ سے پیٹھ لگاکے کھڑے ہو جاؤ تاکہ یہ لوگ پیچھے سے نہ مار سکیں —‘‘

لوگوں نے تالا توڑ دیا — کئی انسان ایک دم، ایک ساتھ حمام میں گھس گئے اور پھر فوراً ہی باہر نکل آئے — اس درمیان میں میں نے اپنی لکڑی روماس کو دے دی تھی اور خود ایک اور ڈنڈا سنبھال لیا تھا —

rekhta

''حمام میں کچھه نہیں ہے...،،

''نہیں؟ کچھه نہیں ہے؟،،

''چالاک کہیں کے!،،

کسی نے ھچکچاتے ھوئے کہا :

''لوگو بیکار ھی کیا یه سب...،،

لیکن کئی آوازوں نے جواب میں شرابیوں کی طرح چیخ کر کہا :

''کیا مطلب؟ بیکار کیوں؟،،

''پھینک دو ان کو آگ میں!،،

''مفسد! متفنی!،،

''بڑے آئے یہاں انجمنیں بنانے والے!،،

''ارے ڈاکو ھیں! سارے کا سارا گروہ چوٹٹوں کا ہے!،،

روماس کی آواز اس سب گڑبڑ سے اوپر اٹھتی ھوئی سنائی دی

''چپ رہو! تم لوگوں نے اپنی آنکھه سے دیکھه لیا ہے که نہیں که حمام میں کچھه نہیں ہے —— تو پھر اب کیا چاھتے ھو؟ ھمارا سب کچھه جل چکا ہے— جو کچھه بچا ہے وہ یه تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈھیر ہے— آخر مجھے اپنا سامان، اپنا گھر خود جلانے سے کیا لینا تھا؟،،

''بیمه کا روپیه!،، کسی نے زور سے آواز دی —

اور پھر دسیوں آوازیں زور زور سے ہنکارنے لگیں :

''اب انتظار کیا ہے؟،،

''بس بہت ھو چکا!،،

میرے گھٹنے کانپنے لگے — پل بھر کے لئے آنکھوں تلے بالکل اندھیرا چھا گیا — پھر سرخ سرخ دھند اور کہر سے مجھے وحشیانه چہرے نظر آنے لگے، چہروں میں سیاہ سیاہ بالوں بھرے چھید دکھائی دینے لگے جو چیختے ھوئے دھانے تھے — میرے لئے طیش میں بھر کر ان پر پل پڑنے اور سب کو ٹھونک کر رکھه دینے کے جذبے کو برداشت کرنا محال ھو گیا — وہ ھمارے چاروں طرف پھدک رہے تھے اور اب ان کے لبوں پر ایک نئی چیخ تھی :

rekhta

''اچھا تو ان کے پاس لاٹھیاں ھیں!،،

''اچھا لاٹھیاں ھیں؟،،

خوخول نے کہا ''یہ لوگ تو میری داڑھی نوچ ڈالیں گے،، اور مجھے ان کے لہجے سے اندازہ ھوا کہ وہ مسکرا رہے تھے — ''تمھیں بھی حصہ ملے گا میکسیمچ — مجھے اسی بات کا غم ہے لیکن دیکھو گھبرانا نہیں، اوسان قائم رکھنا —،،

''دیکھو دیکھو، اس لونڈے کے پاس کلہاڑی بھی ہے!،،

واقعی میری پیٹی میں ایک کھاتیوں والی کلہاڑی کھنسی ھوئی تھی جس کو میں خود تو بالکل ھی بھول گیا تھا —

روماس نے پھر پھس سے کہا ''ان لوگوں کے ھاتھ پاؤں پھول رہے ھیں لیکن پھر بھی اگر یہ کچھ کریں تو بہتر یہی ھو کہ تم کلہاڑی نہ استعمال کرو —،،

ایک کسان جس کو میں نہیں جانتا تھا — لنگڑا، چھوٹا سا منحنی آدمی — عجیب طرح سے ناچتا ھوا چین چین کرتی ھوئی آواز میں زور زور سے چیخ رھا تھا:

''دور رھو، زد سے باھر رہ کر ان پر پتھراؤ کرو! مزا چکھا دو سالوں کو!،،

اس نے اینٹ کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور زور سے پھینکا — وہ میرے پیٹ میں آکر زور سے لگا لیکن قبل اس کے کہ میں اس کا جواب دے سکوں کوکوشکن نالے کے اوپر سے تیر کی طرح دوڑتا ھوا اس کسان پر جھپٹا اور دونوں گتھم گتھا ھوکر لڑھکتے ھوئے نالے کے پیندے تک چلے گئے — پھر پانکوف نمودار ھوا — تیز تیز چلتا ھوا وہ ھماری طرف آ رھا تھا — اس کے ساتھ باریتوف اور لوھار بھی تھا اور دس بارہ کسان اور تھے — ایک دم کوزمین بڑے وقار کے ساتھ یہ کہتے ھوئے پسپا ھو گیا:

''میخائل، آپ واقعی صاحب عقل ھیں — آپ تو جانتے ھی

rekhta

ہیں کہ آگ جو ہے تو وہ کسانوں کا دماغ پگھلا دیتی ہے، دیہاتیوں کو مجنوں بنا دیتی ہے —،،

روماس نے اپنی پائپ منھہ میں سے نکالی اور جیب میں رکھتے ہوئے بولے ''آؤ میکسیمچ، ہم لوگ شرابخانے میں چل کر چائے پیئیں —،، انہوں نے لاٹھی کا سہارا لیتے ہوئے نالے کی اوپر کی طرف کو بوجھل قدم اٹھانے شروع کر دئے اور جب کوزمین نے ان کے پہلو میں چلتے ہوئے کچھہ اور کہنے کی کوشش کی تو ان کو دیکھے بغیر بولے :

''دور ہو، گدھا کہیں کا!،،

ہم واپس ہوئے تو جہاں ہمارا گھر تھا وہاں دھکتے، چمکتے انگاروں کا نارنجی ڈھیر تھا — دھکتے کوئلوں کے درمیان باورچی خانے کا تندور ویسے کا ویسا ہی کھڑا تھا — اس کا کچھہ بگڑا نہیں تھا بلکہ اب تک اس کی چمنی سے نیلا نیلا دھواں اٹھہ اٹھہ کر گرم ہوا میں شامل ہوتا جا رہا تھا — ایک لوہے کے پلنگ کی سرخ تپتی ہوئی پٹیاں ہر طرف کو نکلی ہوئی تھیں جیسے مکڑی کی ٹانگیں ہوں — جلے ہوئے پھاٹک کے ستون اس منظر پر پہرہ دیتے ہوئے، پختہ کالے رنگ کے سپاہی معلوم ہوتے تھے جن میں سے ایک کے سر پر دھکتے ہوئے انگاروں کی سرخ ٹوپی تھی جس میں لہراتے ہوئے شعلوں کی سجاوٹ ٹوپی میں لگے ہوئے پروں کی مانند لگتی تھی —

''کتابیں سب ختم ہو گئیں،، خوخول نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا — ''ہائے افسوس!،،

بچے بڑے بڑے سلگتے ہوئے انگاروں کو گیند کی طرح احاطے سے لڑھکاتے ہوئے کیچڑ پڑی ہوئی گلی میں لیجا رہے تھے — وہاں پہنچ کر انگارے شائیں سے بجھہ جاتے اور سفید کڑوا دھواں ان میں سے اٹھتا — بنی نوع انسان کا ایک چھوٹا سا نمونہ، کوئی پانچ سال کی عمر، الجھے بال، نیلی آنکھیں، گرم سیاہ کیچڑ کے ایک چھلے

rekhta

میں بیٹھا ایک تڑی مڑی بالٹی کو ایک ڈنڈے سے زور زور سے پیٹ رہا تھا اور بجتے ہوئے دھات کی موسیقی میں مگن تھا — آگ کے مارے ہوئے لوگ منھہ لٹکائے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے اور جو کچھہ گھر گرہستی کا سامان بچ گیا تھا اسے اکٹھا کر رہے تھے — روتی ہوئی عورتیں کوستی، کاٹتی، جلے ہوئے سامان پر ایک دوسرے سے جھگڑ رہی تھیں — باغوں میں پھولوں کے درخت خاموش کھڑے تھے — یہاں وہاں کلیاں اور پھننگیں آگ کی لپٹ سے جھلس گئی تھیں اور سیبوں کی افراط اور بھی نمایاں ہو گئی —

ہم لوگ دریا پر گئے، نہائے، دھوئے اور پھر دریا کنارے والے شراب خانے میں چائے پینے جا بیٹھے —

’’بہر حال جہاں تک سیبوں کا سوال ہے موٹی توند والے لڑائی ہار ہی گئے،، روماس نے کہا —

اتنے میں پانکوف اندر آیا — وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور ہمیشہ سے زیادہ مسکین نظر آ رہا تھا —

’’کیوں، کیا حال ہے؟ کیسا لگ رہا ہے؟،، روماس اس سے پوچھنے لگے —

اس نے کندھے ہلائے — ’’گھر کا تو ویسے بیمہ تھا ہی —،،

پھر خاموشی چھا گئی، ہم لوگ اجنبیوں کی طرح بیٹھے ایک دوسرے کو تکتے رہے —

’’میخائل، اب کیا ارادہ ہے؟،،

’’سوچ رہا ہوں —،،

’’تم کو یہاں سے جانا ہی پڑے گا —،،

’’دیکھا جائے گا —،،

’’میں نے ایک پلان سوچا ہے،، پانکوف نے کہا — چلو چلیں باہر، بات کریں...،،

دونوں باہر چلے گئے — دروازے سے جاتے ہوئے پانکوف نے

rekhta

رک کر اور پیچھے مڑ کر مجھه پر نظر ڈالی اور کہا ''تم میاں لڑکے تو بزدل نہیں ہو — تم یہاں رہ سکتے ہو، تم سے تو سب ہی ڈریں گے —،،

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں دریا کے کنارے پر جھاڑیوں کے سائے میں لیٹ کر پانی کو دیکھنے لگا — سورج ڈوب رہا تھا لیکن ابھی گرمی کافی تھی — اس گاؤں میں میں نے اب تک جو دن گذارے تھے وہ اس طرح آنکھوں میں پھر رہے تھے جیسے دریا کی سطح پر ان کی رنگین روغنی تصویریں بنی ہوں — دل پر ایک نامعلوم سا بوجھه تھا — لیکن تھکن نے فوراً اپنا قرض طلب کیا اور میں گہری نیند سو گیا —

یکایک مجھے نیند میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی مجھے دور سے پکار رہا ہے — پھر ایسا لگا جیسے کوئی مجھے جھنجھوڑ رہا ہے اور کھینچ کر گھسیٹتا ہوا کہیں لے جانے کی کوشش کر رہا ہے : ''ارے کیا مر گئے ہو؟ اٹھو نا؟،،

دریا کے پرے وادیوں پر چاند لٹکا ہوا تھا — اس وقت وہ بیل گاڑی کے پہیئے کے برابر معلوم ہو رہا تھا اور خون کی طرح سرخ تھا — بارینوف میرے پاس گھٹنے ٹیکے، میرا کندھا جھنجھوڑ رہا تھا —

''ارے اٹھو، آؤ نا — خوخول تم کو کب سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو رہے ہیں!،،

پھر ڈھلوان پر میرے ساتھه ساتھه چڑھتے ہوئے وہ بڑبڑانے لگا:

''یہ تو تمہاری کوئی بات نہ ہوئی کہ جہاں جی چاہا پڑکے لمبے ہو رہے — فرض کرو کوئی اوپر چڑھتا چڑھتا پھسل جائے اور تم پر کوئی پتھر ہی لڑھک پڑے یا کوئی جان بوجھه کر ہی لڑھکا دے تو؟ یہاں لوگ کسی کام کو ادھورا نہیں چھوڑتے، پورا ہی کرکے رہتے ہیں — یہاں ہماری طرف کے لوگ، بھیا تو دل میں برائی رکھتے ہیں، بغض رکھتے ہیں کیونکہ اس سے بہتر چیز ان کے پاس اور ہے بھی کیا جو اپنے دل میں رکھیں —،،

جھاڑیوں کے پاس سے کسی کے تیز تیز چلنے کی سرسراہٹ سنائی دی، پھر جھاڑیاں ھلنے لگیں اور پھر میگون کی زوردار، پاٹ دار آواز سنائی دی ''ملا؟،،

بارینوف نے ادھر سے چلا کے جواب دیا ''مل گیا! لا رھا ھوں —،،

کچھہ دور ھم لوگ خاموش چلتے رھے — پھر بارینوف نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا ''پھر چوری چوری مچھلیاں پکڑنے جا رھا ھے یہ میگون — اس کی بھی زندگی کیا مشکل کی زندگی ھے —،،

جب میں اندر پہنچا تو روماس نے مجھے خوب ڈانٹ پلائی:

''ایسی بےپرواھی کرتے ھو تم! کیا مار کھانے کا ارادہ ھے؟،،

پھر جب بارینوف چلا گیا تو منھہ لٹکاکے مجھہ سے آھستہ آھستہ کہنے لگے:

''پانکوف کہتا ھے کہ وہ تمھیں اپنے یہاں رکھہ لےگا کیونکہ وہ ایک دوکان کھولنے کا ارادہ کر رھا ھے — لیکن میں تمھیں مشورہ نہیں دوںگا کہ تم اس پیشکش کو قبول کرو— جہاں تک میرا سوال ھے میں نے جو کچھہ بچا تھا وہ پانکوف کے ھی ھاتھہ بیچ دیا ھے اور اب ویاتکا جا رھا ھوں— جیسے ھی وھاں میرا ٹھکانہ ھو جائےگا تمھیں بلا لوںگا — تم وھاں آ کر میرے پاس رھنا — ٹھیک؟،،

''سوچوںگا —،،

''اچھی بات ھے —،،

وہ فرش پر لمبے ھو گئے، ایک دو بار کروٹ لی اور چپ چاپ پڑ رھے — میں کھڑکی کے پاس بیٹھا والگا کو تکتا رھا — پانی میں چاند کا عکس ایسا لگتا تھا جیسے آگ آنکھیں پھاڑے دیکھہ رھی ھے — ایک اسٹیمر دور کے کنارے پر سے گذرا، اس کے پہیوں کی بھاری چھپاچھپ سنائی دی — مستول والی تین لالٹینیں اندھیرے میں ڈول رھی تھیں جیسے ستاروں پر سے گذر رھی ھوں — کبھی کبھی لالٹینیں ستاروں کو چھپا بھی دیتی تھیں —

rekhta

روماس نے نیند بھری آواز میں کہا ''کیوں؟ کسانوں کے متعلق سوچ سوچ کر جی جلا رہے ہو؟ نہ کرو ایسا — بے وقوف ہیں یہ سب، بس یہی بات ہے — اور بغض اور کینہ بھی اسی حماقت کا ایک پہلو ہے —''

لیکن مجھے ان الفاظ سے کب تسکین ہو سکتی تھی، یہ الفاظ میری تلخی کو گھٹا نہیں سکتے تھے، میرے زخم‌دل کا علاج نہیں بن سکتے تھے — میری نظروں میں پھر وہی روئیں دار، بالدار چہرے گھومنے لگے اور ان کی وہ کینہ پرور چیں چیں کرتی ہوئی چیخیں جیسے پھر سے میرے کانوں میں سنائی دینے لگیں:

''دور رہو، زد سے باہر رہ کر ان پر پتھراؤ کرو!''

اس وقت مجھه میں اتنا شعور نہ تھا کہ اپنی یادداشت سے وہ چیزیں کھرچ کر پھینک سکوں جن کا بھول جانا ہی بہتر تھا — یہ سچ ہے کہ ان لوگوں کو اگر فرداً فرداً دیکھا جاتا تو ان میں سے ہر ایک میں بغض اور کمینہ‌پن بہت تھوڑا سا ہی ملتا — بعض میں تو قطعی نہیں — بنیادی طور پر سبھی اچھی طبیعت کے جنگلی جانور تھے — ان میں سے ہر ایک کو بچوں کی طرح ہنسایا جا سکتا تھا اور ان میں سے ہر ایک بچوں کی طرح کہانیاں سن کر خوش ہوتا تھا —— کہانیاں جن میں تلاش عقل‌ومسرت کی داستانیں ہوتی تھیں، فراخ دلی اور شرافت کے کاموں کا بیان ہوتا تھا — ان لوگوں کے عجیب دلوں کو ہر وہ بات عزیز ہوتی ہے جو ایک ایسی آسان زندگی کے خواب دکھائے کہ جس میں ہر شخص کا قانون اس کی اپنی مرضی ہو —

لیکن جب یہی لوگ اکٹھے ہو جاتے تھے تو ایک اژدہام بن جاتے تھے — گاؤں کی میٹنگوں میں ہو یا ساحل والے شراب خانے میں تو وہ اپنی تمام اچھی خاصیتیں بالائے‌طاق رکھه دیتے تھے اور پادریوں کی طرح جھوٹ اور دکھاوے کی سجاوٹ اختیار کر لیتے تھے — گاؤں

rekhta

کے امیروں کے سامنے کتوں کی سی چاپلوسی اُن میں پیدا ہو جاتی اور ایسے وقت میں ان کو کوئی دیکھتا تو ان سے نفرت کئے بغیر نہ رہ سکتا — یا پھر ان پر بغض و کینے کے اچانک دورے پڑتے — بھیڑیوں کی طرح ان کے بال کھڑے ہو جاتے، دانت باہر نکل آتے اور ایک دوسرے پر بھیڑیوں کی ہی طرح ڈکارتے ہوئے وہ لڑنے مرنے پر نہ صرف تیار ہو جاتے بلکہ ذرا ذرا سی بات پر سچ مچ لڑ مرتے — ایسے موقعوں پر وہ نہائت خوفناک ہوتے اور ان سے کوئی بعید نہ ہوتا کہ اسی گرجا گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں جس میں کل شام وہ اس مسکینی، سعادت‌مندی اور فرمانبرداری سے جمع ہوئے تھے جس طرح بھیڑیں گلے میں اکٹھی ہوتی ہیں — ان لوگوں میں شاعر بھی تھے، بڑے فنکار قسم کے داستان گو بھی تھے لیکن ان کے حصے میں بھی محبت نہیں آئی تھی — لوگ ان پر ہنستے تھے، ان سے بےپرواہی برتتے تھے اور ان سے نفرت تک کرتے تھے —

میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا، ہرگز نہیں رہ سکتا تھا — اور جس دن روماس رخصت ہوئے اس دن میں نے ان سے اپنے یہ تلخ خیالات بیان کئے —

’’یہ نتیجہ قبل‌ازوقت نکالا ہے تم نے،، انہوں نے ملامت کرتے ہوئے کہا —

’’خیر —— لیکن اگر مجھے اس کا یقین ہے تو میں کیا کروں؟،،

’’یہ بالکل غلط منطق ہے، غلط نتیجہ ہے — بالکل بےبنیاد —،،

نہائت شفقت اور صبر کے ساتھ وہ مجھے بڑی دیر تک یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ میں غلطی پر تھا اور جو نتائج میں نے نکالے تھے وہ بھی غلط تھے —

’’دوسروں کو مجرم ٹھہرانے میں جلدبازی سے کام نہ لینا چاہئے —— مجرم ٹھہرا دینا تو سب سے آسان طریقہ ہے — اس طریقے کو اندھا دھند طور پر اختیار نہ کرنا چاہئے — معاملات پر زیادہ

rekhta

جذباتی نہ ھوا کرو، نہ ھر بات کو دل پر رکھا کرو اور یاد رکھو کہ ھر بات گذر جاتی ھے اور ھر چیز بہتر ھوتی جاتی ھے — آھستہ آھستہ؟ ھاں، بےشک آھستہ آھستہ لیکن مستقل طور پر! ھر چیز کا خود مطالعہ کرنے کی کوشش کرو، ھر چیز کو اپنے ھاتھوں کے لمس سے محسوس کرنے کی کوشش کرو، ڈرو کسی چیز سے نہیں لیکن فوراً مجرم کسی کو نہ ٹھہراؤ — اچھا پیارے دوست الوداع — ھم پھر ملیں گے — ،،

پندرہ سال بعد سیدلیتس میں ھم پھر ملے — اس درمیان روماس نے ’’نارودنوئے پراوا،، جماعت میں کام کرنے کی سزا میں یاقوتسک کے علاقے میں جلاوطنی کے دس سال اور کاٹے تھے —

جب روماس کراسنوویدووا سے چلے گئے تو مجھه پر سخت مایوسی اور بےچارگی چھا گئی — اپنا وجود سیسے کی طرح بھاری محسوس ھونے لگا، اب میں گاؤں میں ایک پلے کی طرح مارا پھرتا تھا جو اپنے مالک سے بچھڑ گیا ھو — بارینوف کے ساتھه میں گاؤں کے آس پاس خوشحال کسانوں کی زمینوں پر کھیت مزدور کا کام کرنے لگا تھا —— اناج گاھتا، آلو کھودتا اور پھلوں کے باغوں کی صفائی کرتا — میں بارینوف کے حمام میں رھتا تھا —

ایک رات جب بارش ھو رھی تھی، بارینوف نے کہا ’’الکسئی، تم تو اب بہت اکیلے ھو گئے ھو — دیکھو ھم لوگ سمندر پر کل ھی روانہ ھو جائیں تو کیسا رھے؟ آخر اب یہاں ھمارا رھنا ھی کیا؟ گاؤں کے لوگ ھم ایسوں کو پسند نہیں کرتے اور کون جانے کس دن یہ لوگ کیا کر بیٹھیں، شراب کے نشے میں کیا کر گذریں — ،،

بارینوف نے یہ تجویز پہلے بھی پیش کی تھی — اس پر خود بھی بہت اداسی چھائی ھوئی تھی — اس کے بازو جو بندر کی طرح لمبے لمبے تھے، دونوں طرف بےجان سے لٹکے ھوئے تھے اور وہ چاروں

rekhta

طرف اس غور سے لیکن مایوسی سے گھورتا جا رہا تھا جیسے وہ کسی جنگل میں راستہ بھول گیا ہے —

بارش کی بوچھار سے کھڑکیاں بج رہی تھیں — پانی کے ایک دھارے نے جو نالے کی طرف بہہ نکلا تھا، حمام کے کونے کو نیچے سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا — موسم گرما کے آخری طوفان کی پیلی بجلی کمزور سی آسمان پر لپک رہی تھی — باربنوف نے آہستہ سے پھر پوچھا:

"تو پھر ہم لوگ روانہ ہو جائیں؟ کل ہی؟"

اور ہم لوگ روانہ ہو گئے —

... خزاں کی اس رات والگا کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کی طرف وہ سفر ——— کس قدر پرلطف تھا کہ بیان سے باہر ہے! میں بجرے کے پچھلے حصے پر پتوار کے پاس بیٹھا تھا — پتوار چلانے والے کا سر بڑا تھا، بھدا سا آدمی تھا وہ — عرشے پر بھد بھد کرتا چلتا، بھاری بھاری قدم اٹھاتا اور دستہ گھماتے وقت بھاری آواز میں ریں ریں کرنے لگتا:

"او — ووپ! او ——— رر ———ووو!"

بے کنار پانی، کیچڑ کی طرح لیس‌دار، پاس سے ریشمی چادر کی طرح گذرتا چلا جا رہا تھا اور آہستہ آہستہ بجرے کے پہلوؤں میں تھپ تھپ لگتا تھا — دریا کے کناروں پر خزاں کے سیاہ بادل لٹکے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ دنیا میں اس آہستہ رفتار تاریکی کے سوا اور کچھ نہیں — وہ کناروں کو بھی ڈھانپے ہوئے تھی، دنیا ساری جیسے گھل کر اس اندھیرے میں مل گئی تھی، دھواں اور پانی بن گئی تھی اور پھر یکجان ہو کر بہتی ہوئی کسی خاموش خلا کے نشیب میں دوڑتی چلی جا رہی تھی جہاں نہ آفتاب تھا، نہ ماہتاب، نہ ستارے —

نمناک اندھیرے میں چھپا ہوا سامنے کی طرف اسٹیمر چل رہا تھا اور ہانپ رہا تھا — فوں فوں، پھچ پھچ کرتی ہوئی، جیسے وہ

rekhta

دھارے کی اس قوت سے زورآزمائی کر رھی ھو جو اسے نیچے کی طرف گھسیٹ کر جانا چاھتی ھو۔ تین روشنیاں —— دو پانی کی بالکل سطح کے اوپر اور ایک کافی اونچائی پر —— اسٹیمر کو راستہ دکھاتی ھیں۔ قریب کی چار روشنیاں سنہری مچھلیوں کی طرح لگتی تھیں اور ایسا معلوم ھوتا تھا کہ بادلوں کے بالکل نیچے ھی لٹکی ھوئی ھیں۔ ان میں سے ایک ھمارے بجرے کے مستول پر کے سرے والی لالٹین تھی۔

مجھے ایسا محسوس ھو رھا تھا جیسے میں کسی سرد اور چکنے حباب کے اندر نظربند کر دیا گیا ھوں، وہ ایک نشیب پر پھسلتا چلا جا رھا ھے اور میں اس کے ساتھ پھسل رھا ھوں مکھی کی طرح اس کے اندر پھنسا ھوا۔ جیسے وہ تمام حرکت رفتہ رفتہ رکتی جا رھی ھے اور وہ لمحہ بالکل قریب ھے جب قطعی رک جائے گی، اپنی بڑبڑاھٹ بند کر دے گا اور چپچپے پانی میں پہیئے چلنے سے رک جائیں گے، تمام آوازیں یوں ختم ھو جائیں گی جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ھیں، یوں مٹ جائیں گی جیسے سلیٹ پر سے چاک کا لکھا مٹادیا جائے اور میں خاموشی اور سکوت کی اجنبی آغوش میں جا پڑوں گا۔

اور وہ بھاری بھرکم آدمی جو پتوار کا دستہ گھمایا کرتا تھا، بھاری سا بھیڑ کی کھال کا کوٹ پہنے، پھٹیچر ھیٹ لگائے —— وہ بھی رک جائے گا اور اس افسوں کے اثر سے ھمیشہ کے لئے بے حس‌وحرکت کھڑا ھو جائے گا۔ پھر وہ نہیں غرائے گا:

"اورروپ! اوورر...."

میں نے اس سے پوچھا:

"تمھارا نام کیا ھے؟"

اس نے بےدلی سے جواب دیا "تم کو اس سے مطلب؟"

یہ آدمی ریچھ کی طرح بھدا تھا۔ پچھلی شام جب ھم قازان سے روانہ ھو رھے تھے تو ڈوبتے ھوئے سورج کی روشنی میں میں نے

rekhta

اس کا چہرہ غور سے دیکھا تھا —— اور وہ چہرہ ایک اندھا، بے آنکھوں کا تودہ سا نظر آیا تھا جس پر گھنے رونگٹے تھے — پتوار کے پاس کھڑے ہو کر اس نے وادکا کی ایک بوتل ایک لکڑی کے پیالے میں الٹ لی تھی، اس کو پانی کی طرح غٹاغٹ پی گیا تھا اور اوپر سے ایک سیب کھایا تھا — اور جب بجرا لڑکھڑاکے چل پڑا تو اس آدمی نے دستے کو خوب مضبوط پکڑ لیا تھا، گردن نکال کر سورج کے سرخ گولے کو دیکھا تھا اور سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دے کر سختی سے کہا:

’’مدد پروردگار کی!،،

اسٹیمر چار بجروں کو لے کر نیژنی نووگورود کے میلے سے استراخان کی طرف جا رہا تھا — ان میں ایک ہمارا بجرا بھی تھا — اس پر جو مال تھا —— لوہے کی چادریں، شکر کے بورے، کچھ بھاری بھاری پیٹیاں —— یہ سب سامان ایران جا رہا تھا — بارینوف نے پیٹیوں کو ٹھوکر سے کھٹ کھٹ کیا، پھر سونگھا، ذرا دیر سوچا اور کہا:

’’یقیناً بندوقیں ہیں، ایژیفسک کے کارخانے سے جا رہی ہوں گی....،،

لیکن بارینوف کی پسلیوں میں پتوار چلانے والے نے ایک مکا دیا اور پوچھا:

’’پھر تمہیں اس سے کیا مطلب؟،،

’’نہیں، میں ویسے ہی سوچ میں پڑ گیا تھا ذرا...،،

’’کیا کھوپڑی تڑوانا چاہتے ہو؟،،

ہم لوگوں کے پاس چونکہ مسافروں والے اسٹیمر کا کرایہ نہیں تھا اس لئے ہم لوگ اس مال والے بجرے پر ’’از راہ مہربانی،، بٹھا لئے گئے تھے — اور اگرچہ ہم لوگ ملاحوں کی طرح کھڑے پہرہ دے رہے تھے لیکن پھر بھی بجرے پر کے باقی لوگوں کی نظروں میں ہماری حیثیت بھکاریوں کی سی تھی —

’’اور تم عوام کی بات کرتے ہو...،، بارینوف نے کہا — ’’زندگی کو سمجھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ اوپر آ جاتے ہیں تو

rekhta

آپ دوسروں پر سواری کرتے ہیں اور اگر نہیں اوپر آتے تو دوسرے آپ پر سواری کرتے ہیں —— اور بس — ،،

رات کا اندھیرا اس قدر گھرا تھا کہ مجھے دوسرے بجرے نظر نہیں آ رہے تھے، صرف ان کے مستولوں کی نوک دکھائی دے رہی تھی جن پر لالٹینیں لٹکی ہوئی، گھنے دھوئیں کے سے بادلوں میں نمایاں تھیں — بادلوں میں سے بھی تیل کی بو آ رہی تھی —

پتوار چلانے والے کا اس طرح منھه لٹکائے خاموش رہنا مجھے برا لگ رہا تھا — بجرے کے بڑے ملاح نے مجھه سے کہا تھا کہ پتوار کے دستے کے قریب جا کر کھڑا رہوں اور اس جانور کی مدد کر دوں — جب اوپر کی روشنیاں کوئی موڑ لیتی ہوئی معلوم ہوتیں تو وہ آہستہ سے کہتا :

''اے سنبھال! سنبھال!،،

میں اچھل کر اس دستے کو گھمانے میں مدد دیتا —

پھر وہ بڑبڑاتا ''ہو گیا، ہو گیا — ،،

اور میں پھر عرشے پر بیٹھه جاتا — بات کرنے کی ہر کوشش ناکام ہوتی تھی کیونکہ وہ ہر بات کا جواب ایک سوال کی شکل میں دیتا تھا :

''پھر تمھیں اس سے کیا؟،،

آخر وہ کیا سوچ رہا تھا؟ اس کا دماغ کس الجھن میں تھا؟ جس وقت ہم اس جگہ سے گذرے جہاں سے کاما کا زرد پانی والگا کے نیلے فیتے سے گلے ملتا ہے، تو اس نے اپنا منھه شمال کی طرف کیا اور بڑبڑایا :

''گندے —،،

''کون؟،،

کوئی جواب نہیں —

دور کہیں، رات کے بے کنار خلا میں کتے بھونک رہے تھے، رو رہے تھے —— ایک ایسی فضا جو یہ یاد دلاتی تھی کہ زندگی

rekhta

ابھی سانس لے رہی ہے اور تاریکی کے مقابلے میں اس نے ہار نہیں مانی ہے، وہ پسپا نہیں ہوئی ہے — البتہ یہ تمام آوازیں بے حد دور لگتی تھیں جیسے نہ کوئی ان تک پہونچ سکتا تھا، نہ کسی کو ان تک پہونچنے کی ضرورت تھی —

پتوار چلانے والے نے یکایک اعلان کیا ''بےکار کتے! یہاں کے جتنے کتے ہیں —— سب بےکار — ''

''کہاں کے کتوں سے مراد ہے —— یہاں کے؟''

''ہر جگہ کے — البتہ میں جہاں کا رہنے والا ہوں وہاں کے کتے ہیں اصلی کتے....''

''اور وہ جگہ کہاں ہے؟''

''وولگدا — ''

اور اب الفاظ اس طرح ابلنے شروع ہوئے جیسے بوری کھل جانے پر آلو لڑھکتے ہی چلے آتے ہیں —— بھاری بے جان الفاظ :

''یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تمہارا چچا؟ بھئی میرا تو جہاں تک خیال ہے وہ گدھا ہے — میرا ایک چچا ہے —— وہ ہے البتہ ہوشیار، بدمعاش بھی ہے اور امیر بھی — ایک پوری گودی کا ٹھیکہ دار ہے، سمبرسک میں اور ایک شراب‌خانہ بھی ہے اس کے پاس — ''

وہ الفاظ کو اس طرح آہستہ آہستہ ادا کرتا تھا جیسے بڑی کوشش کرکے بول رہا ہو — پھر خاموش ہوکر سامنے کی طرف گھورنے لگا — نگاہیں کھنچ کر اسٹیمر کے مستول کی لالٹین پر جمی تھیں جو اندھیرے کے جالے میں چمکدار مکڑی کی طرح لگتی تھی — لیکن مجھے اس کی آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں —

''سنبھالو، سنبھالو... اچھا تو تم پڑھ سکتے ہو؟ تو تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ قانون کی باتیں سب کون لکھتا ہے؟''

جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے اپنی بات جاری رکھی :

rekhta

''لوگ طرح طرح کی بات کہتے ھیں — بعض کہتے ھیں کہ سب قانون زار لکھتا ھے اور بعض کہتے ھیں کہ بڑے پادری یا سنیٹ بناتی ھے — اگر مجھے یہ ٹھیک سے پتہ چل جائے کہ کون بناتا ھے تو میں جا کر اس سے ملوں اور کہوں کہ قانون ایسا بناؤ کہ میں مارنا تو خیر دور رہا ھاتھہ بھی نہ اٹھا سکوں — قانون کو تالا اور کنجی کی طرح آھنی ھونا چاھئے —— میرے دل پر تالے ڈال دو اور بس کرو — پھر میں اپنا جواب دے لوں گا لیکن اس طرح تو میں جواب دہ نہیں ھو سکتا —— ھاں نہیں ھو سکتا — ''

اب وہ خود ھی خود بڑبڑا رہا تھا اور اس کی آواز مدھم ھوتی چلی جا رھی تھی، باتوں میں ربط ختم ھوتا جاتا تھا، پتوار کے دستے کو مکوں سے دھما دھم کوٹ رہا تھا —

اسٹیمر کی طرف سے کوئی میگافون میں کچھہ چیخا اور وہ بےجان انسانی آواز کتوں کے رونے اور بھونکنے کی طرح بالکل بے موقع اور بے محل لگتی تھی جسے رات نے نگل لیا — اسٹیمر کی تینوں روشنیاں پاس بہتے ھوئے پانی کی سیاہ تاریکی کو چیرنے میں ناکامیاب ھو کر ھلتی ھوئی، ڈوب گئیں — اور اوپر سے کیچڑ کی دریا کی طرح، بھاری اور لیس دار، سیاہ اور پھولے پھولے بادل اڑتے چلے جا رھے تھے — ھم پھسلتے جا رھے تھے، جدھر تاریکی، اور زیادہ تاریکی کی حکومت تھی —

یہ شخص چڑچڑا اور بڑبڑا رہا تھا:

''یہ آخر ان لوگوں نے میرا کیا حال کرنے کی سوچی ھے؟ میرا تو دل بالکل ھی بیٹھا جا رہا ھے...''

مجھہ پر بے نیازی کا عالم طاری ھو گیا اور ایک سرد بے جان سی مایوسی چھا گئی — اب مجھے نیند کے سوا کسی چیز کی طلب نہ تھی —

بادلوں کے درمیان سے تڑکا نکلا، جدوجہد کرتا ھوا، تھکا ھارا —— صبح اور وہ بھی آفتابی نور کے بغیر —— کس قدر بے جان

rekhta

و ناتواں لگتی تھی وہ صبح جس سے پانی پر سیسے کا سا سرمئی رنگ پت گیا تھا — البتہ اس سے دریا کے کنارے زرد پڑتی ہوئی جھاڑیاں، سیاہ شاخوں‌والے صنوبر اور ان کے زنگ لگے لوہے کے سے تنے واضح ہو گئے تھے — دور گاؤں کے مکانات اور ایک کسان کا خاکہ جیسے پتھر میں سے تراشا ہوا لگنے لگا تھا — ایک مرغابی اڑتی ہوئی پاس سے نکل گئی بڑے بڑے پروں کی پھڑ پھڑا ہٹ سے سیٹی بجتی ہوئی —

ھمارا پہرہ ختم ھو گیا — میں ترپولنے کے سائبان کے نیچے جا لیٹا اور سو گیا — لیکن بہت جلد —— یا شائد مجھے ایسا لگا —— بہت سی چیخوں اور بھاری قدموں کی آہٹ نے مجھے جگا دیا — اپنی پناہ گاہ سے جھانک کر دیکھتا ھوں تو تین ملاح نظر آتے ھیں جو پتوار چلانے‌والے کو کیبن کی دیوار پر دبائے ھوئے تھے اور بکے جا رہے تھے —

''جانے دو پیوترا!،،

''خدا محفوظ رکھے ھم لوگوں کو — وہ تو گذر ھی جانے کی بات!،،

''تم کچھ خیال نہ کرو —— جانے دو!،،

اور وہ دونوں ھاتھ سینے پر لپیٹے کھڑا تھا، اس زور سے کہ انگلیاں دونوں کندھوں میں دھنسی جا رہی تھیں — ایک پاؤں سے اس نے عرشے پر ایک بنڈل دبا رکھا تھا — وہ ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر رہا تھا، بس باری باری سے ھر ملاح کی طرف دیکھتا اور منت سے کہتا:

''مجھے جانے دو، مجھے گناہ سے دور جانے دو!،،

اس کے پیر بھی ننگے تھے اور سر بھی، صرف قمیص اور پتلون پہنے تھا — آگے کو نکلے ھوئے ماتھے پر الجھے سیاہ بالوں کا ڈھیر بکھرا ھوا تھا — چیونٹے کی سی ننھی ننھی سرخ آنکھیں اس ڈھیر کے نیچے سے اپنی بے قراری کا پتہ دیتی ھوئی التجا کر رہی تھیں —

rekhta

''ارے تم ڈوب جاؤگے،، ملاح لوگ کہہ رہے تھے —

''میں؟ کبھی نہیں ڈوبوں گا — مجھے چھوڑ دو بھائیو! نہیں تو اگر میں نہ گیا تو میرے ہاتھ سے اس کا خون ہو جائے گا — جیسے ہی ہم سمبرسک پہنچیں گے ویسے ہی میں...،،

''ارے اب جانے بھی دو — چھوڑو بھی —،،

''آہ بھائیو، تم کیا جانو...،،

اس نے گھٹنے ٹیک دئے اور اپنے ہاتھوں کو اتنا پھیلایا کہ وہ دونوں طرف کیبن سے جا لگے — ایسا لگتا تھا جیسے اسے مصلوب کیا گیا ہو، اور پھر منت کرنے لگا:

''مجھے جانے دو، مجھے بچنے دو گناہ سے!،،

اس کی آواز بڑی ہی عجیب طرح سی گہری اور پھنسی ہوئی لگ رہی تھی اور اس میں دلدوز التجا تھی — پھیلے ہوئے بازو چپوؤں کی مانند نظر آ رہے تھے اور ہاتھ جن کی ہتھیلیاں سامنے کو تھیں کانپ رہے تھے — اس کا ریچھ جیسا چہرہ بھی گھنی داڑھی میں لرز رہا تھا — چیونٹے کی سی سرخ آنکھیں، ننھی ننھی، لال لال، باہر کو نکلی ہوئی تھیں — بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ہاتھ جو دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس کا گلا دباکے گھونٹ رہا ہے —

خاموشی کے ساتھ وہ تینوں آدمی اس کے رستے سے ہٹ گئے — وہ گڑبڑاکے اٹھا، اپنا بنڈل سنبھالا اور کہا:

''شکریہ!،،

عرشے کو پار کرکے وہ اس پھرتی اور صفائی سے عرشے کی منڈیر پر سے کودا کہ ایسی پھرتی کی مجھے تو اس سے امید نہ تھی — میں بھی بھاگ کر عرشے کی منڈیر پر پہنچا اور اتنا دیکھ لیا کہ پیوتر نے اپنا بھیگا ہوا سر جھٹکا، اس پر بنڈل جمایا اور آڑا تیرتا ہوا ریتیلے کنارے کی طرف بڑھا — کنارے کی جھاڑیوں نے ہوا کے جھونکوں

rekhta

سے جھک جھک کر اس کا استقبال کیا اور پانی میں زرد پتوں کی اشرفیاں گرا کر اس پر نچھاور کیں —

وہ ملاح کہنے لگے :

''تو آخرکار اس نے اپنے اوپر قابو پا ہی لیا!،،

''کیا کچھ پاگل ہے؟،، میں نے پوچھا —

''نہیں وہ پاگل نہیں ہے —— وہ تو اپنی روح کو گناہ سے بچا رہا ہے...،،

اب پیوتر چھچھلے پانی میں پہنچ گیا تھا — وہاں پہنچ کر وہ کمر کمر پانی میں ایک منٹ کے لئے کھڑا ہو گیا اور ادھر مڑ کر زور سے اپنا بنڈل سر کے اوپر گھمایا — ادھر سے ملاحوں نے بھی زور سے آواز دی :

''الوداع!،،

کسی نے پوچھا :

''پاسپورٹ کے بغیر یہ کیا کرے گا؟،،

سرخ بالوں، ٹیڑھی ٹانگوں والے ایک ملاح نے بڑے مزے میں مجھ کو پورا قصہ سمجھایا :

''سمبرسک میں اس کا ایک چچا ہے، اس نے اسے دھوکہ دے کر جو کچھ بھی اس کے پاس تھا وہ سب چھین لیا — چنانچہ اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس کو مار ڈالے گا — مگر خیریت گذری کہ اس نے اپنے آپ پر قابو کرکے اپنے کو گناہ سے بچا لیا — ویسے آدمی تو وحشی ہے مگر نرم دل ہے! نیک انسان ہے...،،

اتنی دیر میں وہ نیک انسان چڑھائی کی طرف ریتیلی پگڈنڈی پر بڑھتا جا رہا تھا اور وہ جلد ہی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا —

یہ ملاح لوگ بڑے اچھے لوگ نکلے — سب کے سب ہی میری طرح والگا کے رہنے والے تھے اور شام ہوتے ہوتے میں ان میں خوب گھل مل گیا — لیکن دوسرے دن میں نے دیکھا کہ مجھ

rekhta

پر مشکوک سی برہم نظریں پڑ رہی ھیں اور میں نے اندازہ لگایا کہ بارینوف کی زبان کھل گئی ھوگی اور اس نے ان ملاحوں کو نہ جانے کیا داستان گھڑ کر سنا دی ھوگی۔

’’کیا تم نے گپ بازی شروع کر دی؟،، میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے سر کھجایا اور گھبرا کر قبول دیا:

’’ھاں، تھوڑی سی—،، اس کی نسوانی آنکھوں میں مسکراھٹ ناچ رہی تھی۔

’’میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ زبان بند رکھنا؟،،

’’ھاں ھاں وہ تو میں نے بند رکھی مگر بات یہ ہے کہ وہ کہانی اتنی اچھی تیار ھو گئی تھی— ھوا یوں کہ ھم لوگ تاش کھیلنا چاہ رہے تھے اور گڈی تاش کی غائب ھو گئی کیونکہ وہ اس کے پاس تھی—— تو ھم لوگوں پر اکتاھٹ چھا گئی! پھر میں بات کرنے لگ گیا...،،

چند سوالات کرنے پر یہ کھلا کہ بارینوف نے محض وقت کاٹنے کے واسطے ایک نہائت ھی پیچیدہ قسم کی داستان کا تانا بانا تیار کیا— اور اس داستان کے آخر میں خوخول اور یہ خاکسار دیہاتی لوگوں کے ایک پورے مجمع کے مقابلے میں کلہاڑیوں سے جنگ کرتے ھوئے دکھائے گئے—— پرانے سورماؤں کی طرح—

اب اس پر ناراض ھونا تو بےکار ھی تھا— اس کے لئے تو سچائی صرف وھی تھی جو حقیقت کی حد سے باھر ھو— ایک دن جب ھم لوگ کام کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے اور ایک نالے کے کنارے پر سستانے بیٹھ گئے تھے تو اس نے بڑے یقین کے ساتھ، نہائت نرمی سے مجھ سے کہا تھا:

’’سچائی؟ انسان کو چاھئے کہ اپنے لئے سچائی خود تلاش کرے، اپنی سچائی خود ڈھونڈے جس سے اس کا دل مطمئن ھو۔

rekhta

دیکھو وہ نالے کے پار بھیڑوں کا ایک گلہ چر رہا ہے نا، ایک کتا بھی ہے اور ایک چرواہا بھی — اچھا تو پھر اس سے کیا؟ بھلا اس بات سے ہمارے اور تمہارے دلوں کو کیا گرمی اور کیا جوش نصیب ہو سکتا ہے؟ عزیزم، تم تو چیزوں کو ویسی ہی دیکھنے کی کوشش کرو جیسی کہ وہ ہیں: لوگ برے ہیں، یہ تو ہوئی سچائی، اور اچھے لوگ کہاں ہیں؟ بات یہ ہے کہ اچھے لوگوں کو ایجاد کرنا پڑتا ہے، ان کو گھڑنا پڑتا ہے — سمجھے؟،،

جب ہم لوگ سمبرسک پہنچے تو ملاحوں نے بڑی بری طرح سے ہم لوگوں سے وہاں اتر جانے کو کہا — ''تمہارے ایسے لوگ ہمیں درکار نہیں ہیں،، انہوں نے اعلان کیا —

کشتی میں بٹھا کر وہ ہم لوگوں کو گودی تک پہنچا آئے — کچھ دیر تو ہم لوگ کنارے پر بیٹھے کپڑے سکھاتے رہے پھر دیکھا تو دونوں کے ملا کر تقریباً سینتیس کوپک ہمارے پاس تھے —

پھر ایک شراب‌خانے میں گئے، چائے پی —

''اب کیا کیا جائے؟،، میں نے پوچھا —

''یہ کیوں پوچھتے ہو؟،، باریئوف نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا — ''بس چلتے رہیں گے — ،،

ہم لوگ سمارا تک ایک پسنجر اسٹیمر میں چھپ کر گئے، سمارا میں ایک بجرے میں ملازمت کرلی جو تقریباً سات دن میں بغیر کسی گڑبڑ کے ہمیں کسپین سمندر کے کنارے لے آیا — وہاں ہم مچھیروں کی چھوٹی سی ارتیل میں شامل ہو گئے — یہ ارتیل کبانکل بائی کی گندی کالمک ماہی‌گاہ پر قائم تھی —

rekhta